آداب القرآن
حضرت مولانا قاری محمد اجمل خان
toobaa-elibrary.blogspot.com
مکتبۃ الحسن
۲۹/۹ لال چوک عبدالکریم روڈ
قلعہ گوجر سنگھ - لاہور

آدابُ القرآن

مؤلفہ

حضرت مولانا قاری محمد اجمل خاں

مکتبۃ الحسن
9/29 لال چوک عبدالکریم روڈ
قلعہ گوجر سنگھ۔ لاہور

نام کتاب : آدابُ القرآن
نام مؤلف : خطیبِ اسلام حضرت مولانا قاری محمد اجمل خان صاحب

منتظم اعلیٰ : ڈاکٹر عبد الرشید مخدومی
باہتمام طباعت : حاجی حبیب الرحمان پٹیالوی

ایڈیشن : دوم (رمضان المبارک ۱۴۰۲ھ بمطابق جولائی ۱۹۸۲ء)
تعداد : ایک ہزار

مطبع : اَلْمُطْبَعَۃُ الْعَرَبِیَّۃ ۳۰-لیک روڈ لاہور
ناشر : مکتبہ الحسن ۹/۲۹ لال چوک عبد الکریم روڈ
قلعہ گوجر سنگھ - لاہور

قیمت پینتالیس روپے۔ ۳۰/۰۰

تقطیع : ۳۶ × ۲۳ / ۱۶ ضخامت ۳۶۸ صفحات

اِنتساب

ان پاکباز، جاں نثار حفاظ، قرّاء کرام کے نام
جنہوں نے مسئلہ ختم نبوت کی خاطر (جھوٹے) متنبی
مسیلمہ کذاب لعنۃ اللہ کے خلاف جنگِ یمامہ
میں سر دھڑ کی بازی لگاتے ہوئے جامِ شہادت
نوش کیا۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

گر قبول افتد زہے عزّ و شرف!

کتاب "آداب القرآن" کے بارے میں

علماءِ کرام اور مشائخ عظام کی آراء

(۱) حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ مہتمم دارالعلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

کتاب مستطاب آداب القرآن مؤلفہ محترم مولانا محمد اجمل صاحب خطیب اسلام لاہور، نظر سے گزری۔ جستہ جستہ مقامات احقر نے دیکھے، آداب قرآن وقراۃ کے سلسلہ کے ضروری مسائل حسنِ ترتیب کے ساتھ اس کتاب میں جمع کر دیئے گئے ہیں۔ جن کی فی زمانہ ضرورت تھی۔ حق تعالیٰ اس سعی کو مشکور فرمائے اور مسلمانوں کیلئے نافع بنائے (وباللہ التوفیق)

(محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند (نزیل حال لاہور)

۳۰ / ۷ / ۸۸ ھ

(۲) مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم ومغفور کراچی

محترم مولانا محمد اجمل صاحب مبلغ وخطیب اسلام لاہور کی تازہ تصنیف آداب القرآن ایک مجلس میں مختلف مقامات سے دیکھی۔ الحمد للہ! کہ آداب القرآن کے متعلق تمام ضروری اور اہم مسائل اس میں آ گئے ہیں اور اسکے ماخذ لیے ہیں جو علماء امت کی نظر میں اعتماد کا خاص مقام رکھتے ہیں۔ تفسیر قرطبی، روح المعانی، اتقان علامہ سیوطیؒ۔ البرہان فی علوم القرآن زرکشی شارح بخاری وغیرہ

امید ہے کہ یہ مجموعہ مسلمانوں کیلئے نہایت مفید ثابت ہوگا۔ دعا ہے کہ اس کے اصول کی طرح حق تعالیٰ اسکو بھی قبولیت تامہ عطا فرمائیں اور مؤلف سلمہ کو جزائے خیر عطا فرمائیں۔

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ (در لاہور)

۱۸- رجب ۸۷ ھ

(۳) مفکر اسلام قائد جمعیۃ علماء اسلام حضرت مولانا مفتی محمود صاحب مرحوم ومغفور شیخ الحدیث مدرسہ قاسم العلوم ملتان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ الذی انزل کتابہ الکریم وبعث لشرحہ رسولہ الرحیم واختار قوما کالنجوم لحفظ شرعہ القویم علیہ وعلیہم وعلی من تبعہم صلوٰۃ اللہ وسلامہ الی یوم عظیم۔ اما بعد فقد طالعت فی ساعۃ وجیزۃ کتاب آداب القرآن لاخ الفاضل الاوبجل والخطیب الاکمل مولانا محمد اجمل سلمہ عزوجل فرأیتہ تصنیفاً وتالیفاً عجیباً ما نسج علی منوالہ احد وماسعی عالم لمثل ہذا المقصد وماجہد قد۔ جمع فیہ من الآداب التی یلزم علی التالی ان یتأدب بہا والتی یجب علی القاری ان یتقرب بہا فلہ اذ امہ اللہ منۃ عظیمۃ علی حملۃ القرآن ارجوان یتقبل اللہ ہذہ العجالۃ النافعۃ وادعولہ ان یوفقہ توفیقا مزیدا۔

۷ صفر ۸۸ھ (انا الاحقر الافقر محمود عفا اللہ عنہ خادم العلوم بقاسم العلوم (ملتان))

(۴) مجاہد ملت بطل حریت حضرت مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی مرحوم ومغفور

جب تک مسلمانوں کے دلوں میں شعائرِ اسلام اور کتاب وسنت کا احترام تھا اللہ تعالیٰ نے انکو دنیا میں بھی معزز وسربلند رکھا۔ افسوس کہ آج کل فرنگی استعمار نے ہر جگہ دینی اقدار کو مجروح کر دیا ہے۔ حتٰے کہ متبرک اوراق کی بے عزتی گلی کوچوں میں ہو رہی ہے۔ اس سے قہر خداوندی کا ڈر لگتا ہے۔ حضرت مولانا محمد اجمل صاحب خطیب جامع رحمانیہ، قلعہ گوجر سنگھ لاہور، مرکزی ناظم جمعیۃ علماء اسلام پاکستان نے قرآن پاک کے پڑھنے، رکھنے کے طریقوں اور دیگر متعلقہ آداب کو اکابر امت کے حوالوں سے جمع کر کے پھر اسلاف کے اتباع کی رہنمائی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ انکی مساعی قبول فرما کر دلوں کو قرآن پاک کے آداب پر عمل کی توفیق بخشے۔ اسی سے ہمارے دینی، دنیوی اور تمام سیاسی ومعاشرتی امور میں برکات شامل ہو سکتی ہیں اس زمانہ میں اہم خدمت ہے جو حضرت مولانا موصوف نے انجام دی۔ فقط

(غلام غوث ہزاروی لقلم خود ناظم عمومی جمعیۃ علماء اسلام (مغربی پاکستان)

(۵) حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب خطیب مدنی جامع مسجد چکوال۔

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علی عبادہ الذین اصطفےٰ کتاب "آداب القرآن" مؤلفہ مولانا محمد اجمل صاحب لاہوری زید مجدہم کے بعض مقامات کے مطالعہ کا موقعہ ملا۔ الحمد للہ یہ تالیف اپنے موضوع اُردو زبان میں ایک ممتاز اور نمایاں حیثیت رکھتی ہے۔ محققین، مفسرین اور ائمہ دین

کی عبارات کی ترتیب و تدوین میں حضرت مولانا موصوف نے بڑی عرق ریزی سے کام لیا ہے۔

علماء اور طلبۂ دین کے لئے قرآنی آداب کا اس میں بہترین ذخیرہ موجود ہے۔ حق تعالیٰ مولانا موصوف کی یہ محنت و سعی قبول فرمائیں اور اہل اسلام کو اس سے استفادہ کی توفیق عطا فرمائیں۔

(الاحقر مظہر حسین غفرلہٗ مدنی جامع مسجد چکوال)

(۶) علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر (انگلینڈ)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ کو وصیت فرمائی کہ قرآن کریم اور آپ کی سنت مطہرہ کو لازم پکڑیں کبھی راہ سے نہ بھٹکیں گے۔ زندگی کے تاریک خاکوں میں ان دو قندیلوں سے رنگ بھرنا ہمیشہ سے سعادت مندوں کا سرمایہ عمل رہا ہے۔

اس وصیت کا تقاضا تھا کہ امت میں مختلف دوروں میں قرآن و سنت پر ایسی محنتیں جاری رہیں تاکہ یہ روشن قندیلیں زندگی کے ہر دور میں ایک نئی زندگی بخشتی رہیں۔ الحمد للہ کے امت کریمہ اس فرض کفایہ سے تاریخ کے ہر دور میں عہدہ برآ ہوتی رہی ہے اور علماء اسلام ضرورت کے ہر وقت پر اپنا فریضہ ادا کرتے چلے آئے ہیں۔

خطیب اسلام حضرت مولانا محمد اجمل صاحب دامت برکاتہم ان راسخ العلم علماء میں سے ہیں۔ جنہوں نے ملک کی تبلیغی اور سیاسی خدمات کے ساتھ ساتھ قرآن کریم کو اپنی خدمات کا محور بنایا ہے۔

جامع مسجد رحمانیہ عبدالکریم روڈ لاہور میں آپکا درسِ قرآن، تفسیر قرآن میں آپکی تالیف عربی میں جواہر التفاسیر عربی زبان کی تراویح و تعلیم اور قرآن فہمی کیلئے تالیف منیف تدریس القرآن کا تقاضا تھا کہ اس چشمہ معرفت کی عوام کیلئے اس کے آداب داخلہ پر بھی قلم اٹھائے۔ الحمد للہ کہ آپ

نے "آداب القرآن" تالیف فرما کر یہ حجتِ بالغہ بھی پوری کردی۔ قرآن کریم کی عظمت و احترام، تلاوت و قرأت اور کتابت و طباعت پر وہ جواہر پارے سپرد قلم کئے کہ عصر حاضر ان کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے جو اہل علم اس کتاب مستطاب کا مطالعہ کرینگے وہ احقر کی دل و دماغ سے تصدیق کرینگے۔ اللہ رب العزت آپکی ان مساعیٔ جمیلہ کو امت کیلئے صحیح رہنمائی اور آخرت میں احسن الجزاء کا مواد بنائیں۔

(خالد محمود عفا اللہ عنہٗ (حال وارد پاکستان)

(۷) جناب ظہور احمد اظہر صاحب شعبہ عربی پنجاب یونیورسٹی لاہور

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ قرآن مجید رب العزت کا کلام ہے یہ وہ ابدی پیغام ہے جو انبیاء کرام کے توسط سے انسانیت کی تعلیم و تربیت، رشد و ہدایت اور تہذیب و تدریب کیلئے بھیجا جاتا رہا حتیٰ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم پر اس رسالت حق و پیغام ابدی کی یوں تکمیل ہوئی کہ یہی کلام ربانی امی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ابدی و سرمدی، غالب و اعلیٰ اور زمان و مکان کی قیود و حدود سے بے نیاز معجزۂ مبین ٹھہرا، یہ کلام ربانی اور معجزۂ محمدی ذخیرہ علم و عرفان ہے۔ جس کے فہم و تفہیم، تفسیر و تشریح، تعلیم و تدریس اور قرأت و تلاوت کیلئے کچھ احکام و اصول اور ضوابط و آداب ہیں۔ ان ضوابط و احکام اور اصول و آداب کو ملحوظ رکھنا بندۂ مومن کیلئے نہایت ضروری ہے بلکہ ان سے آگاہی کے بغیر کتاب اللہ کی تفسیر و تفہیم اور تعلیم و تلاوت کا حق ہی ادا نہیں ہوسکتا۔ تعلیم و تلاوت قرآن کے احکام و آداب کو یکجا کرنا اردو دان اہل اسلام کیلئے وقت کی ایک اہم ضرورت تھی۔

الحمد للہ کہ حضرت مولانا محمد اجمل خان صاحب نے ہماری یہ ضرورت پوری کردی ہے۔ فجزاہ اللہ عنا وعن المسلمین جمیعا وجعلہ ذخرا فی عقباہ۔ آمین!

حضرت مولانا محمد اجمل خان صاحب ایک شعلہ نوا خطیب ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بلند پایہ محقق بھی ہیں۔ ہمارے علماء میں سے جو بزرگ خطابت و تقریر کے میدان کے شہسوار ہوتے ہیں وہ تحقیق و تدقیق کے

سنگلاخ و پرپیچ رستوں سے گریزاں ہی رہتے ہیں۔ خطابت و تصنیف یا
دوسرے لفظوں میں قلم اور زبان کی یکساں قدرت بہت کم لوگوں
کا مقدر بنتی ہے اور حضرت مولانا اجمل صاحب بھی ان خوش نصیب
مستثنیات میں سے ہیں۔ ہم مولانا کی شعلہ نوائی اور سحر البیانی کے
بھی مداح ہیں۔ اور ان کے ذوق تحقیق اور زور قلم کے بھی
قائل ہیں۔

ان کی سعی مشکور اور عمل مقبول آداب قرآن مجید کے
سلسلے میں ایک نہایت مفید اور اہم معلوماتی ذخیرہ ثابت
ہوگا۔ کتاب اللہ کی تعلیم و تدریس اور قرائت و تلاوت
میں مشغول رہنے والے اس سے ہمیشہ فیض پاتے رہیں گے
اور مصنف کے درجات و ثواب عقبیٰ میں اضافہ ہوتا رہے گا۔
ان شاء اللہ! (ظہور احمد اظہر شعبہ عربی پنجاب یونیورسٹی لاہور۔

۸۱۰۱۲۰۲

(۸) جناب ڈاکٹر ذوالفقار علی ملک صاحب ڈین فیکلٹی آف اسلامک اینڈ اورینٹل
لرننگ (پنجاب یونیورسٹی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ مولانا محمد اجمل خان صاحب ایک فصیح البیان خطیب
ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بڑے عالم دین بھی ہیں۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے
قرآن و سنت کے گہرے علم سے نوازا ہے چنانچہ آپ اپنی سحر
البیانی کے ساتھ ساتھ پانچ چھ کتابیں مختلف دینی موضوعات پر تحریر
کر چکے ہیں۔ جن میں سے آداب القرآن اور آداب الدعا مجھے دیکھنے کا
موقع ملا ہے۔ جو حضرت مولانا کی اسرار و رموز شریعت سے واقفیت
اور اصل ماخذوں پر گہری نظر کا واضح ثبوت ہیں۔

مفردات القرآن، تفسیر القرآن اور قرآن سے متعلق دیگر
موضوعات پر قدیم زمانے سے ہی تصانیف کا سلسلہ جاری
ہے اور ہر دور اور ہر مکتب فکر کے علماء نے قرآن پاک کی
خدمت کو دنیوی اور اخروی سعادت کا سبب سمجھتے ہوئے یہ خدمت
انجام دی ہے۔ تعجب کی بات ہے کہ آداب القرآن کے موضوع پر

زیادہ کتابیں نہیں لکھی گئیں۔ الفہرست میں ابن الندیم نے اس موضوع
پر کسی کتاب کا تذکرہ نہیں کیا۔ مولانا محمد اجمل خان صاحب کی کتاب
اردو زبان میں اس موضوع پر پہلی مستند کتاب ہے جس میں آپ
نے فضائل قرآن اور قرآن مجید کے بارے میں قرآن و سنت
سے اخذ کردہ آداب کا تذکرہ کیا ہے۔ جن کا ملحوظ خاطر رکھنا ہر
مسلمان کیلئے لازمی ہے۔ ہمارے ہاں عام طور پر قرآن مجید کو غلاف
میں رکھ کر زیب طاق نسیان رکھنا ہی قرآن کا سب سے بڑا ادب
خیال کیا جاتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس کتاب کے ذریعے جمہور مسلمین
آداب القرآن کی اصل حقیقت سے آشنا ہو سکیں گے۔

(ڈاکٹر ذوالفقار علی ملک)

(۹) حضرت مولانا محمد مالک صاحب کاندھلوی شیخ الحدیث جامعۃ اشرفیہ
مسلم ٹاؤن لاہور (پاکستان)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم! قرآنی علوم
کی خدمت و تفسیر کے سلسلہ میں محترم گرامی قدر مولانا محمد اجمل خاں صاحب
کی تصنیف مجموعہ حل لغات و تشریحات ایک گرانقدر خدمت ہے۔
میں نے مسودہ دیکھا۔ جس کو دیکھ کر قلبی اور روحانی خوشی ہوئی اس میں
شبہ نہیں کہ موصوف محترم نے اپنی اس تالیف میں بڑی ہی تحقیق و کاوش
فرمائی ہے اور بلند پایہ علمی تحقیقات کو جمع فرما کر طالبان علم اور حضرات
علماء کے واسطے ایک عظیم علمی ذخیرہ مرتب فرما دیا۔ جزاہ اللہ تعالیٰ
جزاء الجزا۔

خداوند عالم اس علمی خزانہ سے اہل علم کو مستفیض فرمائے اور خیر
جاری بنائے آمین!

(بندہ ناچیز محمد مالک کاندھلوی شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور)

۲ر رمضان المبارک ۱۴۰۲ھ

تشکّر

(من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ)

حضرت مولانا مولوی حکیم شمس الاسلام صاحب فاضل دیوبند فاضلِ عربی پنجاب یونیورسٹی (راقم السطور کے بڑے بھائی) کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہی کی تحریک و ترغیب اور ہمت افزائی سے اس ہیچمدان نے قرآنی خدمت (آداب القرآن) کے اس اہم موضوع پر قلم اُٹھانے کی جرأت و جسارت کی، ان کی کاوش و کوشش کو مسودہ کی تصحیح و اصلاح میں بہت دخل ہے۔

احقر الانام محمد اجمل

مراجع و مصادر

اس کتاب "آدابُ القرآن" کی تدوین و تالیف میں جن کتب سے استفادہ کیا گیا ہے وہ درج ذیل ہیں :-

تفاسیر

١- تفسیر کبیر
٢- روح المعانی
٣- روح البیان
٤- قرطبی
٥- بیضاوی
٦- مدارک
٧- کشاف
٨- السراج المنیر
٩- الاکلیل علیٰ مدارک التنزیل
١٠- جمل علی الجلالین
١١- تفسیر ابی السعود
١٢- خازن
١٣- فتح القدیر للشوکانی
١٤- تفسیر مظہری
١٥- تفسیر مراغی
١٦- حاشیہ خفاجی علیٰ البیضاوی
١٧- البرہان علوم القرآن
١٨- الاتقان للسیوطی
١٩- احکام القرآن لابن العربی
٢٠- احکام القرآن للرازی
٢١- جواہر التفاسیر
٢٢- البیان فی علوم القرآن
٢٣- الترتیب والبیان عن آیات القرآن
٢٤- تفسیر المنار
٢٥- مباحث فی علوم القرآن
٢٦- دعوۃ الرسل الی اللہ
٢٧- تفسیر ابن کثیر
٢٨- تفسیر ابن القیم
٢٩- تفسیر احمدی لملا جیون
٣٠- علوم القرآن للصبحی الصالح
٣١- تفسیر بیان القرآن
٣٢- تفسیر عزیزی
٣٣- تفسیر معارف القرآن
٣٤- تفسیر بیان السبحان
٣٥- تفسیر مواہب الرحمٰن
٣٦- تفسیر ماجدی

۳۷۔ تفسیر فوائد از علامہ عثمانیؒ

احادیث

۳۸۔ بخاری شریف
۳۹۔ مسلم شریف
۴۰۔ ابوداؤد
۴۱۔ ترمذی
۴۲۔ نسائی
۴۳۔ مسند احمد
۴۴۔ عمدۃ القاری
۴۵۔ فتح الملہم
۴۶۔ فتح الباری
۴۷۔ بذل المجہود
۴۸۔ مشکوٰۃ
۴۹۔ مرقات شرح مشکوٰۃ
۵۰۔ تعلیق الصبیح 〃 〃
۵۱۔ مظاہر حق 〃 〃
۵۲۔ مؤطا امام مالک
۵۳۔ مصفی شرح مؤطا
۵۴۔ دارمی
۵۵۔ بیہقی
۵۶۔ معارف السنن شرح ترمذی
۵۷۔ الترغیب والترہیب
۵۸۔ غایۃ المامول شرح التاج الجامع الاصول
۵۹۔ کنز العمال
۶۰۔ الاذکار للنووی
۶۱۔ نسیم الریاض شرح شفاء
۶۲۔ سبل السلام شرح بلوغ المرام
۶۳۔ المجالس السنیۃ فی شرح الاربعین نوویہ
۶۴۔ الفتوحات الوہبیۃ 〃 〃 〃
۶۵۔ جامع العلوم لابن رجب حنبلی 〃 〃
۶۶۔ لباب الحدیث
۶۷۔ تنقیح القول الحثیث شرح لباب الحدیث

کُتُبِ فِقہ

۶۸۔ ہدایہ شریف
۶۹۔ فتح القدیر
۷۰۔ کفایہ شرح ہدایہ
۷۱۔ مبسوط سرخسی
۷۲۔ بحر الرائق
۷۳۔ تحریر المختار علی رد المختار
۷۴۔ رد المختار
۷۵۔ اتحاف الابصار والبصائر
۷۶۔ بدائع الصنائع
۷۷۔ مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر
۷۸۔ کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعہ

۷۹۔ فتاویٰ عقود الدریہ لابن عابدینؒ
۸۰۔ الاشباہ والنظائر لابن نجیم
۸۱۔ فتاویٰ قاضیخان
۸۲۔ فتاویٰ تاتارخانیہ
۸۳۔ خلاصۃ الفتاویٰ
۸۴۔ کبیری
۸۵۔ مراقی الفلاح
۸۶۔ طحطاوی علی مراقی
۸۷۔ بدایۃ المجتہد
۸۸۔ مغنی لابن قدامہ
۸۹۔ تلویح
۹۰۔ شرح المنار لابن ملک
۹۱۔ علم الفقہ
۹۲۔ امداد الفتاویٰ
۹۳۔ مجموعہ فتاویٰ
۹۴۔ فتاویٰ خیریہ
۹۵۔ فتاویٰ حمادیہ
۹۶۔ فتاویٰ النوازل للسمرقندی
۹۷۔ فتاویٰ عالمگیری
۹۸۔ فتاویٰ دار العلوم
۹۹۔ فتاویٰ الحدیثیہ لابن حجر
۱۰۰۔ الفتاویٰ الکاملیۃ فی الحوادث الطرابلسیہ
۱۰۱۔ فتاویٰ شرعیہ لمحمد حسنین مخلوف
۱۰۲۔ نفع المفتی والسائل
۱۰۳۔ آکام النفائس
۱۰۴۔ فتاویٰ کفایۃ المفتی

کُتُبِ سِیَر و تواریخ

۱۰۵۔ حجۃ اللہ البالغہ
۱۰۶۔ مفتاح السعادۃ
۱۰۷۔ لوامح الانوار القدسیہ
۱۰۸۔ عین العلم
۱۰۹۔ زین الحلم شرح عین العلم
۱۱۰۔ زاد المعاد
۱۱۱۔ الاشباہ والنظائر للسیوطی
۱۱۲۔ احیاء العلوم
۱۱۳۔ مدارج السالکین
۱۱۴۔ مواہب الدنیہ
۱۱۵۔ غایۃ المواعظ
۱۱۶۔ الطریقۃ المحمدیۃ
۱۱۷۔ حدیقہ ندیہ شرح طریقہ
۱۱۸۔ بریقہ محمودیہ 〃 〃
۱۱۹۔ وسیلہ احمدیہ 〃 〃
۱۲۰۔ سنن الہدیٰ
۱۲۱۔ کیمیائے سعادت
۱۲۲۔ مجالس الابرار

کُتب وظائف واوراد

متفرّق

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ هَدَانَا بِالْكِتَابِ الْمُبِيْنِ وَ اَنْزَلَ عَلَيْنَا الْقُرْاٰنَ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ وَ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ الصَّادِقِ الْاَمِيْنِ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهِ الَّذِيْنَ هُمْ هُدَاةٌ لِلْمُتَّقِيْنَ ط

مطبوعات مکتبہ الحسن

• **تفسیر حقانی** مصنفہ الشیخ ابو محمد عبد الحق الحقانی الدہلوی صاحب
تقطیع : ۲۰ × ۳۰ / ۸ ، ضخامت : ۲۱۳۰ صفحات عمدہ درآمدی آفسٹ کاغذ پر طباعت شدہ
جلد چار رنگی ڈائیوں سے آراستہ مکمل سیٹ مشتمل بر چار مجلد جلد ایڈیشن سوم قیمت مکمل سیٹ /۲۲۰ روپے

• **تفسیر حقانی** ۲۳ × ۳۶ / ۸ سائز (زیر طبع)

• **اسلام کا نظام حکومت** : مصنفہ حضرت مولانا حامد الانصاری صاحب غازی
تقطیع : ۲۳ × ۳۶ / ۱۶ ضخامت ۴۵۶ صفحات عمدہ درآمدی آفسٹ کاغذ پر طباعت شدہ
جلد سنہری ڈائی سے مزین ایڈیشن سوم قیمت /۴۰ روپے

• **رسالہ تحریک نماز** مؤلفہ ڈاکٹر عبد الرشید مخدومی جید و ممتاز علمائے کرام سے تصدیق شدہ
اس رسالہ میں نماز سے متعلقہ تمام ضروری مسائل و معلومات درج ہیں ضخامت ۵۲ صفحات (مفت طلب فرمائیں)

• **اسلامی معاشرہ میں مسجد کا مقام** از حضرت مولانا قاری محمد اجمل خان صاحب
• **آداب الدعاء** " " " " " "
• **عقیقہ و ولیمہ اسلام کی نظر میں** " " " " "
• **رشوت اسلام کی نظر میں** " " " " "
• **شراب خانہ خراب** " " " " " "
• **تدریس القرآن حصہ اول و دوم** " " " " "
• **فضائل رمضان** (زیر طبع) " " " " "
• **انتخاب لاجواب** (" ") " " " " "
• **جواہر التفاسیر عربی** (" ") " " " " "

فہرست مضامین آداب القرآن

تعارف و اعتراف

قرآن مجید کی بے حرمتی اور بے ادبی دیکھ کر کلیجہ شق ہو جاتا ہے۔ اس چودہویں صدی میں اخبارات، اشتہارات، رسائل و جرائد اور لٹریچر کی کثرت و بہتات محتاجِ بیان نہیں۔ ان میں قرآن مجید کی آیات کا اندراج بھی ہوتا ہے۔ قارئین کرام پڑھنے کے بعد بڑی بے احتیاطی اور بے پرواہی سے ان اوراق کو ردی کی ٹوکری میں پھینک دیتے ہیں۔ پھر جب کافی ذخیرہ ہو جاتا ہے تو ردی میں ان کو فروخت کیا جاتا ہے۔ پھر ردی والوں کے ہاں جو حشر ان کا ہوتا ہے وہ کسی سے مخفی اور پنہاں نہیں ہے الامان والحفیظ۔

اہلِ قلم حضرات اپنے مضامین قرآن مجید کے مبارک الفاظ لکھتے وقت اس بے ادبی اور بے حرمتی کا بالکل خیال نہیں کرتے اور اس انجامِ بد کا احساس نہیں فرماتے۔

اپنے مضامین میں قرآن پاک کے الفاظ لکھنے سے اجتناب اور احتراز فرمائیں۔ اگر دلیل اور ثبوت میں کوئی آیت پیش کرنی ہو تو اس کا مفہوم اور مطلب لکھنے پر اکتفا کریں۔ مزید براں آیت نمبر، پارہ، سورت کا اندراج کریں۔ جاننے والوں کے لیے اشارہ کافی ہے۔ جہلاء کے لیے

اصل عبارت یا اس کا حوالہ دونوں یکساں ہیں۔ پریس والوں کے ہاں جو کوتاہیاں اور خرابیاں ہوتی ہیں ان کے تصوّر سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ طہارت اور پاکیزگی کا کوئی اہتمام نہیں ہوتا۔ حالانکہ طباعت کے وقت اوراقِ مقدسہ کو اٹھانے والے اور پلیٹیں لگانے والے، اور جلد باندھنے والے۔ غرضیکہ قرآن مجید کی طباعت کے متعلقہ عملہ و سٹاف کو باوضو ہو کر کام کرنا چاہیئے۔

مالکانِ مطابع سے بھی گزارش ہے کہ وہ اس سلسلہ میں احتیاط سے کام لیں۔ اس گستاخی اور بے ادبی سے خود بھی بچیں اور کارندوں کو بھی بچائیں۔

عوام النّاس سے اپیل کی جاتی ہے کہ کتابوں، اخباروں، رسالوں وغیرہ کو ہرگز ردّی میں فروخت نہ کریں اور اگر مجبوری ہو تو الفاظ مبارکہ کے تراشے نکال کر پھر فروخت کریں۔

مجھے امید ہے کہ اصحابِ بصیرت ضرور اس طرف متوّجہ ہوں گے اور مروّجہ طرز تحریر کے انسداد میں سعی و کوشش فرما کر اجرِ جزیل کے مستحق ہوں گے۔

احقر محمد اجمل کَانَ اللّٰہُ لَہٗ

لفظِ قرآن کی توضیح

امام اشعریؒ کے نزدیک قرآن قَرَنَ سے مشتق ہے۔ قرن کے لغوی معنے ملانے اور جوڑنے کے ہیں۔ حجِ قران کو قران اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں حج اور عمرہ دونوں کو جمع کیا جاتا ہے۔ چونکہ قرآن سُوَرَ ، آیات اور حروف وغیرہ کو باہم ملاتا اور جوڑتا ہے۔ اس مناسبت سے اس کا نام قرآن رکھا گیا ہے۔

قرّاء کی رائے ہے، قرآن قرائن سے ماخوذ ہے اور قرائن قرینہ کی جمع ہے۔ قرینہ کے معنے دلیل اور شبیہ کے ہیں۔ چونکہ قرآن کی ہر آیت دوسری آیت کی تفسیر اور دلیل ہے اور نیز قرآن کی ایک آیت دُوسری آیت کے اکثر مشابہ ہے اس لیے اس کو قرآن کہتے ہیں۔

اکثر آئمہ لغت، قراء اور مفسرینؒ "قرآن" بروزن فعلان پڑھتے ہیں۔ قرآن غفران کی طرح مصدر ہے۔ از روئے لغت قرآن دو لفظ سے مأخوذ ہو سکتا ہے۔ پہلا لفظ قراءۃ ہے۔ اس کے معنے پڑھنے کے ہیں۔ دوسرا لفظ ہے، جس کے معنے جمع کرنے کے ہیں۔ پہلے معنی کے اعتبار سے قرآن کو قرآن اس لیے کہتے ہیں کہ وہ بار بار پڑھا جاتا ہے اور اس کی کثرت سے تلاوت کی جاتی ہے۔ دوسرے معنے کے اعتبار سے قرآن کو قرآن اس لیے کہتے ہیں۔ لانہٗ یجمع السور کہ وہ سورتوں کو باہم جمع کرتا ہے۔ (لسان العرب)

لانہ جمع القصص والامر والنھی والوعد والوعید اھ۔ یعنی قرآن کو قرآن اس لیے کہتے ہیں کہ وہ قصص، امر، نہی اور وعدہ وعید سب کا جامع ہے۔ (نہایہ ابن اثیر)

اور حضرت سفیان بن عُیَینہؒ نے وجہ تسمیہ یوں بیان کی ہے :-

لان الحروف جمعت فصارت کلمات والکلمات جمعت فصارت آیات و الآیات جمعت فصارت سورًا والسور جمعت فصارت قرآنا ثم جمع فیہ علوم الاولین والاخرین فالحاصل ان اشتقاق لفظ القرآن إما من التلاوۃ او من الجمعیۃ۔ (تفسیر کبیر جلد اول)	حروف کو جمع کیا گیا تو وہ کلمات بن گئے اور کلمات کو جمع کیا گیا تو وہ آیات بن گئیں اور آیات کو جمع کیا گیا تو وہ سورتیں بن گئیں اور سورتوں کو جمع کیا گیا تو وہ قرآن بن گیا۔ اس میں قدیم وجدید علوم جمع کر دیئے گئے ہیں۔ پس خلاصہ کلام یہ ہے کہ لفظ قرآن یا تو قرآۃ بمعنٰی تلاوت سے مشتق ہے اور یا جمعیت سے۔

اور امام سیوطی بحوالہ امام راغب اصفہانیؒ لکھتے ہیں۔

قال الراغب انما سمی قرآنا لکونہ جمع ثمرات الکتب السالفۃ المنزلۃ (اتقان)	قرآن اس لیے نام ہے کہ وہ تمام گزشتہ آسمانی کتابوں کے نتائج و ثمرات کا جامع ہے۔

یعنی قرآن تمام دُنیا کی صحیح الہامی کتابوں کا خلاصہ اور جوہر ہے۔ قرآن تمام صحف آسمانی کی رُوح ہے۔ قرآن عقائد، عبادات، معاملات، اخلاق، تمدن، سیاست غرض ہر قسم اور ہر نوع کی تعلیمات کا جامع ہے۔ اسی بناء پر کتاب اللہ کا نام قرآن سے بڑھ کر کوئی بہتر، عمدہ اور جامع دوسرا نام نہیں ہو سکتا۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ قرآن کسی مصدر یا اصل سے مشتق نہیں۔ یہ علم غیر مشتق ہے۔ بلکہ اللہ تعالٰے نے یوں ہی ایک لفظ کلام مجید کے نام کے لیے وضع کر دیا ہے۔ اس لیے اس کا نام ہونے کی حیثیت سے ماسواء قرآن کے کوئی اور لغوی معنے نہیں۔ جس کی مناسبت سے اس کا نام قرآن رکھا گیا ہو۔ یعنی قرآن کتابِ الٰہی کا اسی طرح نام ہے، جیسے تورات اور انجیل دونوں نام ہیں۔

(تاریخ بغداد از خطیب ص۶۲ ج ۲)

فائدہ نمبر۱ :- نیز اس مسئلہ پر تفسیر اتقان ص۸۵ ج ۱۔ البرہان للزرکشی ص۲۷۸ ج ۱، مرقات ص۳۳۲ ج ۴ مطبوعہ ملتان، نسیم الریاض شرح شفاء ص۱۱۵ ج ۲ اور ڈاکٹر صبحی صالح کی کتاب علوم القرآن ص۲۴ اردو کا مطالعہ ازبس مفید ہے۔ (انتہٰی)

فائدہ نمبر۲ :- امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر اتقان ص ج ۱ پر قرآن کے پچپن (۵۵) اسماء کی فہرست دی ہے اور ساتھ ساتھ اکثر کی وجہ تسمیہ بھی بیان کی ہے۔

اور ڈاکٹر صبحی صالح اپنی کتاب علوم القرآن میں لکھتے ہیں : بعض علماء نے قرآن کریم کے نوّے سے زائد نام ذکر کئے ہیں (اور علامہ حرّالی کا نقطۂ نگاہ یہی ہے)۔

(علوم القرآن اردو - ص۲۹)

❖

فضائل قرآن مجید

قرآن مجید، اللہ ربُّ العزّت کا کلام بلاغت نظام ہے۔ اشرف الملائکہ حضرت جبریل امین علیہ السلام اسے لانے والے ہیں اور خاتم النبیین سید المرسلین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم الی یوم الدین پر یہ قرآن نازل کیا گیا ہے۔ اور یہ سرورِ کائنات فخرِ موجودات علیہ الصلوات والتسلیمات کا ایک ایسا علمی معجزہ ہے جو قیامت تک باقی رہنے والا ہے۔ قرآن مجید کی عظمت اور بزرگی اور اس کی فضیلت و رفعت کے لیے اسی قدر کافی ہے کہ وہ خداوندِ عالم خالقِ لوح و قلم کا کلام ہے۔ تمام عیوب و نقائص سے بری اور پاک ہے۔ فصاحت و بلاغت اس کی تمام عرب نے مان لی۔ بڑے بڑے فصاحت و بلاغت کے مدعی اُس کے مثل دو تین فقرے بھی صدہا برس کی کوششوں سے نہ بنا سکے۔ بر سرِ مجمع اعلان بھی دیا گیا۔ جوش دلانے والے خطاب سے کہا گیا کہ اگر تم اس کے کلامِ خدا ہونے میں شک کرتے ہو اور اس کو کلامِ بشر سمجھتے ہو تو تم اس کی چھوٹی سی چھوٹی سورت کے مثل کوئی عبارت بنا لاؤ اور تمام اعوان و انصار کو جمع کرو۔ ہرگز نہ بنا سکوگے۔ ہرگز نہ بنا سکوگے۔

قوم جن نے جب اس کلام معجز نظام کو سُنا تو بے ساختہ کہہ اُٹھے:-

إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ وَلَنْ نُشْرِكَ بِرَبِّنَا أَحَدًا۔ بے شک ہم نے ایک عجیب قرآن سُنا جو نیکی کی طرف ہدایت کرتا ہے۔ ہم اس پر ایمان لائے اور اپنے پروردگار کا کسی کو شریک ہرگز نہ سمجھیں گے۔

یہ وہ کتاب ہے جس کی شان میں لاریب فیہ (کہ کوئی شبہ اس میں نہیں) کی صفت آئی ہے۔

دُنیا میں کوئی کتاب اور کوئی کلام ایسا نہیں جس میں کسی نہ کسی حیثیت سے شک و شبہ کی گنجائش نہ ہو۔ صرف یہ کتاب اللہ ہی ایسی ہے جس میں شک و شبہ اور باطل کو کہیں سے راہ نہیں ملتی۔

لا یأتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ تنزیل من حکیم حمید۔ (سورۃ فصلت: ۴۲)

ترجمہ:- اس میں باطل نہ آگے سے آسکتا ہے اور نہ پیچھے سے یہ کلام نازل ہوا ہے خدائے باحکمت و پرحمد کی طرف سے۔

یہ وہ کتاب ہے جس کی شان ہے هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ (یہ ہدایت ہے متقین کے لیے)

اور اسی کے متعلق ارشاد ہے وَإِنَّهُ لَحَقُّ الْيَقِينِ (اور یہ قرآن تحقیقی، یقینی بات ہے۔

اور یہی وہ کتاب ہے جس کو اللہ تعالے نے نُور فرمایا ہے:

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُّبِينًا۔ (نساء: ۱۷۴)

ترجمہ:- اور ہم تمہارے اوپر ایک کھلا ہوا نور اُتار چکے۔

ادب نمبرا

قرآن مجید کو بلا وضو ہاتھ لگانا

فَمِنْ حُرْمَةِ الْقُرْآنِ اَلَّا یَمَسَّهٗ اِلَّا طَاهِرًا ــــ (قرطبی)

ترجمہ:۔ قرآن مجید کے آدابِ عظمت میں سے ایک یہ ہے کہ بغیر طہارت اور وضو کے قرآن مجید کو ہاتھ نہ لگایا جائے۔

تشریح:۔ ارشادِ خداوندی ہے: لَا یَمَسُّهٗ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ (واقعہ: ۷۹)
بعض مفسرین نے اس آیت میں لَا کو نہی کے معنے میں لیا ہے اور آیت کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ کوئی ایسا شخص اس کو نہ چھوئے جو پاک نہ ہو۔

حدیث

عن مالک عن عبد اللہ بن ابی بکر بن حزمؓ
اِنَّ فِی الْکِتَابِ الَّذِیْ کَتَبَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِعَمْرِو بْنِ حَزْمٍؓ اَنْ لَّا
یَمَسَّ الْقُرْآنَ اِلَّا طَاهِرٌ ــــ (مؤطا امام مالک)

ترجمہ:۔ حضرت امام مالکؒ نے مؤطا میں عبد اللہ بن ابی بکر بن حزم کی یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تحریری احکام عمرو بن حزم کے ہاتھ یمن میں رؤساء کو لکھ کر بھیجے تھے۔ ان میں ایک حکم یہ بھی تھا کہ کوئی شخص قرآن کو نہ چھوئے مگر بحالت طہارت۔

اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اس حدیث کے تحت مصفیٰ ص۵۵ ج ا الجامع میں نقل فرماتے ہیں کہ بے وضو شخص کے لیے قرآن مجید کا مس کرنا بالاتفاق حرام ہے۔
مترجم گوید در تحریم مس محدث مصحف را اتفاق است۔

اور حضرت امام جصاص رازی احکام القرآن ص۵۱۱ ج۳ پر فرماتے ہیں:
روی عن سلمان رضہ انه قال لا یمس القرآن الا المطهرون فقرأ القرآن ولم یمس المصحف حین لم یکن علی وضوء

یعنی حضرت سلمان فارسیؓ وضو کے بغیر قرآن پڑھنے میں مضائقہ نہیں سمجھتے تھے۔ مگر ان کے نزدیک اس حالت میں قرآن کو ہاتھ لگانا جائز نہ تھا۔

وعن سعد رضہ انه امر ابنه بالوضوء لمس المصحف وعن ابن عمر مثله وکره الحسن والنخعی مس المصحف علی غیر وضوء۔

اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے مروی ہے کہ آپ نے اپنے صاحبزادے کو قرآن مجید کو ہاتھ لگانے کے لیے وضو کرنے کا حکم دیا اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ اور حضرت حسن بصریؒ اور ابراہیم نخعیؒ بھی وضو کے بغیر قرآن کو ہاتھ لگانا منع سمجھتے تھے۔ اھ [1]

اور امام علاؤ الدین کاسانیؒ البدائع الصنائع ص۳۳ ج۱ پر فرماتے ہیں:
للحدث احکام وهی ان لا یجوز للمحدث اداء الصلوٰة لفقد شرط جوازها وهو الوضوء ولا مس المصحف من غیر غِلَافٍ عِنْدَنَا۔ الخ

---

[1] تفسیر فتح القدیر شوکانی ص۱۵۲ ج۵ پر ہے اخرج ابن المنذر عن ابن عمر انه کان لا یمس المصحف الا متوضئًا۔ ترجمہ:۔ ابن منذر نے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت کی کہ آپ قرآن مجید کو ہاتھ نہیں لگاتے تھے مگر وضو کی حالت میں۔

جس طرح بے وضو شخص کے لیے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے اسی طرح قرآن مجید کو بغیر غلاف کے ہاتھ لگانا بھی جائز نہیں۔

چنانچہ تفسیر خازن صـ۲۶ ج۷ پر ہے وَالْمَسُّ بِغَيْرِ طُهْرٍ نَوْعُ اسْتِهَانَةٍ وَهٰذَا لَا يَلِيقُ بمباشرة للمصحف الكريم اه۔ کسی چیز کو بغیر طہارت کے ہاتھ لگانا ایک گونہ توہین ہے اور قرآن مجید کی شان اس سے بہت بلند ہے۔

مسئلہ نمبر۱:۔ قرآن مجید کو بلا وضو ہاتھ لگانا حرام ہے۔ ہاں البتہ ضرورتِ شدیدہ کے تحت جبکہ اس کے جل جانے یا غرق ہونے کا اندیشہ ہو۔ وَيَحْرُمُ مَسُّهَا إِلَّا بِضَرُوْرَةٍ كَأَنْ يَخَافَ عَلَيْهِ حَرْقًا أَوْ غَرَقًا اه (طحطاوی علی مراقی صـ۷۸)

مسئلہ نمبر۲:۔ بے وضو شخص کے لیے صرف ہاتھ دھوکر قرآن مجید کو ہاتھ لگانا جائز نہیں۔ چنانچہ الاکلیل علی مدارک التنزیل۔ سورۃ واقعہ صـ۷۶ میں بحوالہ ضیاء المعنوی علی مقدمۃ الغزنوی فی مذہب الحنفی مرقوم ہے۔

اذا غسل المحدث يديه هل يجوز له المس
الصحيح انه لا يجوز لما قلنا وفى المحيط
لو غسل الجنب فمه ليقرأ او غسل المحدث يديه
لم يطلق لهما ذلك لان الجنابة والحدث لا
يتجزيان وجودا وزوالا۔ اه

مسئلہ نمبر۳:۔ قرآن مجید کی ورق گردانی کے وقت کاغذ کے سفید حصہ کو ہاتھ لگانا ایسا ہی منع ہے، جس طرح قرآن مجید کے لکھے ہوئے حصے کو ہاتھ لگانا منع ہے۔ و كذا لا يجوز له وضع اصابعه على بياض الورق

المكتوب عند التقليب لانه تبع له (الاکلیل صـ۷۶)۔

مسئلہ نمبر۴:۔ بے وضو شخص زبانی قرآن مجید کی تلاوت کر سکتا ہے اور بغیر ہاتھ لگائے ناظرہ بھی پڑھ سکتا ہے جبکہ ورق گردانی کسی اور چیز (مثلاً قلم، چاقو وغیرہ) کے ساتھ کرے یا کوئی دوسرا باوضو شخص اس کو ورق الٹ کر دے۔

وحل قلبه بعود اى تقليب اوراق المصحف
بعود ونحوه لعدم صدق المس عليه۔

(ردالمحتار مطبوعہ مصر طبع جدید صـ۱۲۳ ج۱)

مسئلہ نمبر۵:۔ بے وضو شخص قرآن مجید کو اس وقت ہاتھ لگا سکتا ہے جبکہ قرآن مجید پر الگ غلاف چڑھا ہوا ہو اور غلاف سے مراد بعض فقہاء کے نزدیک جلد ہے اور بعض کے نزدیک وہ خریطہ یا لفافہ یا جُزدان ہے جس کے اندر قرآن رکھا جاتا ہے اور اس میں سے نکالا بھی جا سکتا ہے۔ چنانچہ طحطاوی صـ۷۸ پر ہے: اِلَّا بِغِلَافٍ مُتَجَافٍ عَنِ الْقُرْاٰنِ (کذا فی ردالمحتار صـ۱۲۳ ج۱)

اور البدائع الصنائع صـ۳۳ ج۱ پر درج ہے:۔

واختلف المشائخ فى تفسير الغلاف فقال
بعضهم هو الجلد المتصل بالمصحف وقال
بعضهم هو الكم والصحيح انه الغلاف
المنفصل عن المصحف وهو الذى يجعل
فيه المصحف وقد يكون من الجلد وقد
يكون من الثوب وهو الخريطة (کذا فی ردالمحتار صـ۱۲۳ ج۱)

مسئلہ نمبر۶:۔ قرآن مجید کی ایک ایک آیت کو وہی حرمت اور عظمت

حاصل ہے جو پُورے قرآن مجید کو حاصل ہے۔ پس اگر پوری آیت کسی تختی، بورڈ، پتھر یا درہم یا دینار یا در و دیوار پر یا کسی رسالے یا اخبار وغیرہ پر نوشتہ ہو یا کسی نگینہ پر کندہ ہو تو اس کو بھی بے وضو ہاتھ لگانا منع ہے۔

وکذا لا یجوز مَسّ شیءٍ مِنَ القرآنِ مکتوبٍ فی غیرِ المصحفِ من لوحٍ او دِرْهَمٍ اَوْ حَائِطٍ اذا کان آیة تامةً۔ (الاکلیل ص۶ والطحاوی ص۷)

مسئلہ نمبر ۷ :- بعض فقہاءِ حنفیہ اس بات کے قائل ہیں کہ مصحف کے صرف اس حصّہ کو بے وضو ہاتھ لگانا درست نہیں ہے، جہاں قرآن کی عبارت لکھی ہوئی ہو۔ باقی رہے حواشی تو خواہ وہ سادے ہوں یا اُن میں بطورِ تشریح کچھ لکھا ہُوا ہو۔ اُن کو ہاتھ لگانے میں مضائقہ نہیں۔ مگر صحیح بات یہ ہے کہ حواشی بھی مصحف ہی کا ایک حصّہ ہیں اور اُن کو ہاتھ لگانا مصحف ہی کو ہاتھ لگانا ہے۔ بدائع الصنائع ص۳۴ ج۱ پر ہے :-

قال بعض مشائخنا انما یکرہ لہٗ مَسّ الموضع المکتوب دون الحواشی لانہٗ لم یمس القرآن حقیقة والصحیح انہ یکرہ مسّ کلہ لان الحواشی تابعة للمکتوب فکان مَسُّها مَسًّا للمکتوب اھ

مسئلہ نمبر ۸ :- قرآن کی جو آیتیں منسوخ التلاوت ہیں، اُن کا وہ حکم ہے جو قرآن مجید کے سوا دُوسری آسمانی کتابوں (تورات، انجیل وغیرہ کا ہے) وہ اگر کسی چیز پر لکھی ہوں تو اُس کے صرف اسی مقام کا چھُونا مکروہ ہے جہاں لکھا ہو۔

سارے مقام کا چھُونا مکروہ نہیں۔ چنانچہ رد المحتار ص۱۲۳ ج۱ پر ہے :-

وبہ علم انہٗ لا یجوز مسّ القرآن المنسوخ تلاوة وان لم یسم قرآنا متعبدا بتلاوتہ خلافا لما بحثہ الرملی اھ

تنبیہ :- بعض لوگ قرآن مجید کو بے وضو چھوتے یا لکھتے ہیں۔ اس میں کاپی نویس اور تعویذ لکھنے والے بہت مُبتلا ہیں۔ اسی طرح قرآن مجید کے اوراق طباعت کے وقت اُٹھانے والے اور پلیٹیں لگانے والے اور جلد باندھنے والے غرضیکہ قرآن مجید کی طباعت کے متعلق سارے عملہ و سٹاف کو باوضو رہ کر کام کرنا چاہئیے۔ ہاں اگر وضو نہ ہو تو کسی پاک کپڑے سے قرآن مجید کے اجزاء کو ہاتھ لگانا چاہئیے۔ بے وضو ہاتھ لگانے کی حرمت مفصّل بیان ہو چکی ہے۔

فائدہ : امام حلوانیؒ فرماتے ہیں۔ میں نے کسی کاغذ کو بغیر طہارت کے کبھی ہاتھ نہیں لگایا۔ اسی ادب و تعظیم کی بدولت مجھے یہ دولتِ علم حاصل ہوئی ہے۔ (مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر ص۱۴ ج۱)

مسئلہ نمبر ۹ :- تفسیر کی کتابوں کو بھی بے وضو ہاتھ نہ لگایا جائے۔ البتہ حدیث اور فقہ کی کتابوں کو ہاتھ لگایا جا سکتا ہے۔ اگرچہ مستحب یہی ہے کہ ان کو بھی بے وضو ہاتھ نہ لگایا جائے۔

والتفسیر کمصحف لا الکتب الشرعیة فانہ رخص مسها بالید لا التفسیر کما فی الدرر ـــــ (درمختار معہ رد المحتار ص۱۲۶ ج۱) تفصیل رد المحتار ص۱۲۶ ج۱ میں ملاحظہ فرمائی جائے)

اور علامہ شیخ محمد ابو الفتح المفتی ثغر سکندری ۔ اتحاف الابصار والبصائر بتبویب الاشباہ النظائر ص۲۱/۲۲ پر لکھتے ہیں :-

لا یکرہ للمحدث مس کتب الفقہ والحدیث
علی الاصح اھ

مسئلہ نمبر ۱۰ :- بچوں کو اس حکم سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ تعلیم کے لیے قرآن مجید ضرورت اور دفع حرج کے پیشِ نظر بچوں کے ہاتھ میں دیا جاسکتا ہے خواہ وہ باوضو ہوں یا بے وضو۔

لاباس بدفع المصحف الی الصبیان وان کانوا
محدثین لما فی منعهم من تضییع حفظ
القرآن وفی الامر بالتطهیر حرج علیهم
هذا هو الصحیح اھ (الاکلیل علی مدارک التنزیل ص۷)

اور درِ مختار میں ہے :

لا یکرہ مس صبی لمصحف ولوح ولا
باس بدفعه الیه وطلبه منه للضرورة
اذ الحفظ فی الصغر کالنقش فی الحجر اھ [1]

---

[1] علامہ ابن رشد مالکی بدایۃ المجتہد ص۳ پر فرماتے ہیں ورخص مالک رح للصبیان فی مس المصحف علی غیر طهر لانهم غیر مکلفین اھ یعنی امام مالک رح کے نزدیک بچوں کا قرآن مجید کو بے وضو چھونا جائز اور مباح ہے کیونکہ وہ شرعاً مکلف نہیں ہیں۔

مسئلہ نمبر ۱۱ :- فونو گراف کی پلیٹ کو جس میں قرآن مجید کی آیات کی آواز کو بند کیا گیا ہو بے وضو ہاتھ لگانا جائز ہے ۔ (امداد الفتاویٰ ص۲۳۳ ج ۴)

مسئلہ نمبر ۱۲ :- کافر اگر قرآن مجید سیکھنے اور پڑھنے کی خواہش ظاہر کرے تو اس کو قرآن مجید کی تعلیم دینا جائز ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ تعلیم اس کے لیے موجب رشد و ہدایت ہو اور وہ اسلام قبول کرلے۔ مگر اس حالت میں وہ قرآن مجید کو ہاتھ نہیں لگاسکتا البتہ اگر وہ غسل کرلے تو پھر مس کرنے کی اجازت ہے۔

چنانچہ علامہ شیخ محمد کامل طرابلسی حنفی الفتاویٰ الکاملیۃ فی الحوادث الطرابلسیۃ ص۲۶۳ پر فرماتے ہیں: (سئلت) هل یجوز ان یُعَلِّمَ المُسلِمُ الکافرَ القرآنَ ۔

(فَاَجَبْتُ) نعم یجوز ذالك رجاء ان یسلم
قال العلامة الانقروی اذا قال الکافر للمسلم
علمنی القرآن فلا باس بان یعلمه و یفهمه فی
الدین ولکن لا یمس المصحف وان
اغتسل ثم مسه لاباس به اھ۔

اور اسی طرح علامہ شیخ محمد ابو الفتح الحنفی مفتی مصر ثغر سکندری اتحاف الابصار والبصائر بتبویب الاشباہ والنظائر ص۲۶۵ پر فرماتے ہیں :-

قال فی الملتقط قال ابو حنیفة رح اعلم النصرانی
من الفقه والقرآن لعله یهتدی ولا یمس
المصحف وان اغتسل ثم مس فلا باس به اھ

---

[2] ایک شخص ہندو اپنے شوق سے قرآن مجید پڑھنا چاہتا ہے بلکہ قرآن مجید کا دل سے بہت شوق رکھتا ہے۔ پڑھانیوالا بوجہ حرمت ادب کلام پاک تامل کرتا ہے۔ اس لیے تصدیق خدمت ہے کہ ایسے غیر مسلم (بقیہ اگلے صفحہ پر)

مسئلہ نمبر ۱۳:- پانی کی موجودگی اور استعمال کی قدرت رکھنے کے باوجود تیمم کر لینے سے قرآن مجید کا مس کرنا درست نہیں۔ چنانچہ علامہ خیر الدین رملی فتاویٰ خیریہ ص۱۱ ج۱ پر فرماتے ہیں:

سئل فی التیمم لمس المصحف او لتلاوۃ القرآن مع وجود الماء والقدرۃ علی استعمالہ هل یجوز ام لا۔ اوضحوا لنا الجواب مفصلاً ولکم الثواب من اللہ جل وعلا مجدہٗ:

اجاب: المصرح بہ عندنا ان ما لیست الطہارۃ شرط فی فعلہ وحلہ یجوز التیمم لہ مع وجود الماء کدخول المسجد للمحدث واما ما الطہارۃ شرط فی فعلہ وحلہ فلا یجوز التیمم لہٗ مع وجود الماء الا فی موضع یخشی الفوات لا الی خلف کصلوٰۃ الجنازۃ والعید فالتیمم لمس المصحف من قبیل الثانی فلا یجوز مع وجود الماء اھ

❖

(بقیہ حاشیہ) کو قرآن مجید کا پڑھانا ازروئے شرع جائز ہے یا نہیں؟

جواب:- غیر مسلم کو قرآن شریف کی تعلیم دینا جائز ہے۔ معلم اس کو احترام کلام مجید کی تعلیم بھی دے اور اپنے اوپر بے حرمتی کا کام نہ ہونے دے اس قدر کافی ہے۔ اسکا بھی اندازہ کرلے کہ غیر مسلم کی نیت تو خراب نہیں ہے۔

فقط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی

(کفایۃ المفتی ص۱۰۲ ج۲)

ادب نمبر ۲

قرآن مجید کی باوضو تلاوت

وَمِنْ حُرْمَتِهٖ اَنْ يَّقْرَاَهٗ وَهُوَ عَلٰى طَهَارَةٍ (تفسیر قرطبی)

ترجمہ:- اور قرآن مجید کے آداب عظمت میں سے ایک یہ ہے کہ اس کی تلاوت باوضو کی جاوے۔

تشریح:- فضائل طہارت

اسلام میں طہارت اور پاکیزگی کی حیثیت صرف یہی نہیں کہ وہ نماز وغیرہ جیسی اہم عبادات کے لیے لازمی شرط ہے۔ بلکہ قرآن و حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود بھی دین کا ایک اہم شعبہ اور بذاتِ خود بھی مطلوب ہے قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالےٰ ہے:-

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ

ترجمہ:- اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے اور پاک صاف رہنے والے اپنے بندوں کو محبوب رکھتا ہے۔

اور اہلِ قباء کی تعریف میں ارشادِ خداوندی ہے:-

فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ۔

ترجمہ:- اس (بستی) میں ہمارے ایسے بندے ہیں جو بڑے پاکیزگی پسند ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب پاک صاف رہنے والے بندوں سے محبت کرتا ہے

صرف ان ہی دو آیتوں سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اسلام میں طہارت و پاکیزگی کی کتنی اہمیت ہے۔ اسی طرح حدیث میں بھی پاکیزہ رہنے کی اہمیت بیان کی گئی ہے۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْاِیْمَانِ۔ یعنی طہارت و پاکیزگی ایمان کا اہم جزء ہے۔ اور ایک دوسری حدیث میں اس کو نصف ایمان فرمایا گیا ہے۔ وضو اور طہارت سے ایک روحانی پاکیزگی اور نورانیت پیدا ہوتی ہے۔ یہی اس کا اصل مقصد ہے۔ اسی وجہ سے اس کو نماز یعنی بارگاہِ ایزدی کی خاص حضوری کے لیے لازمی شرط قرار دیا ہے۔

اِسلام میں طہارت کی اہمیّت

فیلسوف اسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہٗ ایک نفیس تحقیق اپنی بے نظیر کتاب "حجۃ اللہ البالغۃ" میں بیان فرماتے ہیں: اللہ تعالےٰ نے مجھے اپنے خاص فضل سے یہ حقیقت سمجھادی کہ فلاح وسعادت کی جس شاہراہ کی طرف دعوت دینے کے لیے انبیاء علیہم السلام کی بعثت ہوئی (جس کا نام شریعت ہے) اگرچہ اس کے بہت سے ابواب ہیں اور باب کے تحت سینکڑوں، ہزاروں احکام ہیں۔ لیکن اپنی بے پناہ کثرت کے باوجود وہ سب بس ان چار اصولی عنوانوں کے تحت آجاتے ہیں۔

(۱) طہارت (۲) اخبات (۳) سماحت

(۴) عدالت۔

پھر حضرت شاہ صاحبؒ نے ان میں سے ہر ایک کی حقیقت بیان کی۔ جس کے مطالعہ کے بعد یہ بات بالکل واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ بلاشبہ ساری شریعت بس ان ہی چار حصوں میں منقسم ہے۔

حقیقتِ طہارت

یہاں حضرت شاہ صاحبؒ کے کلام کے صرف اس حصّہ کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے جس میں انہوں نے طہارت کی حقیقت بیان فرمائی ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔ ایک سلیم الفطرت اور صحیح المزاج انسان کا جس کا قلب بہیمیت کے سفلی تقاضوں سے مغلوب اور ان میں مشغول نہ ہو۔ جب وہ کسی نجاست سے آلودہ ہو جاتا ہے یا اس کو پیشاب یا پاخانہ کا سخت تقاضا ہوتا ہے یا وہ جماع وغیرہ سے فارغ ہوا ہوتا ہے تو وہ اپنے نفس میں ایک خاص قسم کا انقباض اور گرانی اور بے لطفی اور اپنی طبیعت میں سخت ظلمت کی ایک کیفیت محسوس کرتا ہے۔ پھر جب وہ اس حالت سے نکل جاتا ہے جو پیشاب یا پاخانہ سے فراغت کے بعد اچھی طرح استنجاء وطہارت کر لیتا ہے یا جماع سے فراغت کے بعد غسل کر لیتا ہے اور اچھے صاف ستھرے کپڑے پہن لیتا ہے اور خوشبو لگا لیتا ہے تو نفس کے انقباض وتکدر اور طبیعت کی ظلمت کی وہ کیفیت جاتی رہتی ہے اور اس کے بجائے اپنی طبیعت میں وہ ایک انشراح وانبساط اور سرور وفرحت کی کیفیت محسوس کرتا ہے۔ پس دراصل پہلی کیفیت اور حالت کا نام حدث (ناپاکی) اور دوسری کا نام طہارت (پاکی، پاکیزگی) ہے۔ اور انسانوں میں جن کی فطرتِ سلیم اور جن کا وجدان صحیح ہے۔ وہ ان دونوں حالتوں اور کیفیتوں کے فرق کو واضح طور پر محسوس کرتے ہیں اور اپنی طبیعت وفطرت کے تقاضے سے حدث کی حالت کو ناپسند اور دوسری کو یعنی طہارت کی حالت کو پسند کرتے ہیں۔

اور نفسِ انسانی کی یہ طہارت کی حالت، ملاءِ اعلیٰ یعنی ملائکۃ اللہ کی حالت سے بہت ہی مشابہت ومناسبت رکھتی ہے۔ کیونکہ وہ دائمی طور پر بہیمی آلودگیوں سے

پاک صاف اور اپنی نورانی کیفیات سے شاداں و فرحاں رہتے ہیں اور اسی لیے حسبِ امکان طہارت و پاکیزگی کا اہتمام و دوام انسانی روح کو ملکوتی کمالات حاصل کرنے اور الہامات و منامات کے ذریعہ ملاء اعلیٰ سے استفادہ کرنے کے قابل بنا دیتا ہے اور اس کے برعکس جب آدمی حدث اور ناپاکی کی حالت میں ڈوبا رہتا ہے تو اُس کو شیاطین سے ایک مناسبت و مشابہت حاصل ہو جاتی ہے اور شیطانی وساوس کی قبولیت کی خاص استعداد اور صلاحیت اس میں پیدا ہو جاتی ہے اور اس کی روح کو ظلمت گھیر لیتی ہے۔

(حجۃ اللہ البالغہ ص۵۹ ج۱)

تذئیل : (ہمارے اکابر کو طہارت کا کسقدر اہتمام تھا)

امام سرخسیؒ ایک رات مرضِ اسہال میں مبتلا تھے اور وہ اپنی کتاب مبسوط کا درس دے رہے تھے۔ آپ کو دورانِ درس متعدد بار قضاء حاجت کی ضرورت لاحق ہوتی رہی اور آپ بار بار وضو کرتے رہے۔ چنانچہ اس رات کو آپ نے سترہ مرتبہ وضو کیا۔

(مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر ص۱۴ ج۱)

نوٹ :۔ طالب تفصیل اس مسئلہ میں شیخ الاسلام حضرت مولانا نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند کا رسالہ "اسرار الطہارۃ" نیز جواہر التفاسیر الاستاذ مصطفیٰ المحمد الملیجی الجامع الازہر ص۸۹، ص۹۰ ملاحظہ فرمائے۔

اس ادب میں یہ بیان کیا جارہا ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت خواہ زبانی ہو یا ناظرہ، بہر حال باوضو اور باطہارت ہونی چاہیئے اور یہ تلاوت کے آداب میں سے ایک ادب ہے۔ علامہ آلوسیؒ تفسیر روح المعانی ص۱۳۴ ج میں بسلسلہ آدابِ تلاوت بیان فرماتے ہیں دَالْوُضُوْءُ لَہَا۔ اور علامہ طاش کبریٰ زادہ مفتاح السعادۃ

ص۲۰۲ ج۲ میں فرماتے ہیں :۔

ویستحب الوضوء لقرأۃ القرآن لانہ افضل الاذکار

ترجمہ: وضو تلاوتِ قرآن کے لیے مستحب ہے کیونکہ یہ تمام اذکار میں افضل ہے۔

اور کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعۃ ص۴۸ ج۱ میں ہے۔

اما تلاوۃ القرآن بدون مصحف فانہا تجوز لغیر المتوضی ولکن یستحب لغیر المتوضی ان یتوضأ اذا اراد قرأۃ القرآن اھ

ترجمہ: مصحف کے بغیر (زبانی) تلاوت کرنا بے وضو شخص کے لیے جائز تو ہے لیکن مستحب یہ ہے کہ باوضو تلاوت کرے۔

اور لواقح الانوار ص۲۵۴ مطبوعہ مصر میں امام شعرانیؒ فرماتے ہیں۔

اُخِذَ علینا العہد العام من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اَنْ نستَعِدَّ بالطہارۃ لِقرأۃ القرآن و نأمر اصحابنا بذالک اھ

ترجمہ:۔ ہم سے منجانب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ عہد عام لیا گیا ہے کہ ہم کلام الٰہی کی عظمت کے پیش نظر تلاوت قرآن مجید کے لیے وضو کا خود بھی اہتمام کریں اور اپنے دوستوں کو بھی اس کا حکم دیں۔

مسائل فقہیہ

مسئلہ :۔ جنبی وغیرہ کو مضمضہ کرنے کے باوجود بھی قرآن مجید کی تلاوت کرنا

حرام ہے خواہ وہ ایک آیت سے کم ہی کیوں نہ ہو۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مسلک ہے۔ البتہ اگر جنبی قرآن کریم کا کوئی حصہ تلاوت کے مقصد سے نہیں، بلکہ شکر کے ارادے سے پڑھے تو یہ جائز ہے۔ مثلاً کسی کام کو شروع کرتے وقت تبرکاً بسم اللہ یا اللہ تعالےٰ کے شکر گزار ہونے کے موقعہ پر الحمد للہ رب العالمین کہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

چنانچہ ملک العلماء امام کاسانی رحمۃ اللہ علیہ بدائع الصنائع صـ۳۷، صـ۳۸ ج ۱ پر فرماتے ہیں:-

ولایباح للجنب قرأۃ القرآن عند عامۃ العلماء الخ ویستوی فی الکراھۃ الآیۃ التامۃ وما دون الآیۃ عند عامۃ المشائخ وقال الطحاوی لا باس بقرأۃ ما دون الآیۃ والصحیح قول العامۃ لما روینا من الحدیثین من غیر فصل بین القلیل والکثیر ولان المنع من القرأۃ لتعظیم القرآن ومحافظۃ حرمتہ وھذا لا یوجب الفصل بین القلیل والکثیر فیکرہ ذالک کلہ لکن اذا قصد التلاوۃ۔ فاما اذا لم یقصد بان قال باسم اللہ لافتتاح الاعمال تبرکا او قال الحمد للہ للشکر لابأس بہ لانہ من باب ذکر اسم اللہ تعالیٰ والجنب غیر ممنوع عن ذالک اھ

اور درمختار میں ہے۔

ویحرم بہ تلاوۃ القرآن ولو دون آیہ علی المختار بقصدہٖ

اور اسی قول کے تحت علامہ شامی رد المحتار مطبوعہ مصر بطبع جدید صـ۱۷۲ ج ۱ پر فرماتے ہیں:-

(قولہٗ تلاوۃ القرآن) ای ولو بعد المضمضۃ کما یاتی اھ

(ھکذا فی المرقات صـ۳۵ ج ۱ و سبل السلام صـ۸۸ ج ۱)

مسئلہ:- جنبی وغیرہ کے لیے بقصد تلاوت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا پڑھنا حرام ہے۔ چنانچہ الاکلیل علیٰ مدارک التنزیل صـ۵ ج ۱۰ میں ہے۔

ولکنہا آیۃ فی الصحیح ولھذا یحرم علی الجنب قرأۃ التسمیۃ علیٰ قصد قرأۃ القرآن۔ اھ

مسئلہ:- ناپاک منہ والے (مثلاً شراب نوش وغیرہ) کے لیے تلاوتِ قرآن مجید مکروہ تحریمی بلکہ حرام ہے۔

یکرہ علیٰ متنجس الفم وقیل یحرم

(مفتاح السعادۃ بحوالہ تبیان نووی صـ۲۰۳ ج ۲)

مسئلہ:- حیض والی عورت اگر کسی کو قرآن مجید پڑھاتی ہو تو اس کو ایک ایک لفظ رُک رُک کر پڑھانے کی غرض سے اس قدر اجازت ہے۔ چنانچہ علامہ شامی ردالمحتار صـ۱۷۲ ج ۱ میں فرماتے ہیں:-

لِاَنَّہٗ جُوِّزَ لِلْحَائِضِ الْمُعَلِّمَۃِ تَعْلِیْمُہٗ کَلِمَۃً کَلِمَۃً اھ

مسئلہ:- حالتِ جنابت میں اور حالتِ حیض و نفاس میں قرآن مجید کی آیات کا دیکھنا اور اپنے دل و دماغ میں اس کا دہرانا جائز ہے۔

نَعَمْ یَجُوْزُ لِلْجُنُبِ وَالْحَائِضِ اَلنَّظْرُ اِلَی الْمُصْحَفِ وَاِمْرَارُہٗ عَلَی الْقَلْبِ (مفتاح السعادہ صـ۲۰۳ ج ۲)

اور دُرِ مختار میں ہے :-

وَلَا یَکْرَہُ النَّظْرُ اِلَیْہِ (ای القرآن) لِجُنُبٍ وَحَائِضٍ وَنُفَسَاء (لِاَنَّ الجنابۃ لَا تَحِلُّ العَیْنَ (درمختار معہ ردالمحتار ص۱۲۲ ج۱)

اور الاکلیل علی مدارک التنزیل ص۲۶ ج میں فرماتے ہیں :-

لایکرہ للجنب والحائض النَّظْرُ اِلَی المصحف لان الجنابۃ لاتحل العین الاتریٰ انہ لایفترض ایصال الماء الیھا کما فی النھایۃ اھ

مسئلہ :- حالتِ جنابت میں قرآن مجید کا سُننا جائز ہے۔ چنانچہ علامہ حسنین محمد مخلوف مصری اپنے فتاویٰ شرعیہ و بحوث اسلامیہ ص۲۲۵ ج۱ پر سوال و جواب کی صورت میں رقمطراز ہیں :-

السّوال : ھل یحرم علی الجنب سماع القرآن ؟

الجواب : لا یحرم علی الجنب سماع القرآن وانما تحرم علیہ قرأتہٗ علی تفصیل فی المذاھب فی مقدار مایحرم۔ واللّٰہُ اَعْلَمُ

۷۵۲۵

ادب نمبر ۳

تلاوت کے لیے مسواک کرنا

وَمِنْ حُرْمَتِہٖ اَنْ یَسْتَاکَ وَیَتَخَلَّلَ فَیُطَیِّبَ فَاہُ اِذْ ھُوَ طَرِیْقُہٗ ۔۔۔۔۔۔ (قرطبی)

ترجمہ :- اور قرآن مجید کے آدابِ عظمت میں سے ایک یہ ہے کہ مسواک کرکے دانتوں کو صاف کرے اور خلال کرے حتیٰ کہ اس کا منہ صاف اور خوشبودار ہوجائے کیونکہ اس کا منہ قرآن مجید کا راستہ ہے۔

تشریح :- مسواک کی اہمیّت وفضیلت

طہارت و نظافت کے سلسلہ میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جن چیزوں پر خاص طور سے زور دیا ہے اور بڑی تاکید فرمائی ہے ان میں سے ایک مسواک بھی ہے۔ مسواک کے جو طبّی فوائد ہیں، آج کل کا ہر صاحبِ شعور اس سے تھوڑا بہت کچھ واقف ہے۔ لیکن دینی نقطۂ نگاہ سے اس کی اصل اہمیّت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ راضی کرنے والا عمل ہے۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات ملاحظہ ہوں :-

عَنْ عَائِشَۃَ رضؓ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلسِّوَاکُ مَطْھَرَۃٌ لِّلْفَمِ مَرْضَاۃٌ لِّلرَّبِّ۔	حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسواک منہ کو بہت زیادہ پاک صاف کرنے والی ہے اور اللہ تعالیٰ

(مسند احمد۔ نسائی۔ دارمی وغیرہ) | بہت زیادہ خوش کرنے والی چیز ہے۔

فائدہ:۔ اس حدیث سے معلوم ہُوا کہ مسواک سے منہ کی صفائی ہوتی ہے۔ گندے اور مضر مادے خارج ہو جاتے ہیں۔ منہ کی بدبو زائل ہو جاتی ہے۔ یہ اس کے نقد دنیوی فوائد ہیں اور اس کا اخروی اور ابدی نفع یہ ہے کہ اس سے خدا تعالےٰ کی رضا و خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔

عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَيِّبُوْا أَفْوَاهَكُمْ بِالسِّوَاكِ فَإِنَّهَا طَرَائِقُ الْقُرْاٰنِ	حضرت علی کرم اللہ وجہہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے منہ قرآن کے راستے ہیں ان کو مسواک کے ذریعہ پاک کرو۔

(رواہ البزار واسنادہ جید۔ زین المحلم صـ۲۶ جلد۱)

حضرت امام شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے منجانب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ عہد لیا گیا کہ ہم ہر وضو اور نماز کے وقت پابندی کے ساتھ مسواک کیا کریں۔ اگرچہ ہم کو اس مواظبت و محافظت کی بدولت مسواک کو دھاگے سے باندھ کر گلے میں ڈالنا پڑے یا پگڑی میں رکھنا پڑے اور جو لوگ اس عہد عام کی نگہداشت میں کوتاہی کرتے ہیں۔ اُن کے منہ سے بوجہ گندہ دہنی کے جو رائحہ کریہہ اور بدبُو محسوس ہوتی ہے۔ اس سے جناب باری سبحانہٗ و تعالےٰ کی عظمت و حق کبریائی میں نیز ملائکہ کرام اور نیکوکار بندوں (نمازیوں) کے حقوق کی پاسداری میں سخت کوتاہی لازم آتی ہے۔

اور میں نے حضرت محمد بن عنانؒ اور حضرت شہاب الدین بن داؤدؒ اور شیخ یوسف حریثی رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ کسی کو مسواک کے بارے میں پابند اور حریص نہیں

دیکھا اور یہ کمال ایمان اور اللہ تعالےٰ اور اس کے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی تعظیم کی بدولت ہے اور سنن اسلام میں اس کی اہمیت اس سے بھی واضح ہوتی ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق ایک بار حکم دینے پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ بار بار تاکید فرمائی۔

احادیث

نمبر۱:۔ روایت ہے کہ بار آپؐ نے ایک شخص کو دیکھا جس کے دانت زرد تھے۔ تو آپؐ نے فرمایا میں تمہارے دانت زرد کیوں دیکھ رہا ہوں مسواک کیا کرو۔

نمبر۲:۔ نیز آپؐ نے فرمایا اگر میری اُمت پر شاق نہ ہوتا تو میں ہر نماز کے وقت مسواک کا حکم دیتا۔

نمبر۳:۔ نیز آپؐ نے فرمایا جو نماز مسواک کر کے پڑھی گئی ہو اس کا درجہ ستر حصہ زیادہ ہے اس نماز سے جو بلا مسواک کے پڑھی گئی ہو۔

نمبر۴:۔ نیز حدیث میں وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رات کو کئی مرتبہ مسواک کیا کرتے تھے۔

نمبر۵:۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ ہم کو مسواک کا حکم فرمایا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ہم کو گمان ہونے لگا کہ آپ پر اس کے بارے میں کوئی آیت اترے گی۔

(لواقح الانوار القدسیہ صنہ۴۱ مطبوعہ مصر)

حضرت امام شعرانیؒ کا ترغیبی ارشاد

اے میرے عزیز! تم اس سنّتِ محمدیہ کو التزام کے ساتھ کرتے رہو تاکہ آخرت میں اس کا اجرِ جزیل حاصل کر سکو اور یاد رکھو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر سُنّت کے بالمقابل جنّت میں ایک درجہ ہے جس کا حاصل ہونا سنّت کی ادائیگی پر موقوف ہے۔ اور بعض گستاخ دریدہ دہن جو یوں کہتے ہیں کہ یہ کام زیادہ سے زیادہ سُنّت ہی تو ہے (فرض، واجب نہیں) جس کے ترک کرنے کی اجازت ہے تو ایسے گستاخ سے قیامت کے دن یوں کہا جائے گا کہ یہ جنت کا ایک درجہ ہے جس سے تجھ کو محروم رکھنا بھی جائز ہے۔ اس بات کو امام ابو القاسم بن قسیؒ نے اپنی کتاب "خلع النعلین" میں بیان فرمایا ہے۔ (لواقح صـ۳۹)

اہلِ اللہ کی نگاہ میں مسواک کی اہمیت

حضرت شبلیؒ کے متعلق ہم نے یہ بات سُنی کہ آپ کو جب وضو کے وقت مسواک بآسانی میسر نہ ہو سکی۔ تو آپ نے ایک دینار کے عوض مسواک خریدی تاکہ زندگی میں ایک بار بھی وضو بلا مسواک نہ ہونے پائے۔ بعض لوگوں نے اس قیمت کو بہت زیادہ گراں سمجھا تو آپ نے فرمایا کہ تمام دُنیا اللہ تعالےٰ کے نزدیک مچھر کے پَر کے برابر بھی حیثیت نہیں رکھتی اور میں اس وقت کیا جواب دوں گا جب کہ مجھ سے باز پُرس ہوگی کہ تم نے میرے نبیؐ کی سُنّت کو کیوں ترک کیا تھا؟ جب کہ وہ قیمتاً دستیاب ہو سکتی تھی۔ حالانکہ ہم نے تم کو مال دے رکھا تھا۔ حضرت شبلیؒ کا یہ جواب سُن کر چہ میگوئیاں کرنے والا وہ شخص خاموش ہو گیا۔ امام شعرانیؒ آخر میں فرماتے ہیں:۔

اے میرے بھائی! تم بھی اپنے جذبۂ ایمانی کا اندازہ کر لو کہ اگر تم کو قیمتاً مسواک خریدنا پڑے تو دینار تو درکنار تم چند ٹکے بھی دینے سے پہلوتہی کر جاؤ گے۔ حالانکہ تم اپنے آپ کو اللہ تعالےٰ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا مقرب خیال کرتے ہو۔ حاشا وکلا۔ (انتہا ملخصاً از لواقح الانوار صـ۳۹)

فلسفۂ مسواک

علاّمہ ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مسواک کا فلسفہ یہ ہے کہ ہم کو ان تمام احوال میں شرفِ عبادت کے اظہار کے پیشِ نظر کمال نظافت اور پاکیزگی کا حکم دیا گیا ہے جن احوال میں قربت الی اللہ حاصل ہوتی ہے اور مسواک بھی کمالِ تنظیف میں داخل ہے۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ چونکہ تلاوت کے سلسلہ میں فرشتوں سے واسطہ پڑتا ہے اور فرشتہ تلاوت کے وقت قاری کے مُنہ پر اپنا مُنہ رکھتا ہے اور فرشتہ کو رائحہ کریہہ (بدبو) سے سخت اذیت پہنچتی ہے۔ اس لیے مسواک کرنے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ گندہ دہنی دُور ہو جائے اور فرشتہ کو بوقت سماعِ قرآن اذیت نہ پہنچے۔

صاحب سبل السلام فرماتے ہیں کہ یہ عمدہ توجیہ ہے۔ (سبل السلام صـ۴۱ ج۱ و فتح الملہم صـ۴۱۶ ج۱ و لواقح الانوار صـ۴۱)۔

مسواک کے دینی و دنیوی فوائد

مُلاّ علی قاریؒ فرماتے ہیں:۔

قیل فیہ سبعون فائدۃ ادناھا أن یذکر الشھادۃ عند الموت وفی الافیون سبعون مضرۃ أدناھا ۔

نسیان الشھادۃ۔ نسئل اللہ العافیہ۔

(مرقات شرح مشکوٰۃ ص۳ ج ۲)

مسواک کرنے کے ستر فائدے ہیں۔ جن میں سب سے ادنیٰ اور کم درجہ فائدہ یہ ہے کہ مسواک کرنے والا شخص موت کے وقت کلمۂ شہادت کو یاد رکھے گا۔ (یعنی اس کا خاتمہ بالخیر ہوگا) ٹھیک اسی طرح افیون کھانے کے ستر نقصان ہیں۔ جن میں سے ادنیٰ اور کم تر نقصان یہ ہے کہ افیون خور موت کے وقت کلمہ شہادت بھول جائے گا۔

اور امام حسن شرنبلالیؒ مراقی الفلاح میں لکھتے ہیں کہ عارف باللہ شیخ احمد زاھدؒ نے ایک مستقل رسالہ حافلہ تحفۃ السلاک فی فضائل السواک تصنیف فرمایا ہے۔

اور علامہ سید طحطاوی مراقی الفلاح کی شرح میں مسواک کے دینی و دنیوی برزخی اور اخروی فوائد بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں: ائمہ حدیث نے حضرت علیؓ، حضرت ابن عباسؓ و حضرت عطاؒ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ مسواک کو پابندی کے ساتھ کیا کرو اور اس سے غفلت نہ اختیار کرو۔ اس میں اللہ تعالےٰ کی خوشنودی اور رضامندی ہے اور مسواک والی نماز کا ثواب ننانوے گنا بلکہ چار سو گنا تک زیادہ ہوتا ہے اور مسواک کی مداومت سے کشائش رزق اور تونگری اور منہ کی خوشبو اور مسوڑھوں کی پختگی اور دانتوں کی مضبوطی اور درد سر کا سکون اور ازالہ بلغم اور نظر کی تیزی اور بدن اور معدہ کی تقویت اور فصاحت اور قوتِ حافظہ اور عقل کی افزونی اور دل کی پاکیزگی اور حسنات میں ترقی اور ملائکہ کرام کا مصافحہ اور اُن کی خوشنودی اور نماز کے وقت فرشتوں کی معیت و مشایعت اور حملۃ العرش کی جانب سے اس کے

حق میں طلب مغفرت اور شیطان کی پریشانی اور اس کا فرار اور خاتمہ بالخیر ہونا اور کشادگی اور ملک الموت کا قبضِ روح کے وقت عمدہ شکل و صورت میں آنا اور رفق و نرمی کا برتاؤ کرنا اور دُنیا سے بحالتِ پاکیزگی رخصت ہونا اور جنت کے دروازوں کا مفتوح ہونا جیسے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ (اگر تفصیل مطلوب ہو تو طحطاوی ص۳۸ مصری اور زاد المعاد ص۱۶۹ ج۳ مصری اور زین الحلم شرح عین العلم ص۲۶ ج ۱ ملاحظہ فرمائی جائیں)۔

فائدہ جلیلہ:- مسواک کے فضائل اور دینی و دنیوی فوائد کو تفصیل سے اس لیے لکھا گیا ہے کہ آج کے اس ترقی یافتہ دور میں جبکہ زندگی کے ہر شعبہ میں تجدد پسندی اور فیشن کو دخل ہو گیا ہے۔ مسواک بھی قدامت پسندی کی زد میں آ کر تقریباً متروک ہی ہو گئی ہے، بلکہ مغربیت نواز اَپ ٹو ڈیٹ طبقہ مسواک کرنا اپنی شان کے خلاف سمجھتا ہے۔ بلکہ اس سہل و آسان اور مسنون چیز کی جگہ اعلیٰ قسم کے منجن اور ٹوتھ برش اور پیسٹ کا استعمال کرتے ہیں۔ جہاں تک مسئلہ کا تعلق ہے اگر برش و منجن اور پیسٹ وغیرہ ایسے ہیں جن کے استعمال کرنے میں کوئی شرعی قباحت و کراہت نہ ہو تو ان کا استعمال کرنا بدرجہ اباحت درست ہے۔ مگر مسواک کی جو برکت و فضیلت ہے وہ ان میں کہاں؟ آج کے ڈاکٹر صاحبان بھی مسواک کی افادیت کو تسلیم کرتے ہوئے منجن اور ٹوتھ پیسٹ پر اس کو ترجیح دیتے ہیں۔

برش کی مضرت طبّی نقطۂ نظر سے

برش میں سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ ایک روز کام لینے کے بعد دوسرے دن استعمال کرنے سے پہلے جب تک اس کو اُبلتے پانی میں نہ ڈالا جائے وہ استعمال کے قابل نہیں ہوتا کیونکہ بغیر کھولائے برش میں بہت سے جراثیم ہو جاتے ہیں اور وہی بڑھتے بڑھتے بہت سی بیماریوں کا سبب بن جاتے ہیں۔ اس کے برخلاف مسواک جو ایک زندہ پیڑ کا حصہ ہے اس قسم کے خطروں سے

محفوظ ہوتی ہے۔ مسواک کرنے سے پہلے اُسے خُوب چبانا پڑتا ہے۔ چبانے سے مُنہ کے عضلات اور جبڑے کی ہڈی کو تقویت پہنچتی ہے اور چہرے پر جھریاں وغیرہ جلدی نہیں پڑتیں اور مسواک کرنے سے خوب تھوک بہتا ہے اور یہ بہت مفید ہے۔ دانتوں میں خوراک کے ذرّے رہ کر جب سڑتے ہیں تو وہ ایک تیزاب بناتے ہیں جسے لیکٹک ایسڈ کہتے ہیں تھوک کی تاثیر کھار کی سی ہے۔ مسواک کرنے سے جتنا تھوک بہتا ہے وہ دانتوں میں کیڑا یعنی لیکٹک ایسڈ لگنے سے روکتا ہے۔ دوسرے جتنا تھوک بہتا ہے اتنا ہی معدے میں گیسٹرک جوس (یعنی کھانے کو ہضم کرنے والا اور بھوک لگانے والا رس) بنتا ہے۔ یہ باتیں بُرش کے استعمال میں نہیں پائی جاتیں۔ نیز مسواک میں جو سخت ریشے ہوتے ہیں وہ تو برش کا کام کرتے ہیں اور اس کے اُوپر جو چھلکا ہوتا ہے اس میں جراثیم ہلاک کرنے کی طاقت ہوتی ہے۔ مسواک گویا قدرتی برش اور پیسٹ ہے۔ مسواک دانتوں کے اندر اور باہر سب حصّوں پر پہنچ سکتی ہے اس سے دانت بخوبی صاف کئے جاسکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو مسواک کی افادیت کا فہم اور سنتِ نبویہ پر مداومت کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین۔

خلال کا استعمال

دانتوں کے درمیان فاصلوں میں بھی کھانے کے ذرّے اٹک جاتے ہیں۔ ان کے صاف کرنے کے لیے کھانا کھانے کے بعد خلال کا استعمال بھی ضروری ہے۔ اگر آپ دانتوں کو اچھی طرح صاف کر دیں تو آپ کے دانتوں میں کوئی مرض پائیوریا وغیرہ نہیں ہوسکتا۔ لیکن اگر آپ کے دانتوں میں پہلے سے ہی پائیوریا وغیرہ ہے تو آپ اس کا علاج کرائیں۔ پائیوریا کا مکمل علاج بغیر دانت نکلوائے کیا جاسکتا ہے۔ بہترین طبّی نسخے موجود ہیں۔ جو لوگ دانت نکلوا دیتے ہیں وہ ایک تکلیف کو چھوڑ کر دوسری مصیبت مول لیتے ہیں۔ علاج کے بعد اگر آپ ان باتوں پر عمل کرتے ہیں تو آپ کے دانت بھی ٹھیک رہیں گے اور آپ کی صحت بھی درست رہیگی۔ (انتہیٰ)

مسائل فقہیہ

مسئلہ :۔ کیا مسواک وضو کی سنت ہے یا نماز کی یا سنن اسلام میں سے ہے؟ اس مسئلہ میں اگرچہ ائمہ کا اختلاف ہے مگر ان میں قول محقق و راجح یہی ہے کہ یہ دینِ اسلام کی سُنتوں میں سے ہے۔ چنانچہ سیّدنا امام اعظم رحؒ سے بھی یہی منقول ہے۔ جس کو علامہ عینیؒ نے عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں ذکر فرمایا ہے۔
(طحطاوی ص۳۶ و بذل المجہود ص۲۹ ج۱ و فتح الملہم ص۴۱۶ ج۱ معارف السنن ص ج۱)

مسئلہ :۔ ویسے تو ہر حال میں مسواک کرنا مستحب اور بہتر ہے۔ مگر بعض حالتوں میں اس کی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔

قال النووی السواک مستحب فی جمیع الاوقات ولکن فی خمسۃ اوقات اشد استحبابا۔ احدھا عند الصلوٰۃ اھ والثانی عند الوضوء الثالث عند قرأۃ القراٰن الرابع عند الاستیقاظ من النوم الخامس عند تغیر الفم اھ ______ (فتح الملہم ص۴۱۶ ج۱)

ترجمہ :۔ (۱) نماز کے وقت (۲) وضو کے وقت (۳) قرآن کی تلاوت کے وقت (۴) نیند سے بیداری کے وقت (۵) منہ میں بدبو اور دانتوں کی زردی کے وقت۔ اھ

اور مراقی الفلاح ص۳۷ میں ہے۔

و یستحب لتغیر الفم والقیام من النوم والی الصلوٰۃ و دخول البیت واجتماع الناس وقرأۃ القراٰن

ترجمہ :۔ منہ کی بدبو اور نیند سے بیداری کے وقت اور نماز کے اہتمام کے وقت اور گھر میں یا مجمع عام میں داخل ہوتے وقت اور قرآن مجید کی تلاوت کے وقت مسواک کرنا مستحب ہے۔

اور امام سیوطیؒ نے الاشباہ والنظائر ص۴۲ میں ان سات مواقع کو منظوم بیان فرمایا ہے۔

لِسَنُّ اِسْتِيَاكٌ كُلَّ وَقْتٍ وَقَدْ اَتَتْ ‖ مَوَاضِعُ بِالتَّاكِيْدِ خَصَّ الْمُبَشِّرُ

وضوء، صلوٰة، والقرآن، دخوله ‖ لِبَيْتٍ و نوم وانتباه تغير

مسئلہ :۔ مسواک ایسی خشک اور سخت لکڑی کی نہ ہو جو دانتوں کو نقصان پہنچائے اور نہ ایسی تر اور نرم ہو کہ میل کو صاف نہ کر سکے بلکہ متوسط درجے کی ہو نہ بہت سخت اور نہ بہت نرم۔ (درمختار)

مسئلہ :۔ مسواک کڑوے درخت مثلاً نیم وغیرہ کی ہونی چاہیئے۔ پیلو کے درخت کی مسواک زیادہ بہتر ہے۔ چنانچہ احادیث میں بھی پیلو کی مسواک کا ذکر آیا ہے۔ (مرقات ص۲ ج۲ مطبوعہ ملتان)

مسئلہ :۔ مسواک سیدھی ہو، گرہ دار نہ ہو اور لمبائی میں ایک بالشت ہونی چاہیئے۔ استعمال سے یعنی تراشتے تراشتے اگر کم ہو جائے تو مضائقہ نہیں اور موٹائی میں چھوٹی انگلی کے برابر ہو۔ (درمختار)

مسئلہ :۔ مسواک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ مسواک داہنے ہاتھ میں اس طرح لے کہ مسواک کے ایک سرے کے قریب انگوٹھا اور نیچے آخیر کی چھوٹی انگلی اور درمیان میں اوپر کی جانب دوسری انگلیاں رکھے اور مٹھی باندھ کر نہ پکڑے اور پہلے اوپر کے دانتوں کے طول میں داہنی طرف پھر بائیں طرف۔ اسی طرح پھر نیچے کے دانتوں پر مسواک کرے۔

اور ایک بار مسواک کرنے کے بعد مسواک کو منہ سے نکال کر نچوڑے اور از سر نو پانی سے بھگو کر پھر کرے۔ اسی طرح تین بار کرے۔ اس کے بعد مسواک کو دھو کر دیوار وغیرہ سے کھڑی کر کے رکھ دے، زمین پر ویسے ہی نہ رکھ دے۔ نیز یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ مسواک دانتوں کے عرض میں نہ کرنا چاہیئے۔ اس سے مسوڑھے متاذی ہو جاتے ہیں۔

مسئلہ :۔ مسواک دائیں ہاتھ سے کرنی چاہیئے۔ بائیں ہاتھ سے مسواک کرنا شیطانی فعل ہے۔ (درمختار)

علامہ رافعی مصری حنفیؒ التحریر المختار حاشیہ رد المحتار ص۱۸ ج۱ میں فرماتے ہیں :۔

قال السندی و انما كان باليمنى لانه من اعمال الطهارة و قد ثبت قوله صلى الله عليه وسلم السواك مطهرة للفم مرضاة للرب رواه احمد عن ابى بكر الصديق رض وقال الحكيم الاستياك باليسار فعل الشيطان الخ

مسئلہ :۔ اگر مسواک نہ ہو یا دانت ٹوٹے ہوئے ہوں تو ایسی حالت میں موٹے کپڑے یا دائیں ہاتھ کی انگلی سے مسواک کا کام لینا چاہیئے۔ (درمختار)

مسئلہ :۔ دوسرے شخص کی مسواک کو اس کی اجازت سے استعمال میں لانا جائز ہے۔ چنانچہ فتاویٰ خیریہ ص۵ ج۱ میں علامہ خیر الدین رملیؒ فرماتے ہیں :۔

واما السواك بسواك غيره فقد صرح فى الضياء المعنوى فى شرح مقدمة الغزنوى انه لا بأس به باذن صاحبه ومثله المشط والميل اھ

مسئلہ:۔ وروی عن محمد بن مقاتلؒ لو أن اھل بلدة اجمعوا علی ترک السواک قاتلناھم کما یقاتل الکفار اھ (فتاوی حمادیہ ص۱۰۹ ج۲)

ترجمہ:۔ محمد بن مقاتلؒ سے مروی ہے کہ اگر کسی بستی والے سب کے سب مسواک چھوڑنے پر اتفاق کرلیں تو ہم ان سے (اس سنت کے ترک کرنے پر) اسی طرح قتال کریں گے جس طرح کافروں سے کیا جاتا ہے۔

مسئلہ:۔ روزہ دار کے لیے بعد الزوال بھی مسواک کرنا جائز ہے۔

لا بأس بالسواک للصائم بکرة وعشیا لقوله علیه السلام خیر خلال الصائم السواک۔ سواء کان السواک رطبا او یابسا او مبلولا اھ (جوہرہ نیرہ شرح قدوری ص۱۴۳ ج۱)

وتمسک بعموم ھذه الاحادیث کلھا من لم یکره السواک للصائم بعد الزوال لدخول الصائم فیھا وغیره شھر رمضان وغیره وھو جلی واللہ اعلم ——— (زرقانی شرح موطا امام مالکؒ ص۱۹۷ ج۱)

مسئلہ:۔ مسجد کی حدود میں اور نیز قرآن مجید کی تلاوت کے وقت تمباکو نوشی منع اور ناجائز ہے۔ پس قاری کو اثناء قرأت میں تمباکو نوشی سے باز رہنا چاہیئے اور اگر کوئی دوسرا شخص تمباکو نوشی میں معروف ہو تو اس مجلس میں قرآن خوانی سے باز رہنا چاہیئے۔ چنانچہ علامہ حسنین محمد مخلوف مصری اپنے فتاوے شرعیہ ص۱۸۳ ج۲ پر رقمطراز ہیں:۔

(السؤال) ھل یجوز شرب الدخان فی المساجد وحال قرأة القرآن ؟

(الجواب) لا یجوز شربة فی المساجد لکراھة رائحته ویدل علیه ما رواه البخاری فی صحیحه فی (باب ما جاء فی اکل الثوم النیء والبصل والکراث) عن عمرؓ بن الخطاب ان النبی صلی اللہ علیه وسلم قال فی غزوة خیبر (من اکل من ھذه الشجرة یرید الثوم فلا یغشانا فی مساجدنا) وقال عبد الملکؒ بن جریج۔ ما یعنی الا نتنه ای رائحته الکریھة۔ ویلحق به کل ماله رائحة کریھة ثم رأیت فی الدر وحاشیته قبیل کتاب الصید عن الطحاوی ما نصه (ویؤخذ من الحاق الدخان بالثوم والبصل کراھته تحریما فی المسجد للنھی الوارد فی الثوم والبصل وھو ملحق بھما۔ والظاھر کراھة تعاطیه حال القرأة (ای قرأة القرآن) لما فیه من الاخلال بتعظیم کتاب اللہ تعالی اھ

ای سواء کانت فی المسجد او غیره۔

وقد اخل کثیر من الناس بھذا الحکم الآن فلم یبالوا بشرب الدخان اثناء قرأة القرآن وذالک بلا ریب سوء ادب وقبح شنیع۔ والواجب زجرھم عنه وامتناع القراء عن القرأة حتی یکف السامعون عن شربه ویتھیئوا لسماع القرآن بأدب واقبال وامعان۔ واللہ اعلم۔

ادب نمبر ۴

تلاوت کے لیے عمدہ پوشاک پہننا

وَمِنْ حُرْمَتِهٖ اَنْ يَّتَلَبَّسَ كَمَا يَتَلَبَّسُ لِلدُّخُوْلِ عَلَى الْاَمِيْرِ لِاَنَّهٗ مُنَاجٍ ——— (قرطبی)

ترجمہ:- اور قرآن مجید کے آداب عظمت میں سے ایک یہ ہے کہ تلاوت کے وقت ایسی (عمدہ، پاکیزہ) پوشاک پہنے جیسے کسی والئ ملک کی ملاقات کے وقت پہنتا ہے کیونکہ یہ اس وقت احکم الحاکمین کی بارگاہ عالیہ میں شرف حضوری و ہمکلامی سے مشرف ہو رہا ہے۔

تشریح:-

حدیث ۱:- عَنْ اَبِی الْاَحْوَصِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ اَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيَّ ثَوْبٌ دُوْنٌ فَقَالَ لِيْ اَلَكَ مَالٌ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ مِنْ اَيِّ مَالٍ قُلْتُ مِنْ كُلِّ الْمَالِ قَدْ اَعْطَانِيَ اللّٰهُ مِنَ الْاِبِلِ وَالْبَقَرِ وَالْغَنَمِ وَالْخَيْلِ وَالرَّقِيْقِ قَالَ فَاِذَا اٰتَاكَ اللّٰهُ مَالًا فَلْيُرَ اَثَرُ نِعْمَةِ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَكَرَامَتِهٖ ——— (مشکوٰۃ شریف)

ترجمہ:- حضرت ابوالاحوص رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میرے

بدن پر اس وقت خراب و خستہ کپڑے تھے۔ آپ نے مجھ سے پوچھا! کیا تمھارے پاس مال ہے۔ میں نے عرض کیا ہاں۔ فرمایا کس قسم کا مال ہے؟ عرض کیا۔ خداوند کریم نے مجھ کو ہر قسم کا مال عنایت فرمایا ہے۔ اونٹ بھی گائیں بھی بکریاں بھی گھوڑے بھی اور غلام بھی۔ فرمایا جب خداوند کریم نے تجھ کو مال دیا ہے تو خدا کی نعمت کے اثر کو تو دکھا اور اس نے تجھ کو جو عزت دی ہے اس کو نمایاں کر۔ (نسائی و شرح السنۃ)

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں۔

والمعنى البس ثوبا جيدا ليعرف الناس انك غنى وان الله انعم عليك بانواع النعم وفى شرح السنة هذا فى تحسين الثياب بالتنظيف والتجديد عند الامكان من غير ان يبالغ فى النعامة۔

ترجمہ:- مطلب یہ ہے تو عمدہ لباس زیب تن کر تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ تو تونگر ہے اور اللہ پاک نے تجھے گوناگوں نعمتوں سے نوازا ہوا ہے اور شرح سنۃ میں مذکور ہے کہ لباس کی عمدگی سے مراد یہ ہے کہ وہ لباس پاکیزہ ہو اور مقدور بھر جدید ہو یہ مراد نہیں کہ زیب و زینت میں مبالغہ کیا جائے

حدیث ۲:- عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ اَنْ يُّرٰى اَثَرُ نِعْمَتِهٖ عَلٰى عَبْدِهٖ۔

(رواہ الترمذی)

ترجمہ :۔ حضرت عمرو بن شعیبؓ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے
روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ
کو یہ بات بہت مرغوب ہے کہ اس کی نعمتوں کا اثر اس کے بندوں کو
دکھایا جائے (یعنی جب خدا کسی کو اپنی نعمت عطا فرمائے تو وہ اس کے
اثر کو نمایاں کرے اور اس کی نعمت کے مناسب اپنا حال بنائے۔)

فائدہ جلیلہ :۔ مال حرام کا یا دھوکہ، خیانت اور غصب سے حاصل کردہ لباس پہننا حرام ہے اور اسی طرح بطور فخر اور عجب (خود پسندی) کے لباس پہننا بھی حرام ہے۔ چنانچہ کتاب الفقہ ص۱۰ ج۱ میں ہے :۔

مسئلہ : یحرم ان یلبس أحد ثوبا من مال حرام
او ماخوذاً بطریق الغش او الخیانة او
الغصب فقد قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم
لا یقبل اللہ صلوٰة او صیام من یلبس جلبابا
(قمیصا) من حرام حتی ینحی (یبعد ذالک
الجلباب عنه) وکذا یحرم اللباس بقصد
الفخر والعجب — اھ

مسئلہ :۔ لباس کے بارے میں فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ آدمی کا لباس کوئی واجب ہوتا ہے کوئی مستحب۔ کوئی حرام اور کوئی مکروہ اور کوئی مباح۔

واجب :۔ وہ مقدار لباس ہے جس سے ستر عورت کیا جائے۔

مندوب :۔ وہ لباس ہے جس کے پہننے کی شریعت میں ترغیب آئی ہو، جیسے

عمدہ کپڑا عیدین کے لیے اور سفید کپڑا جمعہ کے لیے۔

مکروہ :۔ وہ لباس ہے جس کے نہ پہننے کی ترغیب آئی ہو۔ جیسے غنی کے لیے پھٹے پرانے کپڑے پہننا۔

حرام :۔ وہ لباس ہے جس کے پہننے کی ممانعت آئی ہو۔ جیسے مرد کے لیے ریشمی کپڑا بلا عذر پہننا وغیرہ۔

(تفصیل غالیة المواعظ سید نعمان آفندی آلوسی زادہ ص۳۶ ج۱ پر ملاحظہ ہو۔

اور حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ سیرت النبیؐ ص۸۴۲ ج۶ پر رقمطراز ہیں :۔ اسلام میں لباس و پوشاک کی حدبندی کی تشریح احادیث کے مطابق حسب ذیل ہے :۔

نمبر۱ :۔ مردوں کو کسی ضرورت اور مجبوری کے بغیر خالص ریشم کا بنا ہوا کپڑا نہیں پہننا چاہیئے۔ کیونکہ اس سے زنانہ پن کا اظہار ہوتا ہے اور وہ اس عیش و عشرت کی زندگی یاد دلاتا ہے جو مردوں کی جدوجہد اور محنت کی زندگی کے خلاف ہے۔ ضرورت اور مجبوری کی تشریح یہ ہے کہ جیسے لڑائی میں زرہ کے نیچے ریشمی کپڑا پہنتے ہیں تاکہ اس کو بدن میں لوہے کی کڑیاں نہ چبھیں یا کسی کے بدن میں کھجلی ہو تو سوتی کپڑے کے کھردرا پن سے بدن کے چھل جانے کا اندیشہ ہوتا ہے اس لیے ان دو موقعوں پر مرد ریشمی کپڑے پہن سکتے ہیں۔ اگر کوئی دو چار انگل کی ریشمی پٹی (کناری) کپڑے میں لگائے، تو اس کی بھی اجازت ہے۔

نمبر۲ :۔ مردوں کے لیے عورتوں کی سی پوشاک اور عورتوں کے مردوں کی سی پوشاک پہننا جائز نہیں۔ یہ فطری ہے کہ مردوں اور عورتوں کے لباس میں فرق ہو مردوں اور عورتوں کو ایکدوسرے کی مشابہت سے منع کیا گیا ہے۔ کیونکہ اس سے دونوں کی اخلاقی تنگ دامانی کی کھلی شہادت ملتی ہے۔ آنحضرتؐ نے ان عورتوں پر جو مردوں کے لباس اور طور طریقوں کی مشابہت کریں اور ان مردوں پر جو عورتوں کے لباس اور طور طریقوں کی نقالی کریں، لعنت فرمائی ہے۔

نمبر۳ :۔ عربوں میں لباس کا دامن اتنا لمبا یا تہبند اتنا نیچے رکھنا کہ وہ زمین پر گھسیٹتا ہوا

چلے بڑائی کی نشانی سمجھی جاتی تھی۔ اُن کے بڑے بڑے اُمراء اور رئیس اتنے ہی لمبے دامن رکھتے تھے اور اتنا ہی نیچے تہبند باندھتے تھے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا جو کوئی اپنا ازار فخر و غرور اور بڑائی کے اظہار کے لیے گھسیٹ کر چلے گا۔ اللہ تعالےٰ قیامت کے دن اس کی طرف نظر نہیں اُٹھائے گا۔ اس لیے مرد کو پائجامہ اور تہبند کو اتنا نیچا نہیں کرنا چاہیئے کہ ٹخنے چھپ جائیں۔ بلکہ آپؐ نے پسند فرمایا کہ پائجامہ اور تہبند نصف ساق تک ورنہ کم از کم ٹخنوں سے اُونچا رہے۔ فرمایا ازار نیچے لٹکانا غرور کی نشانی ہے اور خداوند غرور کو پسند نہیں فرماتا۔ البتہ عورتوں کے لیے دامن یا گھیر نیچے لٹکانا بلکہ ایک آدھ بالشت نیچے رکھنا درست ہے۔

نمبر ۴:۔ ایسا لباس جس کی طرف بے اختیار لوگوں کی انگلیاں اُٹھیں یہ لباسِ شہرت پہننا ٹھیک نہیں خواہ وہ امیروں کی زرق برق پوشاک ہوں یا مولویوں کا نمائشی عبا۔ جبّہ یا صُوفیوں کا گروا رنگ۔ کیونکہ ایسے کپڑوں کے پہننے والوں کا اصل منشاء اپنے کو دوسروں سے ممتاز بنانے کی چھپی ہوئی خواہش ہوتی ہے اور یہ تفوق و امتیاز کی ہوسِ نفس کا کھلا غرور ہے۔

تذئیل از مرتب

وقال العلامۃ ابن عبد السلام لا بأس بلباس شعار العلماء لیعرفوا بذالک فیسألوا فانی کنت محرمًا فانکرت علی جماعۃ محرمین لا یعرفوننی ما اخلوا بہ من آداب الطواف فلم یقبلوا فلما لبستُ ثیابَ الفُقَہاءِ وانکرتُ علیہم ذالک سمعوا واطاعوا فاذا لبس لمثل ذالک کان فیہ اجرٌ

(غالیۃ المواعظ صـ۲۶ ج ۱)

ترجمہ:۔ علامہ ابن عبد السلامؒ نے فرمایا کہ علماء کے لیے اس لباس کے پہننے

میں کوئی حرج نہیں جو علماء کے لیے بمنزلہ شعار اور یونیفارم کے ہو۔ تاکہ لوگ ان کو پہچان سکیں اور مسائل دریافت کر سکیں اور یہ اس لیے کہ میں ایک دفعہ حج کا احرام باندھے ہوئے تھا کہ حجاج کی ایک جماعت کو جو مجھ کو پہچانتی نہ تھی۔ طواف کے آداب میں کوتاہی کرنے پر میں نے تنبیہ کی تو انھوں نے اس کو تسلیم نہ کیا اور جب میں نے فقہاء کا لباس پہن کر ان کو ٹوکا تو انھوں نے اسکو تسلیم کر لیا۔ اگر اسی مقصد کے پیشِ نظر اس قسم کا مخصوص لباس پہنا جائے تو اس میں اجر و ثواب ہو گا۔

اور مُلّا علی قاریؒ مرقات صـ۲۵۶ ج ۸ مطبوعہ ملتان میں فرماتے ہیں :۔

قال المظہر اذا اتی اللہ عبدا من عبادہٖ نعمۃ من نعماء الدنیا فلیظہرھا من نفسہٖ بان یلبس لباسًا یلیق بحالہ لاظہار نعمۃ اللہ علیہ ولیقصُدُہٗ المحتاجون لطلب الزکاۃ والصدقات وکذلک العلماء یظہروا علمہم لیستفید الناس منہم اھ

ترجمہ:۔ مظہرؒ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو اپنی نعمتوں سے سرخرو فرمائے تو بندے کو اپنی جانب سے اس نعمت کا اظہار کرتے ہوئے اپنی شان کے مناسب اچھا لباس پہننا چاہیئے تاکہ ضرورت مند لوگ زکوٰۃ و صدقات کے سلسلہ میں اس کی جانب رجوع کریں۔ اسی طرح علماء کو بھی چاہیئے کہ وہ اپنا مخصوص لباس پہنیں تاکہ لوگ ان سے علمی استفادہ کر سکیں۔

(لباس شہرت وریاء کا حکم وہی ہے جو اُوپر مذکور ہوا اور اس کی پوری تفصیل لواقح الانوار
ص۱۹۶ پر ملاحظہ فرمائی جائے۔ اور یہ بات یاد رہے کہ مدارِ اعمال نیّت پر ہے)۔

نمبر ۵:۔ مرد ہو یا عورت کوئی ایسے باریک کپڑے نہ پہنے جس سے ستر دکھائی دے۔ عورتوں
کے لیے خصوصیت کے ساتھ۔ آپؐ نے فرمایا کہ کتنی کپڑے پہننے والیاں جو حقیقت میں ننگی رہتی ہیں۔

نمبر ۶:۔ ایسا کپڑا پہننا جائز نہیں جس سے ستر پوشی نہ ہو۔ یعنی ستر کے پُورے حدود نہ چھپیں۔
ایک دفعہ حضرت عائشہؓ کی بڑی بہن حضرت اسماءؓ کوئی ایسا ہی کپڑا پہن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کے سامنے آئیں تو آپؐ نے فرمایا۔ اے اسماء جب عورت جوان ہو جائے تو (چہرہ اور ہتھیلیوں
کی طرف اشارہ کرکے فرمایا) کہ ان کے سوا کھولنا حلال نہیں۔

نمبر ۷:۔ مرد شوخ رنگ خصوصاً سُرخ رنگ کے کپڑے نہ پہنیں۔ سُرخ دھاری کے
کپڑے جائز ہیں۔ ایسی سُرخ دھاریوں کی چادر آپؐ نے اوڑھی ہے اور اس رنگ کا
تہبند بھی آپؐ نے باندھا ہے۔ سیاہ رنگ کا عمامہ زیب سر فرمایا ہے۔

نمبر ۸:۔ مردوں کے لیے عام طور پر سفید رنگ کے کپڑے آپؐ نے پسند
فرمائے ہیں۔

نمبر ۹:۔ آستین والی پوشاک پہنتے وقت پہلے داہنے ہاتھ میں آستین ڈالنی چاہئے۔

نمبر ۱۰:۔ نیا لباس پہنتے وقت آپؐ یہ دُعا پڑھا کرتے تھے جس میں اس نعمت
پر اللہ تعالےٰ کا شکر ادا فرماتے تھے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ کَسَانِیْ هٰذَا وَرَزَقَنِیْهِ مِنْ
غَیْرِ حَوْلٍ مِّنِّیْ وَقُوَّةٍ ۔

ترجمہ:۔ اس خدا کی حمد جس نے مجھ کو یہ پہنایا اور رزق دیا میری قوت
کے بغیر (یعنی محض اپنے فضل سے)۔

(سیرت النبی ج ششم)

اور تفسیر معارف القرآن ص۵۵۷ ج ۳ میں ہے۔ سلف صالحین اور ائمہ اسلام
میں بہت سے اکابر جن کو اللہ تعالیٰ نے مالی وسعت عطا فرمائی تھی اکثر عمدہ اور بیش قیمت
لباس استعمال فرماتے تھے۔ خواجہ دوعالم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جب وسعت
ہوئی عمدہ سے عمدہ لباس بھی زیب تن فرمایا۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ آپ باہر
تشریف لائے تو آپ کے بدن مبارک پر ایسی چادر تھی جس کی قیمت ایک ہزار درہم تھی
امام اعظم ابوحنیفہؒ سے منقول ہے کہ چار سوگنی کی قیمت کی چادر استعمال فرمائی۔ اسی
طرح حضرت امام مالکؒ ہمیشہ نفیس اور عمدہ لباس استعمال فرماتے تھے۔ ان کے لیے تو کسی
صاحب نے سال بھر کے لیے تین ساٹھ [۳۶۰] جوڑوں کا سالانہ انتظام اپنے ذمہ لیا ہوا تھا اور جو جوڑا
امام صاحبؒ کے بدن پر ایک مرتبہ پہنچ جاتا تھا دوبارہ استعمال نہ ہوتا تھا کیونکہ صرف ایک روز
استعمال کرکے کسی غریب طالب علم کو دیدیتے تھے۔

وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو اپنی
نعمت اور وسعت عطا فرمائیں تو اللہ تعالیٰ اس کو پسند فرماتے ہیں کہ اس کی نعمت کا اثر
اس کے لباس وغیرہ میں دیکھا جائے۔ اسلیئے اظہار نعمت بھی ایک قسم کا شکر ہے اس کے
بالمقابل وسعت ہوتے ہوئے پھٹے پرانے یا میلے کچیلے کپڑے استعمال کرنا ناشکری ہے
ہاں ضروری بات یہ ہے کہ دو چیزوں سے بچے۔ ایک ریاء و نمود اور دوسرے فخر و غرور
یعنی محض لوگوں کو دکھلانے اور اپنی بڑائی ظاہر کرنے کے لیے لباس فاخرہ استعمال نہ کرے
اور ظاہر ہے کہ سلف صالحین ان دونوں چیزوں سے بَری تھے اور رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم اور سلف صالحین میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور بعض دوسرے صحابہؓ

سے جو عام حالات میں معمولی قسم کا لباس یا پیوند زدہ کپڑے استعمال کرنا منقول ہے اس کی ۲ دو وجہ تھیں ایک تو یہ کہ اکثر جو کچھ مال آتا وہ فقراء مساکین اور دینی کاموں میں خرچ کر ڈالتے تھے اپنے لیے باقی نہ رہتا تھا جس سے عمدہ لباس آسکے۔ دوسرے یہ کہ آپ مقتداء خلائق تھے۔ اس سادہ اور سستی پوشاک کے رکھنے سے دوسرے اُمراء کو اس کی تلقین کرنا تھا۔ تاکہ عام غُرباء و فُقراء پر ان کی مالی حیثیت کا رعب نہ پڑے۔

اسی طرح صوفیائے کرام جو مبتدیوں کو لباس زینت اور عمدہ لذیذ کھانوں سے روکتے ہیں۔ ان کا منشاء بھی یہ نہیں کہ ان چیزوں کو دائمی طور پر ترک کرنا کوئی کار ثواب ہے بلکہ نفس کی خواہشات پر قابو پانے کے لیے ابتداء سلوک میں ایسے مجاہدے بطور علاج و دواء کے کر دیئے جاتے ہیں اور جب وہ اس درجہ پر پہنچ جائیں کہ خواہشات نفسانی پر قابو پالے کہ اس کا نفس اس کو حرام و ناجائز کی طرف نہ کھینچ سکے۔ تو اس وقت تمام صوفیائے کرام عام سلفِ صالحین کی طرح عمدہ لباس اور لذیذ کھانوں کو استعمال کرتے ہیں اور اس وقت یہ طیبات رزق ان کے لیے معرفتِ خداوندی اور درجاتِ قربِ میں رکاوٹ کی بجائے اضافہ اور تقرب کا ذریعہ بنتے ہیں۔ انتہیٰ۔

لباس، وضع قطع میں تشبہ باہل حق کی برکات

ملا علی قاریؒ مرقات صـ۲۵۵ ج۸ پر نقل فرماتے ہیں۔

قد حکی حکایة غریبة و لطیفة عجیبة وھی انه لما اغرق الله سبحانهٗ فرعون و آله ولم یغرق مسخرته الذی کان یحاکی سیدنا موسیٰ علیه الصلوٰة والسلام فی لبسه و کلامه و مقالاته

فیضحك فرعون و قومه من حرکاته و سکناته۔ فتضرع موسیٰ الیٰ ربه یارب ھٰذا کان یؤذینی اکثر من بقیة آل فرعون فقال الرب تعالیٰ ما اغرقناه فانهٗ کان لابسًا مثل لباسك والحبیب لا یعذب من کان علیٰ صورة الحبیب۔ فانظر من کان متشبھا باھل الحق علیٰ قصد الباطل حصل لهٗ نجاة صوریة وربما اَدّت الیٰ النجاة المعنویة فکیف بمن یتشبه بانبیائهٖ و اولیائهٖ علیٰ قصد التشرف والتعظیم و غرض المشابھة الصوریة علیٰ وجه التکریم اھ

ترجمہ:۔ ایک عجیب و غریب حکایت اور عجیب لطیفہ، جب اللہ پاک نے فرعون اور اس کے لاؤ لشکر کو دریا میں غرق کر دیا اور وہ مسخرہ غرق ہونے سے زندہ بچ گیا جو فرعون اور اس کے درباریوں کو ہنسانے اور خوش کرنے کیلئے حضرت موسےٰ علیہ السلام کے لباس اور گفتگو وغیرہ میں نقالی کرتا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ ایزدی میں التجا کی یہ شخص تو مجھے بہ نسبت دیگر آل فرعون کے زیادہ اذیت پہنچاتا رہا ہے۔ یہ تو غرق کرنے کا زیادہ مستحق تھا۔ اللہ پاک نے فرمایا کہ اے موسیٰ کلیم یہ تجھ جیسا لباس پہنے ہوئے تھا اور دوست کبھی اس شخص کو تکلیف نہیں دیتا جو اس کے دوست کی شکل و ہیئت پر ہو۔ دیکھئے اہل حق کے ساتھ محض تشابہ کی وجہ سے صورةً نجات حاصل ہوئی۔ اگرچہ اس تشابہ میں نیت مذموم تھی اور لبا اوقات اس سے نجات معنوی طور پر بھی حاصل ہو سکتی ہے پس اس شخص کے متعلق کیا خیال ہے جو انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کی اتباع کو سعادت سمجھتے ہوئے تشابہ اختیار کرے۔

❖

ادب نمبر ۵

بوقتِ تلاوت سکون و وقار کے ساتھ قبلہ رُخ بیٹھنا

وَمِنْ حُرْمَتِهٖ اَنْ يَّسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ لِقِرَاءَتِهٖ ـــــ (قرطبی)

ترجمہ :۔ اور قرآن مجید کے آداب عظمت میں سے ایک یہ ہے کہ تلاوت کے وقت قبلہ رخ ہوکر بیٹھے۔

تشریح: سمتِ قبلہ ایک جہت محترم ہے اور قبلہ رخ بیٹھنا فی حدذاتہٖ موجبِ قربت و ثواب اور باعث قوتِ بینائی ہے۔ چنانچہ عین العلم میں ہے وَيَسْتَقْبِلُ الْقِبْلَةَ فِي الْجُلُوْسِ فَهُوَ عِبَادَةٌ وَفِيْهِ قُوَّةُ الْبَصَرِ۔ اور زین الحلم شرح عین العلم ص۳۰ ج۱ پر ملا علی قاریؒ اس قول کی شرح میں فرماتے ہیں:۔ اَیْ فِیْ حَدِّ ذَاتِهٖ فَضْلًا عَنْ اَنْ يَّكُوْنَ فِيْ حُدُوْدِ الْمَسْجِدِ وَجِهَاتِهٖ. وَقَدْ وَرَدَ اَكْرَمُ الْمَجَالِسِ مَا اسْتُقْبِلَ بِهِ الْقِبْلَةُ ۔ اخرجه ابويعلى وابن عدى والطبرانى فى الاوسط واورده الحاكم وقال انه صحيح اھ

ترجمہ :۔ قبلہ رخ بیٹھنا فی نفسہٖ عبادت ہے خواہ مسجد کی حدود میں ہو یا بیرونِ مسجد چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے۔ بہترین اور عمدہ مجلس وہ ہے جس میں قبلہ رخ بیٹھا جائے

(رواہ ابویعلی وابن عدی والطبرانی والحاکم)

اور طبرانی میں باسناد حسن روایت ہے اِنَّ لِكُلِّ شَیْءٍ سَيِّدًا وَاَنَّ سَيِّدَ الْمَجَالِسِ قِبَالُ الْقِبْلَةِ ۔ ترجمہ:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر چیز کا ایک سردار ہوتا ہے اور مجالس میں عمدہ اور سردار نشست وہ ہے جس میں انسان قبلہ رخ ہوکر بیٹھے نیز طبرانی کی ایک روایت ہے۔ اِنَّ لِكُلِّ شَیْءٍ شَرَفًا وَاِنَّ شَرَفَ الْمَجَالِسِ

مَا اسْتُقْبِلَ بِهِ الْقِبْلَةُ ۔ ترجمہ :۔ ہر چیز کے لیے ایک شرف ہے اور مجالس کا شرف قبلہ رخ ہونے میں ہے (لواقح الانوار ص۵۱۱)

اور حکیم الامت حضرت تھانویؒ قدس سرہٗ امداد الفتاویٰ ص۵۷ جلد ۴ پر مقاصد حسنہ سے یہ احادیث نقل فرمانے کے بعد فرماتے ہیں۔ ان روایات سے مستقبل قبلہ بیٹھنے کا استحباب ثابت ہوتا ہے بلکہ اگر بعض طرق اعتبار سے ضعف بھی مان لیا جائے تب بھی فضائل اعمال میں حدیثِ ضعیف بھی کافی ہے۔

استقبالِ قبلہ کی برکات

علامہ شیخ احمد الفشنی المجالس السنیہ شرح اربعین نوویہ ص۵۸ پر فرماتے ہیں:۔

وَقَالَ بَعْضُهُمْ مَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلٰی وَلِیٍّ اِلَّا هُوَ مُسْتَقْبِلُ الْقِبْلَةِ۔

ترجمہ :۔ بعض علماء نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جب کسی ولی پر معرفت کے کسی بھید کو ظاہر کرنا چاہتے ہیں تو یہ اسی صورت میں ہوتا ہے جبکہ اس کا رخ قبلہ کی جانب ہو۔ نیز فرماتے ہیں:۔ حُكِیَ اَنَّ رَجُلًا عَلَّمَ وَلَدَيْنِ الْقُرْاٰنَ عَلَی السَّوَاءِ فَكَانَ اَحَدُهُمَا يَقْرَاُ وَهُوَ مُسْتَقْبِلُ الْقِبْلَةِ فَحَفِظَ الْقُرْاٰنَ قَبْلَ صَاحِبِهٖ بِسَنَةٍ اھ

ترجمہ :۔ بیان کیا گیا ہے کہ ایک شخص نے اپنے دو لڑکوں کو حفظ قرآن مجید بیک وقت شروع کرایا تو ایک ان میں سے قبلہ رخ ہوکر یاد کیا کرتا تھا چنانچہ اس نے (استقبالِ قبلہ کی برکت سے) اپنے بھائی سے ایک سال قبل ہی حفظ کر لیا۔

اور اس ادب کے متعلق علامہ سید آلوسی روح المعانی ص۱۳۲ ج۷، ۲، امام سیوطی اتقان ص۱۰۵ ج۱، اور طاش کبریٰ زادہ مفتاح السعادۃ ص۴۰۳ ج۲ پر فرماتے ہیں:۔ ويستحب ان يجلس مستقبلا متخشعا بسكينة ووقار مطرقا راسه۔

ترجمہ :- اور مستحب ہے کہ تلاوت کے وقت اطمینان اور وقار کے ساتھ عاجزی اور فروتنی کا اظہار کرتے ہوئے اور گردن جھکائے ہوئے قبلہ رُخ بیٹھے۔

اور امام قرطبی اپنی تفسیر میں اس ادب کے ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ حضرت ابوالعالیہ جب قرآن پڑھنا چاہتے تھے تو عمامہ باندھ کر اور اچھا لباس پہن کر نیز چادر اوڑھ کر قبلہ رُخ ہو کر تلاوت کیا کرتے تھے اور حجۃ الاسلام نے بھی احیاء العلوم میں قرآن مجید کی تلاوت کے سلسلہ میں کتنی اہم بات بیان فرمائی :-

ویکون جلوسہ وحدہ کجلوسہ بین یدی استاذہ -

ترجمہ :- قرآن مجید کی تلاوت کے وقت اس طرح مؤدب بیٹھنا چاہیئے، جس طرح شاگرد اپنے اُستاد کے سامنے بیٹھتا ہے۔

اور شیخ اسماعیل حقی آفندی تفسیر روح البیان ص۱۰ ج ۵ پر فرماتے ہیں :-

ینبغی لقادی القرآن اذا شرع فی القراۃ ان یکون شانہ الخشوع فینبغی ان یستحضر فی نفسہ فانہ یناجی اللہ تعالیٰ ویقراء علی حال من یری اللہ تعالیٰ فانہ ان لم یکن یراہ فاللہ یراہ -

ترجمہ :- قاری قرآن کے لیے مناسب یہ ہے کہ اس پر خشوع طاری ہونا چاہیئے جبکہ وہ تلاوت شروع کرے اور اپنے ذہن میں اس وقت یہ تخیل قائم کرے کہ میں اللہ تعالےٰ سے مناجات کر رہا ہوں اور اس انداز سے پڑھے کہ گویا وہ رب العالمین کے دیدار سے محظوظ ہو رہا ہے۔ ورنہ یہ تخیل تو ضرور قائم کرے کہ اللہ تعالیٰ کی نگاہِ کرم میری طرف متوجہ ہے۔

اور کنز العمال کی روایت ہے احسن الناس قراۃ اذا قراءٗ رائیت انہ یخشی اللہ -

ترجمہ :- لوگوں میں قرآن پڑھنے کے اعتبار سے وہ شخص زیادہ اچھا ہے جو قرآن پڑھتے وقت دکھائی دے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈر رہا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اس طرح اہتمام سے پڑھے جس طرح ڈرنے والا اہتمام سے کلام کرتا ہے کہ مبادا کوئی حرکت حاکم کے سامنے بے موقع نہ ہو جائے اور اس سے بڑھ کر اگر یہ صحیح تخیل ہمارے دل و دماغ میں موجود ہو کہ ہم اللہ تعالےٰ کا کلام اس کے حضور میں پڑھ رہے ہیں اور وہ اپنا کلام پڑھتے ہوئے ہمیں دیکھ رہے ہیں اور ہماری آواز سُن رہے ہیں۔ تو پھر یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ تلاوت کے اوقات میں ہماری ظاہری نشست سے بھی کوئی سوء ادبی کا پہلو ظاہر ہو سکے۔ چنانچہ فقیہہ ابواللیث سمرقندیؒ فتاویٰ النوازل ص۸۰ پر فرماتے ہیں :-

وینبغی احسن ثیابہ عند القراۃ والصلوٰۃ ولا یتکاء ولا یستند الی شئی عند القراۃ -

ترجمہ :- مناسب یہی ہے کہ تلاوت اور نماز کے وقت عمدہ لباس پہنا جائے اور تلاوت کے وقت نہ تکیہ لگائے اور نہ ہی کسی چیز کے ساتھ ٹیک لگائے۔

مسئلہ :- البتہ اگر زبانی حفظ سے تلاوت کرنا چاہے تو حالتِ اضطجاع اور حالتِ قیام و قعود میں بھی تلاوت کرنے کی اجازت ہے۔ لیکن حالتِ اضطجاع میں پاؤں کو دراز نہ کرے۔ کیونکہ یہ سوءِ ادبی ہے۔ بلکہ اس وقت پاؤں کو سمیٹ لینا چاہیئے۔

چنانچہ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ تفسیر روح المعانی ص۱۵۴ ج ۹ پر فرماتے ہیں :-

ولو قراء مضطجعا فلا باس بہ اذ ہو نوع من الذکر وقد مدح سبحانہ ذاکریہ قیاما وقعودا وعلی جنوبہم -

(کذا فی عین العلم مع زین الحلم ص۴۹ ج ۱)

مسئلہ :- اگر چلتے ہوئے یا کپڑا بُنتے ہوئے یا دیگر کام کاج کے وقت قرآن مجید

کی تلاوت کی جائے۔ پس اگر اس کام کاج کے دوران اس کی توجہ قرآن مجید کی تلاوت کی طرف برقرار رہے تو پھر تلاوت کرنا اس حال میں مکروہ نہیں، ورنہ مکروہ ہے۔

(روح المعانی)

ولو قرأ ماشیا او عند النسج ونحوہ من الاعمال فان کان القلب حاضرا غیر مشتغل لم یکرہ والا کرہ۔

اور فقیہ ابو اللیث بھی فتاویٰ النوازل ص۳۰ پر فرماتے ہیں :۔

المحترف الماشی ان لم یشغله عمل لوشی تجوز قرأته والا فلا۔ اھ

مسئلہ :۔ مجلس وعظ و تذکیر یا جلسوں میں قبلہ رُخ ہونے کے بجائے حاضرین کی رعایت کرتے ہوئے اُن کی طرف متوجّہ ہو کر تلاوت کرنا چاہیئے۔ چنانچہ زین الحلم شرح عین العلم ص۳۳ ج ا پر مُلا علی قاری فرماتے ہیں :۔

وقد کانت احواله علیه السلام فی مواعظ الناس ان یخطب لهم وهو مستدبر القبلة۔ قلت وفیه انه لمصلحة سماع الناس ولم یعکس ایثارا للکثیر۔ اھ

❁

ادب نمبر۶

قرآن مجید کو کسی چیز پر رکھ کر تلاوت کرنا

وَمِنْ حُرْمَتِهِ اَنْ يَّضَعَهٗ فِيْ حِجْرِهٖ اَوْعَلٰى شَيْئٍ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلَا يَضَعُهٗ عَلَى الْاَرْضِ (قرطبی)

ترجمہ :۔ اور قرآن مجید کے آدابِ عظمت میں سے ایک یہ ہے کہ تلاوت کے وقت اُس کو اپنی گود میں رکھے یا کسی اور چیز (مثلاً تکیہ، رحل وغیرہ) پر اپنے سامنے رکھے اور (قرآن مجید کو) زمین پر نہ رکھے۔

تشریح :۔ امام سیوطیؒ تفسیر اتقان ص۱۷۲ ج ۲ (مصری) میں فرماتے ہیں : یستحب تطیب المصحف وجعله علی کرسی ویحرم توسده لان فیه اذلالا وامتهانا۔ قال الزرکشی وکذا مد الرجلین الیه واخرج ابن ابی داؤد فی المصاحف عن سفیان انه کرہ ان تعلق القرآن واخرج عن الضحاکؒ قال لا تتخذوا للحدیث کراسی ککراسی المصاحف۔ اھ

ترجمہ :۔ قرآن مجید کو خوشبو لگانا، معطر کرنا اور اسے بلند چیز پر (رحل وغیرہ پر) رکھنا مستحب ہے اور اس پر ٹیک لگانا حرام ہے۔ اس لیے کہ اس فعل میں قرآن کریم کی بے حُرمتی اور اُس کی حقارت ہوتی ہے اور امام زرکشیؒ نے فرمایا ہے کہ یہی حکم قرآن مجید کی طرف پاؤں پھیلانے کا ہے (یعنی یہ بھی حرام ہے)۔

ابن ابی داؤد نے کتاب المصاحف میں سفیانؒ سے روایت کی ہے کہ اُنہوں نے مصاحف کو لٹکانا مکروہ سمجھا تھا اور اسی راوی نے ضحاکؒ سے روایت کی ہے کہ اُنہوں نے کہا کہ قرآن مجید کی کرسی (رحل وغیرہ) حدیث کی کرسی سے ممتاز ہونی چاہیئے۔

(انتہیٰ)

❁

ادب نمبر ۷

تلاوت شروع کرنے سے پہلے اَعُوذُ بِاللّٰہ پڑھنا

وَمِنْ حُرْمَتِہٖ اَنْ یَسْتَعِیْذَ بِاللّٰہِ عِنْدَ ابْتِدَائِہٖ لِلْقِرَاءَۃِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ (قرطبی)

ترجمہ :- اور قرآن مجید کے آدابِ عظمت میں سے ایک یہ ہے کہ تلاوت شروع کرنے سے پہلے اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم پڑھے ۔

تشریح :- (استعاذہ کی حقیقت)

علامہ ابن القیم جوزیؒ فرماتے ہیں ۔ تعوذ کی حقیقت یہ ہے کہ کسی خطرناک چیز سے بھاگ کر ایسی ذات کی طرف جانا جو اس کو خطرے سے بچا سکے (التفسیر لابن القیم ص ۵۳۸)

نیز علامہ موصوف فرماتے ہیں کہ استعاذہ کا مفہوم جس کا تعلق مومن کے دل سے ہے، (یعنی دل سے حق تعالےٰ پر نظر رکھنا) الفاظ اُس کے ادا کرنے سے قاصر ہیں ۔ صرف تمثیل، اشارہ اور تفہیم ممکن ہے ۔ ورنہ اُس وقت دل میں التجا، رابطہ حق اور خدا کے حضور میں عاجزی کی جو کیفیت ہوتی ہے، عبارت اُس کے بیان سے قاصر ہے اور مفسر خازن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم کہنا بندہ کی طرف سے اپنے عجز کا اقرار اور خدا پر اعتماد اور توکل کا اعلان ہے ۔

اور بعض محققین کا خیال ہے کہ استعاذہ کی حقیقت یہ ہے کہ شیطان کے جال میں پھنسنے سے محفوظ ہو جائے اور بسم اللہ کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی رحمت میں داخل ہو جائے ۔ اس لیے استعاذہ بسم اللہ پر مقدم ہُوا ۔ کیونکہ دفع مضرت جلب منفعت پر مقدم ہے ۔

خلاصہ بیان معلوم ہُوا کہ استعاذہ کے لیے دو چیزیں ضروری ہیں ۔ ایک یہ کہ ہمیں اپنے گرد و پیش کے خطرات کا احساس ہو اور دوسرے اس امر کا یقین کہ ان خطرات

کا انسداد، ان مفاسد کا سدِّ باب اور ان مہلکات سے نجات صرف حق تعالیٰ جل مجدہٗ کے ہاں ہی ممکن ہے ۔ یہ یقین درحقیقت استعاذہ کی جان اور رابطۂ حق کا نشان ہے ۔

مکائدِ شیطان سے تحفظ کا کامیاب ذریعہ تعوذ ہے

یہ بات ذہن نشین رہے کہ انسان کے دو دشمن ہیں :-

۱۔ ظاہری دشمن جس کو ہم دیکھ بھال سکتے ہیں ۔ اگر ہم چاہیں تو اس سے بات چیت بھی کر سکتے ہیں اور اگر ہم غصہ نکالنا چاہیں تو اپنی طاقت کے مطابق اس سے برسرِ پیکار بھی ہو سکتے ہیں ۔ ایسے دشمن کا مقابلہ کرنا اور اس سے بچنا چنداں مشکل نہیں ۔ کیونکہ مقابلہ کے وقت ہم ہتھیار استعمال کر سکتے ہیں اور اس سے ڈر کر بوقتِ ضرورت در و دیوار کی اوٹ میں چھپ بھی سکتے ہیں اور سنگین قلعوں میں پناہ بھی حاصل کر سکتے ہیں ۔

۲۔ باطنی کینہ ور دشمن جس کو نہ تو یہ آنکھیں دیکھ سکتی ہیں اور نہ ہی ہاتھوں سے ٹٹولا جا سکتا ہے اور نہ ہی ہمارے یہ ظاہری قویٰ اس کا ادراک کر سکتے ہیں ۔ جیسا کہ باری سبحانہ تعالےٰ کا ارشادِ گرامی ہے ۔ اِنَّہٗ یَرٰکُمْ ھُوَ وَقَبِیْلُہٗ مِنْ حَیْثُ لَا تَرَوْنَھُمْ (سورۃ اعراف آیت ۲۷) (ترجمہ : بے شک وہ خود اور اس کا لشکر تم کو ایسے طور دیکھتا ہے کہ تم انہیں نہیں دیکھتے) یہ دشمن پہلے دشمن سے بڑھ چڑھ کر ہے ۔ جس کو شیطان کے نام سے موسوم کرتے ہیں ۔ اس کی اندرونی ضرب اس قدر مؤثر ہے، اس کا حملہ اتنا شدید ہوتا ہے کہ ان ظاہری اسباب سے نہ تو ہم مقابلہ کر سکتے ہیں نہ ہی اس سے بچاؤ کی کوئی صورت ہو سکتی ہے اور نہ ہی مضبوط قلعوں میں چھپ کر اُس سے محفوظ رہ سکتے ہیں ۔ چنانچہ سرورِ کائنات علیہ افضل الصلوات کا ارشاد ہے ان الشیطٰن یجری من الانسان مجری الدم او کما قال (ترجمہ : شیطان انسان کے اندر اس طرح گھس جاتا ہے جیسے خون رگوں میں چلتا ہے) اور یہ باطنی دشمن ایسا خبیث اور کینہ ور ہے کہ ہمارے

جدامجد حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں تو اظہارِ ہمدردی کر کے اُن کو جنت سے نکلوایا اور ہمارے حق میں تو اُس نے دربارِ خداوندی میں کھڑے ہو کر واشگاف الفاظ میں گمراہ کرنے کا اعلان کیا جو کہ قرآن مجید میں منصوص ہے :- قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ۔ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ۭ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ۔

(اعراف ۱۶ : ۱۷) ترجمہ (بولا کہ چونکہ آپ نے مجھے گمراہ کر دیا ہے۔ میں بھی لوگوں کے لیے آپ کی سیدھی راہ پر بیٹھ رہوں گا۔ پھر اُن کو اُن کے سامنے سے بھی آؤں گا اور اُن کے پیچھے سے بھی اور اُن کے داہنے سے بھی اور اُن کے بائیں سے بھی اور آپ ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہ پائیں گے) ۔

اور مزید گستاخانہ انداز میں یہ بھی کہا :-

قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ۔

(ص ۸۲) ترجمہ (کہنے لگا کہ مجھے تیری عزت کی قسم ! میں ان سب کو بہکاتا رہوں گا سوائے ان کے جو تیرے خالص بندے ہیں) اور بڑے ڈر کی بات یہ بھی ہے کہ جس شخص کو ظاہری دشمن قتل کرے تو وہ مقتول شہید ہوتا ہے اور جس کو یہ باطنی دشمن مردود قتل کرے تو وہ مردود اور کافر ہو جاتا ہے ۔

تو غور فرمائیے کہ جب دشمن ایسا کینہ ور اور مکار بھی ہو اور قوی و شدید بھی کہ ان ظاہری وسائل سے اس کا نہ تو مقابلہ کر سکیں اور نہ ہی اس سے گھبرا کر کسی قلعہ میں امن پا سکیں تو ایسے دشمن سے محفوظ رہنا مشکل تو کیا بلکہ ناممکن ہے تو اب رحمتِ خداوندی سے یہ بعید تھا کہ ظاہری دشمن سے جس کا حملہ اتنا خطرناک نہیں۔ اس سے تحفظ و بچاؤ کے اسباب تو میسّر فرما دیں اور اس غیر مرئی دشمن سے جو بہت ہی خطرناک ہے، اُس کے پنجہ سے بچنے کے لیے کوئی کامیاب تدبیر نہ بتائیں۔ چنانچہ اس دشمن کی مدافعت اور اس کے کید و مکر اور فتنہ سے بچنے کا کامیاب ذریعہ اس ذاتِ پاک کی پناہ لینا ہے۔ جو نہ تو انسان کو نظر آتی ہے اور نہ ہی شیطان کو اور یہ تعوذ شیطان کے مکر و شر سے بچنے کے لیے تریاق کا حکم

رکھتا ہے۔ کما قال اللہ عزوجل وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (حم سجدہ : ۳۶) ترجمہ اور اگر تمہیں شیطان کی جانب سے کوئی وسوسہ پیدا ہو تو خدا کی پناہ مانگ لیا کرو۔ بیشک وہ سنتا جانتا ہے ۔

تلاوت سے پہلے استعاذہ کا فلسفہ

قرآن کی تلاوت بہترین عبادت اور تمام اذکار میں عمدہ ہے۔ چنانچہ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ عمدۃ القاری شرح بخاری صفحہ ۳۳۲ ج ۹ پر فرماتے ہیں :- قد اتّفقوا ان القرآن افضل اعمال البر اھ - اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ تم میں سے بہتر وہ شخص ہے جو قرآن سیکھے اور سکھلائے۔" معلوم ہوا کہ مومن کے لیے تلاوتِ قرآن بہترین عبادت ہے اور تلاوت کے وقت استعاذہ کی تعلیم اس لیے دی گئی ہے تاکہ آدمی شیطان کی مغویانہ تدابیر کی وجہ سے اُس قربت کا اجر و ثواب ضائع نہ کر بیٹھے ۔

شیطان کی ہمیشہ یہ کوشش رہتی ہے کہ لوگوں کو نیک کاموں سے باز رکھے خصوصاً قراءتِ قرآن سے ہے جو تمام نیکیوں کا سرچشمہ ہے۔ وہ کب اس کو ٹھنڈے دل سے برداشت کر سکتا ہے۔ بلکہ وہ تو مومن کو ایسی آفات میں مبتلا کرنے کا خواہشمند ہوتا ہے جو قراءت کے حقیقی فوائد حاصل ہونے کے لیے مانع ہوں۔ بس شیطان کی ان مغویانہ تدابیر اور پیش آنے والی خرابیوں سے حفاظت کا یہی طریقہ ہو سکتا ہے کہ مومن جب تلاوت کا ارادہ کرے تو صدقِ دل سے حق تعالیٰ پر بھروسہ کرے اور شیطان مردود کی زد سے بھاگ کر خداوند قدوس کی پناہ میں آجائے اور زبان کو دل سے موافق کرنے کے لیے ابتداً تلاوت میں اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم - پڑھے - تاکہ خدا تعالیٰ کے حصن حصین میں پناہ جوئی حاصل کر سکے ۔

تفسیر مواہب الرحمٰن میں مولانا امیر علی صاحبؒ فرماتے ہیں :-

(نکتہ) تعوذ پڑھنے میں لطافت یہ ہے کہ جو کچھ اُس نے منہ سے لغو، بے ہودہ بکا اُس

سے منہ کی طہارت ہو جاتی ہے اور وہ تلاوتِ کلام اللہ کے لیے پاکیزہ ہو جاتا ہے۔ پھر اس میں اللہ تعالٰے سے استعانت ہے اور اس میں اللہ تعالٰے کی قدرتِ کاملہ کا اظہار اور اپنی عاجزی کا اقرار ہے کہ مجھ کو اس صریح دشمنِ باطنی یعنی شیطان سے مقابلہ کرنے کی قدرت نہیں بلکہ میں ربِ عزّوجل سے پناہ مانگتا ہوں جس نے انسان و شیطان دونوں کو پیدا فرمایا۔ پس تمام اسی کے قبضہ قدرت میں مقہور ہے اور اللہ تعالٰے نے اپنے مومنین بندوں پر شیطان کو قدرت نہیں دی ہے۔ پس جب بندہ اپنے رب عزّوجل کی پناہ میں آیا تو شیطان خوار ہو کر بھاگ گیا۔

(مواہب الرحمٰن صـ۹ ج ۱)

اور حضرت قاری محمد طاہر صاحب نبیرہ حضرت نانوتوی قدس سرہٗ التعوذ فی الاسلام صـ۴۰ پر بحوالہ جواہر التفسیر رقمطراز ہیں کہ قرآن مجید پڑھنے کے وقت استعاذہ کی وجہ یہ ہے کہ قاری ہمکلام خدا ہوتا ہے اور شیطان انسان کو شرفِ مکالمتِ الٰہی سے باز رکھنا چاہتا ہے اور یہ حسد اس کو اس بناء پر ہے کہ کبھی وہ بھی اس دولت کی بدولت شاد تھا اور رنج نامحرومیت سے آزاد تھا۔ اسی واسطے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت حق تعالٰے جل شانہٗ کے شرفِ مکالمت سے بہرہ افروز ہو رہے تھے، تو اُس وقت شیطان حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قدموں کے نیچے سے آنکلا اور مکالمت سے دم بھر اُن کو باز رکھا۔ پس اس کا دفعیہ بغیر استعاذہ کے ممکن نہ تھا۔ اس لیے وقتِ تلاوتِ قرآن تعوذ کا حکم ہُوا۔

استعاذہ کا دوسرا فائدہ استعاذہ میں شیطان کے مکائد سے تحفظ کے علاوہ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اس سے باطنی طہارت حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ قاری صاحب موصوف مرحوم فرماتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادقؒ کا قول ہے التعوذ تطہیر الفم من الکذب والغیبۃ والبہتان تعظیماً لقراءۃ القرآن۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ چونکہ انسان کی زبان و قلب اکثر غیبت و بہتان، کذب و افتراء سے ملوث رہتے ہیں۔ اس لیے کلامِ پاک کے اجراء کے وقت ضروری ہے کہ قلب و زبان کو دریائے تعوذ میں پاک کر لیا جائے اور اس کے

بعد کلام پاک قلب مطہر و زبان پر جاری کیا جائے۔ اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی رقیق اور لطیف غذا جب انسان چمچے سے اپنے منہ میں لے جاتا ہے تو اس سے پیشتر چمچے کو اگر وہ گرد آلود ہو تو صاف کر لیا جاتا ہے تاکہ اس غذائے لطیف میں تکدر نہ آئے اور پوری طرح لذت و نفع حاصل ہو۔ ایسے ہی جب اس ذکرِ حکیم کی غذائے روحانی سے انسان تغذیہ روحانی حاصل کرے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ پہلے اپنی زبان و دل کو تعوذ و استعاذہ سے پاک کرے۔

نکتہ، تعوذ بالملائکہ کیوں نہیں کیا جاتا اگرچہ تعوذ بالملائکہ بھی ممکن تھا اور ملائکہ بھی اس پر قادر ہیں کہ شیطان کے مکائد کے جال سے انسان کو نجات دلا دیں۔ لیکن حق تعالٰے نے انسان کو چونکہ اشرف کائنات اور خلاصۂ کائنات اور جامع الحقائق بنایا اور اس کے جملہ تعلقات اور معاملات نفع، ضرر کا تعلق براہِ راست حق تعالٰے نے اپنی ہی ذات سے رکھا ہے، اس لیے استعاذہ بھی اپنی ہی ذات سے وابستہ فرمایا ہے اور انسان کو فرشتوں کا محتاج اس بارہ میں نہ فرمایا۔ جس طرح اللہ تعالٰے کے مبارک نام کے ساتھ بسم اللہ شریف میں اس کی صفاتِ کاملہ میں سے دو صفتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اسی طرح فاستعذ باللہ من الشیطٰن الرجیم میں رجیم کی صفت کو ذکر کیا گیا ہے۔ جو شیطان کی صفاتِ قبیحہ میں بہت مذموم صفت ہے۔ انتہے۔

(التعوذ فی الاسلام صـ۴۲)

فائدہ (۱) وفی الخبر اذا لعن المؤمن شیطاناً یقول لعنت لعیناً واذا قال اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم یقول قصم ظہری لانہ یحیل الی القادر۔ (روح البیان صـ۴ ج ۱) ترجمہ (حدیث میں وارد ہے کہ جب مومن شیطان کو لعنت کرتا ہے تو شیطان کہتا ہے کہ تُو نے ایک لعین پر لعنت بھیجی ہے اور جب مومن اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم پڑھتا ہے تو شیطان کہتا ہے اس نے میری کمر توڑ دی اس لیے کہ وہ قادرِ مطلق کی پناہ میں چلا گیا۔

۲۔ وَفِی الْخَبَرِ مَنِ اسْتَعَاذَ بِاللّٰہِ فِی الْیَوْمِ عَشْرَ مَرَّاتٍ مِنَ الشَّیْطٰنِ وَکَّلَ اللّٰہُ بِہٖ مَلَکًا یَرُدُّ عَنْہُ الشَّیَاطِیْنَ ۔ (روح البیان ص۲ ج ۱)

ترجمہ:۔ حدیث شریف میں وارد ہے جو شخص روزانہ دس بار اعوذ باللہ پڑھ لیا کرے۔ حق تعالیٰ اس پر ایک فرشتہ مقرر فرما دیتا ہے جو کہ اس کو شیطان سے بچاتا ہے۔

اَعُوْذُ بِاللہ کے الفاظ

فائدہ (۱) امام احمد فرماتے ہیں کہ اعوذ باللہ کے الفاظ اس طرح پڑھنا بہتر ہے :۔
اَعُوْذُ بِاللّٰہِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔

۲۔ امام ثوری اور اوزاعی فرماتے ہیں کہ اس طرح پڑھے :۔ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۔

۳۔ مگر حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ پڑھنا افضل ہے۔ کیونکہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں، میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قرآن پڑھتے وقت اَعُوْذُ بِالسَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ پڑھا تو آپؐ نے فرمایا :۔ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ پڑھ۔ جبرئیل علیہ السلام نے لوح محفوظ سے یاد کر کے مجھے اس طرح پڑھایا ہے۔ چنانچہ روایت ہے :۔

عن ابن مسعودؓ قال قرأت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقلت اعوذ بالسمیع العلیم من الشیطان الرجیم فقال علیہ السلام قل اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم. ھکذا اقرأنیہ جبرائیل علیہ السلام عن القلم عن اللوح المحفوظ اھ ۔ (بیضاوی، مطبوعہ نولکشور ص۴۵۲ ج ۱۔ کشاف ص۶۳۳ ج ۲، تفسیر ابی سعود ص۱۹۳ ج ۳ روح ص۵۹۸ ج ۲ ۔)

مسائل فقہیہ

۱۔ مسئلہ :۔ تلاوتِ قرآن سے پہلے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ کا پڑھنا اس آیت وَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ کی تعمیل کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے مگر کبھی کبھی اس کا ترک کرنا بھی احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اس لیے جمہور علماءِ اُمت نے اس حکم کو واجب نہیں بلکہ سُنّت قرار دیا ہے اور ابن جریر طبریؒ نے اس پر اجماعِ اُمت نقل کیا ہے۔
(تفسیر معارف القرآن ص۳۸۹ ج ۵)

۲۔ مسئلہ :۔ آیت مذکورہ بالا (سورۃ نحل آیت ۹۸) کا ظاہری ترجمہ یہ ہے کہ جب تم قرآن پڑھو تو استعاذہ کرو۔ یعنی تلاوت کرنے کے بعد اعوذ باللہ پڑھ لیا کرو۔ اس آیت کے ظاہری مطلب پر خیال کرتے ہوئے حضرت ابو ہریرہؓ، امام مالکؒ، داؤد ظاہریؒ، حمزہؒ، ابو حاتم سیستانی، محمد بن سیرینؒ اور ابراہیم نخعیؒ وغیرہ نے فرمایا ہے کہ قرأت ختم کرنے کے بعد اعوذ باللہ پڑھنی چاہیئے۔ کما صرح بہ النووی فی شرح المھذب۔ لیکن زجاج کا قول ہے کہ قرأت سے مراد ارادۂ قرأۃ ہے اور یہی عربی زبان کا بلکہ ہر زبان کا محاورہ ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے اِذَا اَکَلْتَ فَقُلْ بِسْمِ اللّٰہِ یعنی جب کھانا چاہو تو بسم اللہ پڑھ لیا کرو۔

اور قرآن میں ہے اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْھَکُمْ الایۃ یعنی جب نماز پڑھنا چاہو تو وضو کر لیا کرو۔ ظاہر ہے کہ وضو نماز سے پہلے مشروع ہے نہ کہ نماز کے بعد یہی جمہور کا قول ہے اور درایت اور دانش کے مطابق ہے۔ (تفسیر بیان السبحان ص۱۴۱ مطبوعہ ہند، تفسیر سراج المنیر للخطیب الشربینی ص۲۶۱ ج ۲)۔

فائدہ :۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید میں کئی مواقع میں ارادۂ فعل کو فعل کے قائم مقام

کی حیثیت دی گئی ہے۔ چنانچہ امام ابوبکر جصاص رازی اس آیت کے معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: معناہ اذا قرأت القرآن فقدم الاستعاذۃ قبل القرآن وحقیقۃ معناہ اذا اردت القرآن فاستعذ (احکام القرآن للرازی صـ۲۳۵ ج ۳) ۔

اور تفسیر مدارک صـ۲۹۹ ج ۱ میں ہے ای اذا اردت نعبّر عن ارادۃ الفعل بلفظ الفعل لانہا سبب لہ ۔

۳ ۔ **مسئلہ**:۔ تلاوتِ قرآن نماز میں ہو یا خارج نماز دونوں صورتوں میں تلاوت سے پہلے اعوذ باللہ پڑھنا سنت ہے۔ مگر ایک دفعہ پڑھ لیا تو آگے جتنا پڑھتا رہے وہی ایک تعوذ کافی ہے۔ البتہ تلاوت کو درمیان میں چھوڑ کر کسی دنیوی کام میں مشغول ہو گیا اور پھر دوبارہ شروع کیا تو اس وقت دوبارہ تعوذ اور بسم اللہ پڑھنا چاہیئے ۔

(تفسیر معارف القرآن صـ۳۸۹ ج ۵ بحوالہ درمختار شامی)

۴ ۔ **مسئلہ**:۔ تلاوتِ قرآن کے علاوہ کسی دوسرے کلام یا کتاب پڑھنے سے پہلے اعوذ باللہ پڑھنا سنت نہیں۔ ہاں صرف بسم اللہ پڑھنا چاہیئے ۔ (معارف القرآن بحوالہ درمختار شامی)

البتہ مختلف اعمال و حالات میں تعوذ کی تعلیم حدیث میں منقول ہے۔ مثلاً کسی کو غصہ زیادہ آئے تو حدیث میں ہے کہ اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم پڑھنے سے غصہ فرد ہو جاتا ہے ۔

(معارف القرآن بحوالہ ابنِ کثیر)

نیز حدیث میں ہے کہ بیت الخلاء میں جانے سے پہلے اللّٰھم انی اعوذ بک من الخبث و الخبائث پڑھنا مستحب ہے ۔ (معارف القرآن صـ۳۸۹ ج ۵ بحوالہ رد المحتار)

۵ ۔ **مسئلہ**:۔ تلاوت سے قبل ایک بار اعوذ باللہ پڑھنا مستحب ہے جب تک درمیان میں کوئی دنیاوی کام نہ کرے ورنہ پھر تعوذ کا اعادہ کرنا پڑیگا اور دورانِ تلاوت سلام اور اذان کا جواب دینے سے اور اسی طرح تسبیح اور تہلیل پڑھنے سے دوبارہ اعوذ باللہ پڑھنے کی ضرورت نہیں پڑتی ۔

والتعوذ یستحب مرۃ واحدۃ مالم یفصل بعمل دنیوی حتی لو ردّ السلام او اجاب المؤذن او سبح او ہلل لیس علیہ اعادۃ التعوذ ذکرہ فی فتاوی الحجۃ (کبیری صـ۴۹۳) ۔

ادب نمبر ۸

وَیَقْرَأُ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ (قرطبی)

ترجمہ:۔ اور قرآن مجید کے آدابِ عظمت میں سے ایک یہ ہے کہ (تلاوت شروع کرنے سے پہلے تعوذ کے بعد) بسم اللہ الرحمان الرحیم پڑھے ۔

تشریح:۔ بسم اللہ کے فضائل نقلیہ

۱ ۔ **حدیث**:۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت عثمان بن عفانؓ نے بسم اللہ کے متعلق استفسار کیا تو حضورؐ نے فرمایا یہ اللہ تعالےٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے اور یہ نام اللہ تعالےٰ کے اسم اعظم سے اس قدر قریب ہے، جیسے آنکھ کی سفیدی اور سیاہی میں قرب ہے۔ (ابن حاتم و ابن مردویہ)

۲ ۔ **حدیث**:۔ حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ حضرت عیسےٰ ابنِ مریم کو ان کی والدہ ماجدہ نے معلم کے سپرد کیا۔ معلم نے حضرت عیسیٰؑ سے کہا، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھو۔ حضرت عیسیٰؑ نے کہا بسم اللہ کیا چیز ہے؟ معلم نے کہا مجھے علم نہیں۔ حضرت عیسیٰؑ نے کہا ب سے مراد بہاء الٰہی ہے اور س سے مراد سناء الٰہی ہے اور م سے مراد مملکت الٰہی ہے۔ یعنی اللہ تعالےٰ جل مجدہٗ سب کا معبود و مالک ہے۔ دین و دنیا میں کافروں اور مسلمانوں پر رحم کرنے والا ہے اور آخرت میں صرف مسلمانوں پر رحیم ہے

(ابن جریر و ابن مردویہ)

۳ ۔ **حدیث**:۔ حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھ پر ایسی آیت نازل ہوئی جو سوائے سلیمان علیہ السلام کے کسی پیغمبر پر نازل نہیں ہوئی اور وہ بسم اللہ الرحمان الرحیم ہے ۔

۴ - حدیث :- حضرت ابن مسعودؓ کا قول ہے کہ جو شخص انیس[۱۹] زبانیہ یعنی عذاب کے فرشتوں سے بچنا چاہتا ہو تو بسم اللہ الرحمان الرحیم پڑھا کرے ۔ تاکہ بسم اللہ کے ہر حرف کی وجہ سے خدا تعالےٰ اس کو عذاب کے ایک فرشتے سے محفوظ رکھے ۔ (اس اثر کو ابن عطیہ اور قرطبی نے ذکر کیا ہے) ۔

۵ - حدیث :- ایک حدیث میں آتا ہے کہ جو کام بغیر بسم اللہ کے شروع کیا جاتا ہے، وہ ناقص و ناتمام رہتا ہے (یعنی اس میں برکت نصیب نہیں ہوتی) اگرچہ وہ بظاہر مکمل ہوتا ہے۔ (ابن ماجہ، ابن صلاح، نووی وغیرہ) ۔

(ماخوذ از تفسیر بیان السبحان مطبوعہ ہند، ص۶)

نوٹ :- امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے لباب الحدیث کے فصل سوم میں مزید دس احادیث فضائل بسم اللہ کی نقل فرمائی ہیں ۔

بسم اللہ کے فوائد

انسان جو تہذیب انسان کو سکھلاتا ہے۔ اس کے قواعد میں سے ایک قاعدہ یہ بھی ہے کہ وہ اپنے ہر کام کی ابتداء خدا تعالےٰ کے نام سے کرے (کیونکہ خدا کے نام سے بڑھ کر روح و اخلاق کو بلند کرنے والا ذکر کوئی اور نہیں) اس قاعدے کی پابندی اگر شعور اور اخلاص کے ساتھ کی جائی تو اس سے لازماً تین فائدے حاصل ہوں گے :۔

ایک[۱] یہ کہ آدمی بہت سے بُرے کاموں سے بچ جائے گا۔ کیونکہ خدا تعالےٰ کا نام لینے کی عادت اُسے ہر کام شروع کرتے وقت یہ سوچنے پر مجبور کر دے گی کہ کیا واقعی میں اس کام پر خدا کا نام لینے میں حق بجانب ہوں ۔

دُوسرا[۲] یہ کہ جائز صحیح اور نیک کاموں کی ابتداء کرتے ہوئے خدا کا نام لینے سے آدمی کی ذہنیت بالکل ٹھیک سمت اختیار کرے گی اور ہمیشہ صحیح ترین نقطہ سے اپنی حرکت کا آغاز کرے گا ۔

تیسرا[۳] اور سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ جب وہ خدا کے نام سے اپنا کام شروع کرے گا تو خدا کی تائید اور توفیق اس کے شاملِ حال ہوگی۔ اس کی سعی میں برکت ڈالی جائے گی اور شیطان کی فساد انگیزیوں سے اس کو بچایا جائے گا۔ خدا تعالےٰ کا طریقہ یہ ہے کہ جب بندہ اسکی طرف توجہ کرتا ہے تو وہ بھی بندے کی طرف توجہ فرماتا ہے ۔

تلاوتِ قرآن اور ہر اہم کام کو بسم اللہ سے شروع کرنے کا حکم

اہلِ جاہلیت کی عادت تھی کہ اپنے کاموں کو بتوں کے نام سے شروع کیا کرتے تھے اس رسمِ جاہلیت کو مٹانے کے لیے قرآن کی سب سے پہلی آیت جو جبریل علیہ السلام لے کر آئے ان میں قرآن کو اللہ کے نام سے شروع کرنے کا حکم دیا گیا ہے " اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ " ۔

علامہ سیوطیؒ نے فرمایا کہ قرآن کے سوا دوسری تمام آسمانی کتابیں بھی بسم اللہ سے شروع کی گئی ہیں اور بعض علماء نے فرمایا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قرآن اور امتِ محمدیہ کی خصوصیات میں سے ہے ۔ دونوں قول کی تطبیق یہ ہے کہ اللہ کے نام سے شروع کرنا تو تمام آسمانی کتابوں میں مشترک ہے مگر الفاظ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قرآن کی خصوصیت ہے۔ جیسا کہ بعض روایات میں ہے کہ آنحضرتؐ بھی ابتداء میں ہر کام کو اللہ تعالےٰ کے نام سے شروع کرنے کے لیے باسمک اللّٰھم کہتے اور لکھتے تھے اور جب آیت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نازل ہوئی تو انہی الفاظ کو اختیار فرمالیا اور ہمیشہ کے لیے یہ سنت جاری ہو گئی ۔ (قرطبی و روح المعانی)

قرآن مجید میں اس کی جابجا ہدایت ہے کہ ہر کام کو اللہ کے نام سے شروع کیا جائے اور رسول اکرمؐ نے فرمایا کہ ہر اہم کام جو بسم اللہ سے شروع نہ کیا جائے وہ بے برکت رہتا ہے ۔ ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ گھر کا دروازہ بند کرو تو بسم اللہ کہو، چراغ گُل کرو تو بسم اللہ کہو، برتن ڈھکو تو بسم اللہ کہو۔ کھانا کھانے، پانی پینے، وضو کرنے، سواری پر سوار ہونے اور اترنے کے وقت بسم اللہ پڑھنے کی ہدایات قرآن و حدیث میں بار بار آئی ہیں۔ (قرطبی)

ہر کام کو بسم اللہ سے شروع کرنے کی حکمت

اسلام نے ہر کام کو اللہ کے نام سے شروع کرنے کی ہدایت دی ہے کہ انسان کی پُوری زندگی کا رُخ اللہ تعالےٰ کی طرف اس طرح پھیر دیا ہے کہ وہ قدم قدم پر اس حلف وفاداری کی تجدید کرتا ہے کہ میرا وجود اور میرا کوئی کام بغیر اللہ تعالےٰ کی مشیت و ارادے اور اس کی امداد کے نہیں ہو سکتا۔ جس نے اس کی ہر نقل و حرکت اور تمام معاشی اور دنیوی کاموں کو بھی ایک عبادت بنا دیا۔

عمل کتنا مختصر ہے کہ نہ اس میں کوئی وقت خرچ ہوتا ہے نہ محنت اور فائدہ کتنا کیمیاوی اور بڑا ہے کہ دُنیا بھی دین بن گئی۔ ایک کافر بھی کھاتا پیتا اور ایک مسلمان بھی۔ مگر مسلمان اپنے لقمے سے پہلے بسم اللہ کہہ کر یہ اقرار کرتا ہے کہ یہ لقمہ زمین سے پیدا ہونے سے لے کر پک کر تیار ہونے تک آسمان و زمین اور سیاروں اور ہَوا و فضائی مخلوقات کی طاقتیں۔ پھر لاکھوں انسانوں کی محنت صرف ہو کر تیار ہُوا ہے۔ اس کا حاصل کرنا میرے بس میں نہ تھا۔ اللہ ہی کی ذات ہے جس نے ان تمام مراحل سے گزار کر یہ لقمہ یا گھونٹ مجھے عطا فرمایا ہے۔ مؤمن و کافر دونوں سوتے جاگتے بھی ہیں۔ چلتے پھرتے بھی ہیں مگر ہر مؤمن سونے سے پہلے اور بیدار ہونے کے وقت اللہ کا نام لے کر اللہ کے ساتھ اسی طرح اپنے رابطے کی تجدید کرتا ہے۔ جس سے یہ تمام دُنیاوی اور معاشی ضرورتیں ذکرِ خدا بن کر عبادت میں لکھی جاتی ہیں۔ مؤمن سواری پر سوار ہوتے ہوئے بسم اللہ کہہ کر گویا یہ شہادت دیتا ہے کہ اس سواری کا پیدا کرنا یا مہیا کرنا۔ پھر اس کو میرے قبضہ میں دے دینا انسان کی قدرت سے باہر چیز ہے۔ رب العزت ہی کے بنائے ہوئے نظام محکم کا کام ہے کہ کہیں کی لکڑی، کہیں کا لوہا، کہیں کی مختلف دھاتیں، کہیں کے کاریگر، کہیں کے چلانے والے سب کے سب میری خدمت میں لگے ہُوئے ہیں۔ چند پیسے خرچ کرنے سے اتنی بڑی خلقِ خدا کی محنت کو ہم اپنے کام میں لا سکتے ہیں اور وہ پیسے بھی ہم اپنے ساتھ کہیں سے نہیں لائے تھے

بلکہ اس کے حاصل کرنے کے تمام اسباب بھی اسی کے پیدا کئے ہُوئے ہیں۔ غور کیجئے اسلام کی صرف اسی ایک ہی مختصر سی تعلیم نے انسان کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ اس لیے یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ بسم اللہ ایک نسخۂ اکسیر ہے۔ جس سے تانبے کا نہیں بلکہ خاک کا سونا بنتا ہے۔ فللّٰہ الحمد علیٰ دین الاسلام و تعلیماتہٖ۔

(تفسیر معارف القرآن مؤلفہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ ص۱۶ ج۱)

بسم اللہ کی برکات

۱۔ امام رازیؒ تفسیر کبیر ص۱۹۸ ج۱ پر بسم اللہ کی برکات بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ فرعون نے دعوئے الوہیت کرنے سے پہلے ایک مکان بنایا تھا اور اس کے بیرونی دروازے پر بسم اللہ لکھی تھی۔ جب اُس نے خدائی دعویٰ کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُس کو تبلیغ اسلام کی تو اُس نے قبول نہ کی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے حق میں بددعا کی:

خداوندا! تُو نے اس خبیث کو کس لیے مُہلت دے رکھی ہے؟

وحی آئی۔ اے مُوسیٰ! یہ ہے تو اس قابل کہ اس کو ہلاک کر دیا جائے۔ لیکن اس کے دروازے پر بسم اللہ لکھی ہُوئی ہے جس کی وجہ سے وہ عذاب سے بچا ہُوا ہے۔ اسی وجہ سے فرعون پر گھر میں عذاب نہیں آیا، بلکہ وہاں سے نکال کر دریا میں غرق کیا گیا۔

سُبحان اللہ! جب ایک کافر کا گھر بسم اللہ کی وجہ سے عذاب سے بچ گیا، تو اگر کوئی مُسلمان اس کو اپنے دل و دماغ اور زبان پر لکھ لے تو کیوں نہ وہ عذابِ الٰہی سے محفوظ رہے۔ (انتہیٰ)

۲۔ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز دہلویؒ تفسیر عزیزی میں لکھتے ہیں کہ مفسرین نے کہا

ہے کہ جب طوفانِ نوحؑ نے اس دُنیا کو اپنے خوفناک عذاب سے چنگل میں گھیر لیا اور حضرت نوح علیہ السلام اپنی کشتی میں سوار ہوئے تو وہ بھی خوفِ غرق سے بہت ہراساں و لرزاں تھے۔ اُنھوں نے غرق سے نجات پانے اور اس عذابِ خداوندی سے محفوظ رہنے کے لیے بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا کہا۔ اس کلمہ کی برکت سے ان کی کشتی غرقابی سے محفوظ و سالم رہی۔

مفسّرین کہتے ہیں کہ جب اس آدھے کلمے کی وجہ سے اتنے ہیبت ناک طوفان سے نجات حاصل ہوئی، تو جو شخص اپنی پُوری زندگی اس پورے کلمے یعنی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے اپنے ہر کام کی ابتداء کرنے کا التزام کرے وہ نجات سے کیونکر محروم رہ سکتا ہے؟ (تفسیر عزیزی ص۱۰ و تفسیر کبیر ص۱۶۹ ج۱)

۳۔ حضرت سلیمانؑ نے جب بلقیس ملکۂ یمن کو پہلا خط لکھا تو اس میں اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ لکھا تو اُس کی برکت سے بلقیس ان کے نکاح میں آئی اور اس کا پُورا ملک حضرت خضرؑ کے قبضہ میں آیا۔ (تفسیر کبیر ص۱۶۹ ج۱)

۴۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام کا ایک دفعہ قبرستان میں سے گزر ہُوا تو دیکھا کہ ایک شخص پر نہایت شدت کے ساتھ عذاب کیا جا رہا ہے۔ یہ دیکھ کر حضرت عیسٰی علیہ السلام چند قدم آگے تشریف لے گئے اور وضو نہا کر واپس ہُوئے۔ اب واپسی پر جو اُس قبر کے پاس سے گزرے تو ملاحظہ فرمایا کہ اس قبر میں نُور ہی نُور ہے اور وہاں رحمتِ الٰہی کی بارش ہو رہی ہے۔ آپ بہت حیران ہُوئے اور بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا کہ مجھے اس کا راز بتایا جائے۔ ارشاد ہُوا کہ رُوح اللہ! یہ شخص سخت گنہگار و بدکار تھا، اس وجہ سے عذاب میں گرفتار تھا۔ لیکن اُس نے اپنی بیوی حاملہ چھوڑی تھی اس کے ہاں لڑکا پیدا ہُوا اور آج اس کو مکتب بھیجا گیا، اُستاد نے اس کو بسم اللہ پڑھائی۔ مجھے حیا آئی کہ زمین کے اندر اس شخص کو عذاب دوں کہ جس کا بچہ زمین پر

میرا نام لے رہا ہے۔ (تفسیر کبیر ص۱۶۲ ج۱)

۵۔ حضرت خالد بن ولیدؓ کے پاس کوئی شخص زہر ہلاہل کا لبریز پیالہ لایا اور کہا کہ اگر آپ اس زہر کو پی کر صحیح سلامت زندہ رہیں تو ہم جان لیں گے کہ آپ کا مذہب اسلام سچا مذہب ہے۔ آپ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر وہ زہر پی لیا اور خدا کے فضل سے کچھ بھی اثر نہ ہُوا۔

۶۔ قیصرِ روم کو بڑی شدّت سے دردِ سر ہُوا۔ علاج معالجہ سے مایوسی کے بعد اس نے حضرت فاروق اعظمؓ کی خدمت میں خط لکھا کہ مجھے دردِ سر کی شکایت ہے کچھ علاج کیجئے۔ آپ نے اُس کے پاس ایک ٹوپی بھیج دی۔ جب بادشاہ وہ ٹوپی اوڑھتا تھا تو درد کافور ہو جاتا اور جب اُتار دیتا تھا تو دردِ سر دوبارہ شروع ہو جاتا اس کو سخت تعجب ہُوا۔ اُس نے ٹوپی کو کھلوا کر دیکھا تو اُس میں ایک پرچہ رکھا ہُوا تھا جس میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ لکھا ہُوا تھا۔ (تفسیر کبیر ص۱۶۱ ج۱)

۷۔ نیز عُلماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ دن رات کے چوبیس گھنٹے ہوتے ہیں۔ پانچ گھنٹوں کے لیے تو پانچ وقت کی نمازیں مقرّر ہیں اور بقیہ اُنیس گھنٹوں کے لیے یہ اُنیس ۱۹ حرف عطا فرمائے گئے تاکہ اُنیس گھنٹوں میں ہر نشست و برخاست، ہر حرکت و سکون اور ہر کام کے وقت ان اُنیس ۱۹ حروف کے ذریعے برکت و عبادت حاصل ہو۔ یعنی ان حروف (بسم اللہ الرحمٰن الرحیم) کی برکت سے یہ اُنیس گھنٹے بھی عبادت میں لکھے جائیں۔ (تفسیر عزیزی ص۱۲ ج۱)

۸۔ علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ سُورۃ براۃ کو جو قتل کفار کے حکم پر مشتمل ہے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے خالی رکھا گیا ہے کیونکہ یہ کلمۂ رحمت ہے جو اس موقع کا مقتضی نہیں ہے۔ اسی طرح جانور کو ذبح کرتے وقت بھی صرف بسم اللہ اللہ اکبر کہنا مقرر فرمایا گیا ہے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا حُکم نہیں دیا گیا ہے۔ کیونکہ ذبح کی صُورت قہر و عذاب کی شکل ہے۔ اور یہ کلمۂ رحمت (یعنی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم) اس کا محل اور اس کا مقتضی نہیں ہے۔ (تفسیر کبیر ص۱۶۳ ج۱)

لہٰذا جو شخص اس کلمہ رحمت یعنی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پر ہر وقت اور ہر آن مداومت کرتا ہے
جس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ وہ ہر روز سترہ مرتبہ فرض نماز میں یہ کلمہ اپنی زبان پر
جاری کرتا ہے تو یقین ہے کہ وہ شخص غضب و عذاب سے محفوظ اور رحمت و
ثواب سے محظوظ ہو گا۔

۹۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی برکات میں سے ایک یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا جب کوئی شخص بیت الخلاء جانا چاہے تو چاہیئے کہ وہ بسم اللہ کہہ کر جائے
تاکہ (اس کی وجہ سے) اس کی شرمگاہ اور جنات کے درمیان پردہ واقع ہو جائے۔
(یعنی جب کوئی شخص بسم اللہ کہہ کر بیت الخلاء جاتا ہے تو اس کا خاصہ یہ ہے کہ
جنات کی نظر اس کی شرمگاہ کی طرف نہیں جاتی۔ لہٰذا جب اس کی تاثیر یہ ہے کہ
یہ آیت انسان اور اُس کے دُنیاوی دشمن (جنات) کے درمیان پردہ بن جاتی ہے تو
امید ہے کہ یہ ایک مسلمان اور عذابِ عقبیٰ کے درمیان بھی یقیناً پردہ بن کر حائل
ہو گی۔ (تفسیر عزیزی)

۱۰۔ حضرت بشر حافیؒ نے ایک پرچہ کاغذ پر بسم اللہ لکھی ہوئی زمین پر پائی۔ اُس کو
اُٹھا لیا۔ اُن کے پاس سوائے دو درہم کے اور کچھ نہ تھا۔ خوشبو خرید کر اس پرچہ کاغذ
کو آپ نے معطر کیا۔ اس کے صلہ میں خواب کے اندر حق سبحانہ وتعالیٰ کی زیارت
نصیب ہوئی اور فرمایا: یَا بِشْرُ طَیَّبْتَ اِسْمِیْ لَاُطَیِّبَنَّ اِسْمَکَ فِی الدُّنْیَا
وَالْاٰخِرَۃِ (کتاب الداء والدواء للنواب صدیق حسن)، (تفسیر کبیر ص۱۱)۔

بسم اللہ کے خواص

۱۔ مجرباتِ دیربی مطبوعہ مصر ص۹ پر شیخ احمد دیربی کبیر فرماتے ہیں۔ بسم اللہ شریف
کے بعض خواص میں سے ایک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص محرم کی یکم تاریخ کو بسم اللہ شریف
ایک ورق پر بعدد ایکصد وتیرہ[۱۱۳] بار لکھ کر اپنے پاس رکھے تو پوری زندگی میں اس کو

ناخوشگوار واقعہ درپیش نہ ہو گا۔

۲۔ بعض صالحین سے منقول ہے کہ جو شخص بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو بارہ ہزار پڑھے اور
ہر ایک ہزار کے بعد دو رکعت نماز بھی بجا لاوے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر
درود بھیجے اور اس کے ساتھ حق تعالیٰ سے اپنی حاجت کا سوال کرے پھر اعادۂ
قرأت بسم اللہ کرے اور ایک ہزار کے بعد پھر دو رکعت نماز اور درود شریف پڑھ
کر طلب حاجت کرے۔ اسی طرح پڑھتا رہے۔ یہاں تک کہ بارہ ہزار عدد مذکور
پورے ہو جاویں۔ پس جو کوئی اس عمل کو کرے گا، حاجت اس کی جس طرح کی ہو گی
باذن اللہ پوری ہو گی۔ (مجرباتِ دیربی ص۹)

۳۔ جو شخص بسم اللہ شریف عدد جمل کبیر (۷۸۶) کے مطابق متواتر سات دن بہ نیت جس
امر کے پڑھے گا خواہ برائے جلب منفعت ہو یا برائے دفع مضرت یا برائے کاروبار ہو،
انشاء اللہ وہ مقصد پورا ہو گا۔ (مجرباتِ دیربی ص۹)

۴۔ خزینۃ الاسرار للنازلی میں لکھا ہے کہ جو شخص رات کو سوتے وقت اکیس[۲۱] دفعہ بسم اللہ پڑھکر
سوئے وہ تمام انسانی، شیطانی شرارتوں اور جن بھوت اور آگ سے محفوظ رہے گا۔

۵۔ مرگی والے کے کان میں اکتالیس مرتبہ دم کرنے سے وہ ہوش میں آ جاتا ہے۔

۶۔ درد یا جادو وغیرہ پر متواتر سات دن سو سو مرتبہ پڑھنے سے درد اور جادو
دُور ہو جاتے ہیں۔

۷۔ اتوار کی صبح سورج نکلتے ہوتے تین صد تیرہ دفعہ بسم اللہ اور سو[۱۰۰] دفعہ درود شریف
پڑھنے سے غیبی رزق کا دروازہ کھل جاتا ہے۔

۸۔ اکیس[۲۱] مرتبہ لکھ کر بچوں کے گلے میں ڈالنے سے بچہ تمام آفات و بلیات سے مامون
رہتا ہے۔ (خزینۃ الاسرار)

۹۔ صبح کے وقت اڑھائی ہزار مرتبہ چالیس[۴۰] دن پڑھنے سے دل میں اسرارِ غیبی اور
علم لدنی کے دروازے کھل جاتے ہیں۔

۱۰۔ جوکوئی بسم اللہ کو بعد مذکور (۷۸۶) بارکوزہ آب پر پڑھے، جس کو چاہے، پلادیوے تو اُس کو محبت زیادہ ہوگی اور اگر کوئی کند ذہن مُدت سات روز وقت طلوعِ آفتاب کے پیا کرے تو اُس کی بلادت وکُند ذہنی انشاء اللہ دُور ہوجائے گی اور جوکچھ سُنے گا یاد ہو جائے گا۔ (مجربات دیربی ص۶)

۱۱۔ اگر بسم اللہ اکسٹھ بار لکھی جاوے اور جس عورت کی اولاد زندہ نہ رہتی ہو وہ اس کو اپنے پاس بطورِ تعویذ کے رکھے۔ انشاء اللہ اس کی اولاد زندہ رہے گی، یہ امر مجرب و آزمودہ ہے۔ (مجرباتِ دیربی)

۱۲۔ اگر کوئی شخص بسم اللہ کو ایک سو ایک بار لکھ کر اپنے کھیت میں دفن کرے تو موجبِ سرسبزی کھیت و فراوانی غلّہ وحفاظت از جملہ آفات و باعث حصولِ برکت ہوگا۔ (مجربات دیربی ص۶)

۱۳۔ ایک مردِ صالح نے کہا کہ جوکوئی ساری بسم اللہ شریف چھ سو پچیس بار لکھ کر اپنے پاس رکھے گا۔ اللہ تعالے اس کو ہیبتِ عظیم دے گا۔ کوئی شخص اس کو ستا نہ سکے گا۔ باذن اللہ۔ شرجی کہتے ہیں۔ وجربت ذالک وصح وللہ الحمد۔

(کتاب الداء والدواء للنواب صدیق حسن خان ص۱۷)

۱۴۔ منقول ہے کہ فقیہ احمد مازانی کو بخار شدید لاحق ہوا۔ انہوں نے اپنے اُستاد عمرو بن سعید سے کہ وہ اُن کے گھر تشریف لائے تھے، حال بیان کیا۔ انہوں نے ایک تعویذ لکھ دیا اور کہا کہ اسے کھول کر نہ دیکھنا۔ کہتے ہیں کہ تعویذ باندھنے سے بخار فوراً جاتا رہا۔ اس کے بعد مَیں نے تعویذ کھول کر جو دیکھا تو اُس میں بسم اللہ کے سوا کچھ نہ لکھا تھا۔ مَیں سمجھا تھا کوئی عجیب وغریب نئی دُعا ہوگی۔ بسم اللہ کو کثرتِ استعمال کی وجہ سے ایسا عجیب الاثر نہ سمجھا، مجھے پھر بخار ہوگیا اور اس تعویذ نے اثر نہ کیا۔ حضرت استاد کے پاس پھر گیا اور حال بیان کیا۔ انہوں نے کہا کہ تم نے تعویذ کھول کر دیکھا

ہوگا۔ مَیں نے کہا ہاں! انہوں نے اور تعویذ لکھ کر اپنے ہاتھ سے باندھ دیا اور کہا اس تعویذ کو نہ دیکھنا۔ میرا بخار اسی وقت جاتا رہا۔ چند روز بعد مَیں نے اس تعویذ کو بھی کھول کر دیکھا۔ اس میں بھی بسم اللہ کے سوا کچھ نہ تھا۔ مجھے پھر بخار آیا اور اس تعویذ نے کچھ نفع نہ کیا۔ مَیں نے حضرت استاد کی خدمت میں عرض کی کہ مَیں نے توبہ کی ہے پھر ایسا کام نہ کروں گا۔ مجھے اور تعویذ دے دیں۔ حضرت نے اور تعویذ لکھ کر باندھ دیا بخار فوراً جاتا رہا۔ پھر مَیں نے اس تعویذ کو ایک برس کے بعد کھول کر دیکھا۔ اس میں بھی بسم اللہ کے سوا کچھ نہ تھا۔ تب اللہ تعالےٰ کے نام کی عظمت میرے دل میں آئی اور مَیں نے اللہ پاک کے نام کی بزرگی کا اقرار کیا۔ (وظیفہ کریمیہ مفتی عنایت احمد صاحب ص۷ واحسن البیان فی خواص القرآن ص۸۹، ص۹۰)۔

بسم اللہ کے مسائل

مسئلہ:۔ قرآن مجید کا یہ افتتاحی فقرہ بجز ایک سُورت کے ہر سُورت کی ابتداء میں دُہرایا گیا ہے۔ یعنی ۱۱۳ بار۔ اور سورۃ النمل کے اندر عبارت میں بطور آیت قرآنی بھی آیا ہے۔ (اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ) اس لیے اس کے جزوِ قرآن ہونے یا نہ ہونے کی بابت توکوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ البتہ گفتگو اس میں ہوئی ہے کہ آیا ہر سُورت کی ابتداء میں بھی اس کی حیثیت بطور ایک مستقل آیت کے ہے ؟

امام ابوحنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ نہیں ہے، بلکہ یہ سُورتوں کے درمیان بطور علامت فرق وتمیز کے اور شروع میں بطور افتتاحی فقرہ کے ہے اور امام مالکؒ کا بھی یہی مسلک ہے۔ قال مالکؒ وابوحنیفہؒ لیست فی اوائل السور بآیۃ وانما ھی استفتاح لیعلم بھا مبداءھا۔ (احکام القرآن لابن عربی ص۲ ج۱) اور امام ابوبکر جصاص رازیؒ نے احکام القرآن ص۶ ج۱ میں اس پر مفصل بحث فرمائی ہے اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کا خوب مدلل ومبرہن ہونا ثابت کیا ہے۔ طالبِ تفصیل

حضرات اس کی طرف مراجعت فرما سکتے ہیں۔

مسئلہ :- قرآن کی تلاوت شروع کرتے وقت اول اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم اور پھر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ پڑھنا سنت ہے اور درمیانِ تلاوت بھی سورۃ براۃ کے علاوہ ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا سُنت ہے۔

مسئلہ :- سُورۃ براۃ اگر درمیان تلاوت میں آجائے تو اس پر بسم اللہ نہ پڑھے اور اگر قرآن کی تلاوت سورۃ براۃ ہی سے شروع کر رہا ہے تو اس کے شروع میں اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھنا چاہیئے۔ (معارف القرآن ص۲ ج ۱ بحوالہ عالمگیریہ عن المحیط)

مسئلہ :- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قرآن مجید میں سورۃ نمل میں آیت کا جزء ہے اور ہر دو سورت کے درمیان مستقل آیت ہے۔ اس لیے اس کا احترام قرآن مجید ہی کی طرح واجب ہے۔ اس کو بے وضو ہاتھ لگانا جائز نہیں۔ (علیٰ مختار الکرفی وصاحب الکافی والھدایہ وشرح منیہ)۔

مسئلہ :- جنابت یا حیض و نفاس کی حالت میں اس کو بطور تلاوت پڑھنا بھی پاک ہونے سے پہلے جائز نہیں۔ ہاں کسی کام کے شروع میں جیسے کھانے، پینے سے پہلے بطورِ دُعا پڑھنا ہر حال میں جائز ہے۔ (معارف القرآن ص۲ ج ۱ بحوالہ شرح منیہ)

مسئلہ :- نماز کی پہلی رکعت کے علاوہ دوسری رکعتوں کے شروع میں بھی بسم اللہ پڑھنا چاہیئے کہ اس کے مسنون ہونے پر سب کا اتفاق ہے اور بعض روایات میں ہر رکعت کے شروع میں بسم اللہ پڑھنے کو واجب کیا گیا ہے۔ (شرح منیہ)

مسئلہ :- نماز میں سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ نہیں پڑھنی چاہیئے۔ خواہ جہری نماز ہو یا سری۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین سے ثابت نہیں ہے۔

(معارف القرآن ص۲ ج ۱ بحوالہ شرح منیہ)

اور لُباب الحدیث للسیوطی کی شرح تنقیح القول الحثیث ص۱ پر علامہ محمد بن عمر النووی الثنیؒ

ان مواقع کا کلام منظوم میں ذکر کیا ہے جہاں تسمیہ پڑھنا مسنون و مندوب ہے ۔

وتسمیۃ الرحمٰن جل جلالہ — لنا شرعت فاحرص علیھا واوصل

کذی الاکل والشرب اللذین تحملا — وغسل بہا حال الطھور لغاسل

وعند رکوب جاز فی الشرع فعلہ — علی البر او فی البحر ثم لداخل

الیٰ مسجد او بیتہ و للبسہ — ونزع واغلاق لباب المنازل

واطفاء مصباح ووطء حلیلۃ — لہ وصعود منبر خیر حامل

وتغمیض میت ثم فی اللحد جعلہ — خروج من المرحاض ثم لداخل

وعند ابتداء للطواف بکعبۃ — لہا شرف الرحمٰن تشریف عادل

وعند وضوء ثم عند تیمم — ونحر فواظب کالحبیب المواصل

وبعد صلوٰۃ اللہ ثم سلامہ — علی المصطفیٰ خیر الافاضل

ادب نمبر ۹

نیتِ تلاوت

وَمِنْهَا قِرَاءَةُ الْقُرْآنِ وَحَقُّهَا اَنْ يَنْوِيَ اِينَاسَ وَحْشَةِ الدُّنْيَا وَقَضَاءَ حَقِّ الشَّوْقِ اِلَى الْمَوْلٰى ، وَضَبْطِ اَحْكَامِ الْعُبُوْدِيَّةِ

عین العلم مع زین الحلم ص۹۱

ترجمہ:- اور از انجملہ اوراد کے ایک قرأتِ قرآن ہے اور اس کے آداب میں سے ایک ادب یہ ہے کہ تلاوتِ قرآن سے انس حاصل کر کے وحشتِ دُنیا دور کرنے کی نیت کرے۔ اور لقاءِ باری تعالےٰ کے شوق کا حق ادا کرنے کی نیت کرے۔ نیز احکامِ عبودیت سمجھنے اور اُن پر عمل کرنے کی نیت کرے۔

تشریح:- قرآن مجید کے باطنی آداب میں سے ایک ادب یہ بھی ہے کہ تلاوت کے وقت عالمِ آخرت اور اس کے درجاتِ عالیہ کو یاد کر کے دُنیا کے ہموم وغموم کو دُور کرنے کی نیت کرے۔ چنانچہ مُلا علی قاری اس کی شرح میں زین العلم ص۹۱ ج۲ پر فرماتے ہیں وحقها ای القرأة ان ینوی ایناس وحشة الدنیا ای بذکر العقبیٰ والدرجات الحسنیٰ[۱] اس موجودہ دُنیا میں بھی گو لذتیں اور مسرتیں ہیں۔ مگر یہاں کی ہر لذت عارضی اور ہر مسرت فانی ہے۔ یہاں خوشی کا کوئی ترانہ نہیں جس کے بعد غم و ماتم کا نالہ نہ ہو۔ یہاں ہر پھول کے ساتھ کانٹے، ہر روشنی کے ساتھ تاریکی، ہر وجود کے ساتھ فنا، ہر سیری کے بعد بھوک، ہر سیرابی کے بعد پیاس اور ہر غنا کے بعد محتاجی ہے۔ انسان ہزاروں مُشکلیں اٹھانے اور ہزاروں صدمے سہنے کے بعد ایک مسرت کا پیام سُنتا ہے اور خوشی کا منظر دیکھتا ہے۔ مگر ابھی

---

[۱] آخرت کے درجات کی ایک جھلک۔

اس سے سیر ہونے کی نوبت نہیں آتی کہ اس کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ غرض اس موجودہ عالمِ فانی کی ہر شئے آنی جانی ہے۔ یہاں کے شدائد و مصائب اور آلام بھی چند روزہ ہیں اور قرآنِ حکیم کے بیان کے مطابق مؤمنین کے لیے آخرت میں غیر فانی بادشاہی ہو گی۔

اُخروی زندگی کے پہلے ہی مرحلہ میں اور اوّل ہی وہلہ میں اُن کے لیے مغفرت، رحمت اور رضا اور رضوان کے پیغامات اور مستقبل کے لیے طرح طرح کی خوشخبریوں سے اُن کے قلوب خوشی و مسرت سے لبریز اور چہرے آثارِ فرحت سے چمکتے ہُوئے ہوں گے۔ بے مثال نعمتیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھیں نہ کسی کان نے سُنیں۔ نہ کسی قلب پر اُن کا خیال تک آیا۔ عیاناً اُن کے سامنے ہُوں گی۔ اُن کے یہ بہشتی باغات اور محلات سونے اور چاندی کی اینٹوں سے تعمیر شُدہ ہوں گے۔ اُن کے استعمالی سامان اور محلات کے فرنیچر جواہرات کی اعلےٰ سے اعلےٰ نوع اور شفاف سے شفاف جنس لعل و یاقوت اور زمرد و زبرجد وغیرہ سے تیار شدہ ہوں گے۔ اُن کے مخصوص محل سرائے کا ایک ایک محل ایک ایک سالم موتی سے بنا ہوا ہوگا۔ جن میں کہیں جوڑ نہ ہوگا۔ بادپا سواریاں جیسے اُڑنے والے گھوڑے، براق اور تختِ رواں اور رفرف وغیرہ ان کی سیر و سیاحت کے لیے مہیا ہوں گی۔

اُن کے محلات کے نیچے پاکیزہ اور شفاف پانی کی نہریں جاری ہوں گی۔ ان کے شہد و شراب اور دودھ وغیرہ جانوروں کی نجاست سے نہیں بلکہ قدرتی نہروں کے ذریعے شفاف اور پاک نہروں سے جاری ہوں گے۔ اُن کی غذائیں غیر متغیر، میوے ہزار ذوق، پھل پاک ترین، پرندوں کے لطیف گوشت اور ہر نوع کے فواکہ سے ہوں گے۔ ریشمی لباس، زر و جواہر کے برتن، طلائی تخت، موتیوں کے ہار، سونے کے کنگن، زمردین اور بلوری پیالے، زرّیں کمر غلام و خدام، حسین و مہ جبین بیگمات، جو ہر ظاہری، باطنی ناپاکی سے پاک اور ہر اخلاقی برائی سے بری ہوں گی۔ بدن نورانی اور اُن کے چہرے کی تابانی سے فضاء میں روشنی ہوگی۔ وہ میلہا میل کی مسافت سے بھی ستاروں کی طرح چمکیں گے۔ ان کی بلڈنگیں تہہ بہ تہہ اور

منزل بہ منزل لاتعداد ہوں گی۔ ہر روز نئے سے نیا انعام اُن کے سامنے آئے گا۔ ہر لمحہ نئی سے نئی بشارت اور خوش خبری سے اُن کے کان محظوظ اور دل لذت و حلاوت سے مسرور ہوں گے۔

ہر دروازے سے نورانی ملائکہ اُنہیں سلامیاں دیتے ہوں گے۔ خود رب العزت کی طرف سے بلاواسطہ اُنہیں سلام و پیام دیئے جائیں گے۔ اُن کے لیے سیرگاہیں اور تفریح گاہیں ہوں گی جن میں سب اہل جنت مل جل کر فرحت آمیز گفتگو اور تفریحی مشاغل میں معروف ہونگے۔ ہوائیں عطر بیز ہمہ وقت خوشگوار۔ ہر مکان راحت بخش، ہر نعمت غیر مختتم، ہر لذت غیر منقطع اور ہر قوت دائمی اور ترقی پذیر ہوگی۔ ان کے دلوں میں فکر و تشویش اور غم و الم کا تصور بھی نہ ہوگا۔ دل راحت سے پُر، دماغ عیش سے سرمست اور خیال علم و معرفت سے بھرپور ہوگا۔ ان کا کرو فر اور حشم و خدم بے شمار۔ اُن کا جاہ و جلال اور تزک و احتشام سلاطین سے کہیں اُونچا ہوگا۔ ان کا مُلک خیال کی وسعتوں سے بھی زیادہ ہوگا۔ اُن کے ادنیٰ سے ادنیٰ فرد کا مُلک دس دُنیا کے برابر ہوگا۔ اُنکی دعوتیں رب العزت کی طرف سے ہوں گی اُنہیں تکریمی اور اعزازی پارٹیاں دی جائینگی۔ اُن کا ہر روز روزِ عید ہوگا۔

ادب نمبر ۱۰

بوقتِ تلاوت حضورِ قلب

وَيُحْضِرُ الْقَلْبَ لِمَا سَبَقَ اَنَّهُ الْاَصْلُ وَبِهٖ فُسِّرَ مَا وَرَدَ يَا يَحْيٰي خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ (عین العلم)

ترجمہ: ساوہ قرآن مجید کی تلاوت کے باطنی آداب میں سے ایک یہ ہے کہ بوقتِ تلاوت قاری (قرآن) دل کو حاضر رکھے، بوجہ اس تحقیق کے جو پہلے گزر چکی ہے کہ اعمال میں یہی حضورِ قلب اصل ہے اور بعض مفسرین نے آیت یا یحییٰ خذ الکتاب بقوۃ کی تفسیر میں بقوۃ سے مراد حضورِ قلب لیا ہے۔

تشریح:۔ حضورِ قلب سے مراد یہ ہے کہ پڑھنے والا پورے دھیان اور توجہ سے پڑھے کہ میں خداوند تعالےٰ کا کلام پڑھ رہا ہوں۔ دل اس طرف کامل طور پر متوجہ ہو۔ اس میں اِدھر اُدھر کے خیالات نہ آنے پائیں۔ چنانچہ مُلا علی قاریؒ زین العلم شرح عین العلم ص ۲ ج ۱ پر آدابِ قرآن بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: وَ مَعَ هٰذَا فَلَا بُدَّ مِنْ حُضُوْرِ الْقَلْبِ وَشُعُوْرِهٖ بِكَلَامِ الرَّبِّ اھ۔

اور عارف باللہ امام شعرانی لواقع الانوار القدسیہ ص ۶۹۵ پر فرماتے ہیں:

اخذ علینا العهد العام من رسول الله صلى الله عليه وسلم ان لا نتهاون بترك الحضور مع الله تعالىٰ في صلاتنا و جميع طاعاتنا ولا بالخشوع فيها - لان روح كل عبادة هو الحضور۔ (ترجمہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے یہ عہد عام ہم سے لیا گیا ہے کہ ہم اپنی نماز و جملہ اطاعات میں توجہ الی اللہ اور خشوع کو قائم رکھیں۔ کیونکہ ہر عبادت کی جان حضورِ قلب اور توجہ الی اللہ ہی ہے۔

نیز لواقع الانوار ص ۶۹۹ پر ایک حدیث نقل فرماتے ہیں: روی الترمذی والدیلمی

مرفوعاً لایقبل اللہ تعالٰی من عبد حتی یشھد قلبہ مع بدنہٖ (ترجمہ) اللہ تعالٰی بندے کے کسی عمل کو قبول نہیں فرماتے جب تک کہ اس میں دل حاضر نہ ہو۔"

نیز لواقح الانوار القدسیہ مطبوعہ مصر بطبع جدید ص[illegible] پر فرماتے ہیں:

سمعت اخی افضل الدین یقول۔ من شرط الکامل فی الطریق انہ یکاد یذوب حیاء من اللہ تعالٰی اذا تلا کلامہ وان کان اللہ تعالٰی قد اذن فی تلاوتہ کلامہ للکبیر والصغیر ولکن من شرط العارف ان لا یتلو کلامہ الا بالحضور معہ تعالٰی لان قرأتہ کلامہ مناجاۃ لہ تعالٰی وکیف حال من یناجی رب الارباب وھو غافل، فو اللہ لو رفع الحجاب لذاب کل تال للقرآن کما اشار الیہ قولہ تعالٰی انا سنلقی علیک قولاً ثقیلاً۔ وقولہ تعالٰی لو انزلنا ھذا القرآن علی جبل لرایتہ خاشعاً متصدعاً من خشیۃ اللہ و ھٰھنا اسرار یذوقھا اھل اللہ تعالٰی لا تذکر الا مشافھۃ لاھلھا۔ اھ۔

(ترجمہ) میں نے اپنے بھائی افضل الدین کو فرماتے ہوئے سنا کہ صوفی کامل کے لیے یہ شرط ہے کہ اللہ تعالٰی سے بوجہ حیاء کے بوقت تلاوتِ کلامِ الٰہی متاثر اور گداختہ ہو جائے۔ گو اللہ تعالٰی نے ہر چھوٹے بڑے کو تلاوت کی اجازت دے رکھی ہے۔ مگر عارف باللہ کے لیے ضروری ہے کہ تلاوت کے وقت اس کو حضور مع اللہ نصیب ہو۔ اس لیے کہ کلام الٰہی کا پڑھنا گویا اللہ تعالٰی سے سرگوشی کرنا ہے اور کیا حال ہے اُس شخص کا جو رب الارباب سے بحالتِ غفلت سرگوشی کر رہا ہو۔ بخدا اگر پردے اُٹھا دیئے جائیں تو ہر تلاوت کرنے والا پگھل پڑے۔ جیسا کہ ان آیات میں اس کی طرف اشارہ موجود ہے (ارشادِ ربانی ہے) ہم عنقریب تم پر ایک بھاری فرمان نازل کریں گے (نیز ارشاد ہے) اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تم اُس کو دیکھتے کہ خدا کے خوف سے دبا اور پھٹا جاتا ہے اور یہاں ایسے مخفی اسرار ہیں جن کو اہل اللہ ہی جانتے ہیں۔ اور ان لوگوں کے ہی روبرو بیان کئے جا سکتے ہیں جو ان کے سمجھنے کی اہلیت رکھتے ہوں۔

اور علامہ بدر الدین عینیؒ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کے آدابِ عظمت میں سے ایک یہ ہے کہ اس کو نشاط، سرور، دل جمعی اور حضورِ قلب کے ساتھ پڑھا جاوے۔ اگر دل گرفتگی اور ملال محسوس ہونے لگے تو تلاوت کو موقوف کر دینا چاہیئے۔ کیونکہ اسکی شان

دل برداشتہ ہو کر پڑھنے سے بہت ہی بلند ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اقرءوا القرآن ما ائتلفت قلوبکم یعنی اقرأوا علیٰ نشاط منکم وخواطرکم مجموعۃ فاذا حصل لکم ملالۃ فاترکوا فانہ اعظم من ان یقرأہ احد من غیر حضور القلب کما فسرہ الطیبی اھ۔ (عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری ص۳۵ ج۹)

نیز ملا علی قاریؒ بھی مشکوٰۃ کی شرح مرقات ص۳ ج۵ پر لکھتے ہیں کہ تلاوت میں اسی وقت تک مصروف رہنا چاہیئے جب تک دل لگے اور دل نہ لگنے کی صورت میں تلاوت کا موقوف کر دینا ہی مناسب ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اقرءوا القرآن ما ائتلفت علیہ قلوبکم ای مادامت قلوبکم وخواطرکم مجموعۃ لذوق قرأتہٖ ذات نشاط وسرور علیٰ تلاوتہٖ فاذا اختلفتم ای اختلفت قلوبکم ومللتم و تفرقت خواطرکم وکسلتم فقوموا عنہ ای فاترکوہ قال ابن الملکؒ فانہ اعظم من ان یقرء بغیر حضور القلب۔ اھ۔

اہلِ ذوق حضرات کی تلاوت

ایک دفعہ کسی شخص نے ایک بزرگ سے دریافت کیا کہ جب آپ قرآن مجید پڑھتے ہیں تو کیا اس وقت دل میں دُوسرے خیالات آتے ہیں؟ اس بزرگ نے فرمایا کہ کونسی چیز ایسی ہے جو خدا تعالٰی کے کلام سے زیادہ محبوب ہے جس کی طرف خیال جائے۔ سبحان اللہ! کیسے کیسے لوگ تھے کہ اپنے محبوب کا کلام پڑھنے میں ایسے محو ہو جاتے تھے کہ دُنیا و مافیہا کی خبر نہ رہتی تھی اور بعض بزرگانِ دین سے منقول ہے کہ جب وہ کوئی سورت پڑھتے اور خیال اس وقت کسی دوسری طرف چلا جاتا تو اس سورۃ کا اعادہ کرتے تھے۔ اور حجۃ الاسلام امام غزالیؒ کیمیائے سعادت مطبوعہ مجتبائی ص۱۰ پر فرماتے ہیں کہ قرآن پڑھتے وقت دل کو حاضر رکھے۔ غافل نہ ہو اور نفسی خیالات سے دل پراگندہ نہ کرے اور دھیان نہ بٹائے اور توجہ نہ ہٹائے۔

اور جتنا غفلت سے پڑھ چکا ہے۔ اس کو بے پڑھا سمجھے اور از سرِ نو پڑھے۔

تلاوت میں لطف و نشاط پیدا کرنے کا طریقہ

حکایت: ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں قرآن مجید پڑھتا تھا، مگر مجھے کچھ لطف و سرور نہیں آتا تھا۔ جب میں نے یہ فرض کر لیا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُن رہا ہوں تو مجھے لطف آنے لگا۔ پھر میں نے یہ فرض کر لیا کہ میں جبریل علیہ السلام سے سُن رہا ہوں تو اور زیادہ لذت پانے لگا۔ پھر میں آگے بڑھا اور بڑے مرتبہ پر پہنچا اور اب ایسا پڑھتا ہوں کہ گویا بے واسطہ حق تعالےٰ سے سُنتا ہوں اور ایسی لذت پاتا ہوں کہ اس سے پہلے کبھی نہیں پائی۔ (زین العلم شرح عین العلم ص۹۲ ج۱ و کیمیائے سعادت ص۱۸۸)

اور علامہ اسماعیل حنفی افندی تفسیر روح البیان میں فرماتے ہیں: فالواجب ان یعلم مقدار مایصح به النظم والمعنیٰ و یتوغل فی الاخلاص وحضور القلب۔

لعنت است ایں کہ بہر لہجہ و صوت — شود از تو حضور خاطر فوت

فکر حسنِ غنا برد ہوشت — متکلم شود فراموشت

(روح البیان ص۲۴۸ ج۱۰ سورۃ مزمل)

ادب نمبر ۱۱

بوقتِ تلاوت ترسیل و ترتیل کو ملحوظ رکھنا

وَمِنْ حُرْمَتِهٖ اَنْ یَّقْرَاَهٗ عَلٰی تَرْسِیْلٍ وَّتَرْتِیْلٍ (تفسیر قرطبی)

ترجمہ:۔ ”اور قرآن مجید کے آدابِ عظمت میں سے ایک یہ ہے کہ قرآن مجید کو ترسیل اور ترتیل کے ساتھ پڑھے۔“

تشریح:۔ ترسیل کہتے ہیں الفاظ کو لطافت کے ساتھ پڑھنا اور ہر حرف کو اسی طرح پورا پورا ادا کرنا جیسا اس کا حق ہے اور حرف چبا کر پڑھنے سے بچنا۔ (التحفۃ المرضیہ ص۵۱)

ترتیل کے لفظی معنی کلمہ کو سہولت اور استقامت کے ساتھ منہ سے نکالنے کے ہیں۔ الترتیل ارسال الکلمۃ من الفم بسهولة و استقامة۔ (مفردات راغب و تفسیر مظہری ص۱۰۲ ج۱۰)

اور امام ابو بکر رازیؒ فرماتے ہیں کہ ترتیل کہتے ہیں قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر عمدہ طریقے سے پڑھنا۔ یعنی ایک ایک حرف نمایاں کر کے اس طرح پڑھنا کہ سامعین کو خوب سُنائی دے اور سمجھ میں آجائے۔ (احکام القرآن ص۵۲۶ ج۳ ہکذا فی روح المعانی ص۱۰۲ ج۲۹ مطبوعہ مصر بطبع جدید)۔

اور علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ عمدۃ القاری ص۴۲ ج۹ پر فرماتے ہیں:

ھو تبیین حروفها والتأنی فی ادائها لتکون ادعیٰ الی فهم معانیها وقیل الترتیل تبیین الحروف و اشباع الحرکات اھ

یعنی حروف کو نمایاں کر کے ٹھہر ٹھہر کر اس انداز سے پڑھنا کہ ان کے معنے سمجھ میں آسکیں کو ترتیل کہتے ہیں۔ اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ حروف کو اپنے مخارج سے صحیح اور نمایاں کر کے پڑھنا اور حرکتوں میں اشباع کرنا (یعنی زبر، زیر، پیش کو اچھی طرح سے ظاہر کر کے) کو ترتیل کہتے ہیں۔

ترتیل کی اہمیت

قرأت قرآن میں ترتیل مسنون ہے۔ یعنی تیز رواں دواں نہ بلکہ آہستہ آہستہ ٹھہر ٹھہر کر ایک ایک لفظ نمایاں کر کے پڑھنا چاہیئے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالےٰ ہے :-

وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا - یعنی قرآن کو صاف صاف پڑھیئے۔

اور خود سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تلاوتِ قرآن مجید کے وقت ترتیل کا بڑا خیال فرماتے تھے۔

احادیثِ طیبہ

حدیث ۱ :- حضرت ام سلمہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت کے متعلق فرماتی ہیں کہ آپ بڑی وضاحت کے ساتھ ایک ایک حرف نمایاں کر کے پڑھا کرتے تھے۔

(ابوداؤد)

حدیث ۲ :- حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت کی بابت پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ آپؐ کی قرأت کششِ صوت کے ساتھ ہوتی تھی۔ پھر انہوں نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو پڑھ کر سنایا اور اللہ، الرحمٰن، الرحیم سب کو مد کے ساتھ پڑھا۔ (بخاری)

حدیث ۳ :- حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ ان سے کسی شخص نے کہا کہ میں قرآن مفصل کو ایک ہی رکعت میں پڑھا کرتا ہوں۔ حضرت ابن مسعودؓ نے کہا اس طرح جس طرح اشعار کو جلد جلد پڑھ جاتے ہیں؟ بیشک بہت سے لوگ ایسے ہیں جو قرآن کو پڑھتے ضرور ہیں مگر وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترتا۔ کاش! اگر قرآن دل میں اترتا اور اس میں جم جاتا تو فائدہ بھی دیتا۔ (بخاری ومسلم)

حدیث ۴ :- حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اگر میں سورۃ اِذَا زُلْزِلَتْ اور اَلْقَارِعَۃ یعنی چھوٹی سورتیں تلاوت کروں تو اس کو اس سے زیادہ بہتر سمجھتا ہوں کہ سورۃ بقرہ اور سورۃ آل عمران جیسی بڑی بڑی سورتوں کو فرفر کر کے پڑھ جاؤں۔

(زین الحلم شرح عین العلم ص۹۳ ج۱)

حدیث ۵ :- نیز حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں اگر میں سورۃ بقرہ اور سورۃ آل عمران کو ترتیل کے ساتھ تلاوت کروں تو اس کو اس سے زیادہ بہتر سمجھتا ہوں کہ پورے قرآن مجید کو فرفر کر کے پڑھ جاؤں۔ (زین الحلم ص۹۳ ج۱)

حدیث ۶ :- حضرت عبداللہ بن عمروؓ بن العاص سے مرفوعاً مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (قیامت کے دن بہشت میں داخل ہوتے وقت) کہا جائے گا کہ تو قرآن پڑھتا جا اور (بہشت کے درجوں پر) چڑھتا جا اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھ جیسا کہ تو دنیا میں ٹھہر ٹھہر کر پڑھتا تھا۔ پس تیری منزل اس آخری آیت پر ہوگی جسے تو پڑھے گا۔

(ترمذی، ابوداؤد)

حدیث ۷ :- اور حملۃ القرآن میں آجری نے حضرت ابن مسعودؓ کا یہ قول نقل کیا ہے۔ آپ نے فرمایا نہ تو تم اس کو بادبان کشتی کی طرح پھیلاؤ اور نہ شعر کی طرح سمیٹو۔ اس کی عجیب و غریب باتوں کے پاس ٹھہرو اور دل کو حرکت دو اور غور کرو اور آخر سورت تک پڑھنے کی فکر نہ کرو۔ (اتقان ص۱۰۶ ج۱، تفسیر مظہری ص۱۱۰ ج۱۰، روح المعانی ص۱۰۴ جزء ۲۹)۔

مسئلہ :- آجری نے کتاب مہذب کی شرح میں لکھا ہے۔ علماء نے زیادہ تیزی کے ساتھ قرآن پڑھنے کو بالاتفاق مکروہ قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ ایک پارہ کی تلاوت ترتیل کے ساتھ بغیر ترتیل کے دو پارے پڑھ لینے سے بدرجہا افضل ہے۔

(اتقان ص۱۰۶ ج۱ مطبوعہ مصر)

مسئلہ :- کتاب النشر میں لکھا ہے۔ اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا ترتیل کے ساتھ کم پڑھنا افضل ہے یا جلدی زیادہ پڑھنا۔ ہمارے بعض اماموں نے بہت صحیح فرمایا ہے کہ ترتیل کا ثواب مرتبہ میں بڑھا ہوا ہے اور زیادہ پڑھنے کا ثواب مقدار و تعداد میں زیادہ ہے۔ اس لیے کہ ہر حرف کے عوض دس نیکیاں ملتی ہیں۔ (اتقان ص۱۰۶ ج۱ مطبوعہ مصر)

قولِ فیصل

مُلّا علی قاری مرقات شرح مشکوٰۃ ص۱۱ ج۵ مطبوعہ ملتان میں جزری کی کتاب النشر کی عبارت مذکورہ بالا نقل فرمانے کے بعد لکھتے ہیں۔

ولا شك ان اعتبار الكيفية اولیٰ من اعتبار الكمية اذ جوهرة واحدة تعدل الوفا من الدراهم والدنانير۔ اھ۔

یعنی اس میں کوئی شک نہیں کہ کمیت (مقدار) کی بنسبت کیفیت کا لحاظ کرنا ہی افضل ہے۔ کیونکہ دیکھئے ایک موتی ہزارہا دراہم و دینار کے برابر ہوتا ہے۔ پس ثابت ہُوا کہ ترتیل کے ساتھ تھوڑا پڑھنا بہ نسبت بلا ترتیل رواں دواں زیادہ پڑھنے کے ثواب میں بدرجہا زائد ہے۔

وجوہ استحبابِ ترتیل

قرآن مجید کو ٹھہر ٹھہر کر عمدہ طریقے سے پڑھنا چاہیئے۔ کیونکہ فہم معانی اسی پر موقوف ہے اور تعظیم قرآن اور اُس کی جلالتِ شان کے پیشِ نظر نیز دل پر اثر انداز ہونے میں یہ طریقہ تلاوت زیادہ بہتر ہے اور ترتیل کے ساتھ قرآن پڑھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ اور تابعین سے مروی ہے۔ چنانچہ عین العلم ص۵۵ ج۱ پر ہے :-

ویرتل لتوقف التدبر علیه وکونه اقرب الی التعظیم والتاثیر و

هو المروی۔ اھ۔ (هکذا فی تفسیر المظهری ص۱۰۵ ج۱۰)۔

اور امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اتقان ص۱۰۶ ج۱ پر اور امام زرکشی البرہان ص۴۶۴ ج۱ پر فرماتے ہیں :-

قالوا واستحباب الترتیل للتدبر لانه اقرب الی الاجلال والتوقیر واشد تاثیرا فی القلب ولهذا یستحب للاعجمی الذی لا یفهم معناه۔ انتهٰی۔

ترجمہ :- علماء فرماتے ہیں کہ ترتیل کے مستحب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ قاری قرآن کے مطالب پر غور کرے۔ نیز ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا تعظیم و توقیر کی علامت ہے اور نیز یہ طریقہ دل پر بھی خوب اثر انداز ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے عجمی شخص کے لیے بھی جو قرآن کے معنی نہیں سمجھتا ترتیل مستحب ہے۔

تنبیہ

آج کل جو یہ رسم چل پڑی ہے کہ لوگ پُورا قرآن مجید ایک دن میں ختم کرنے کو یا زیادہ تیز تیز پڑھنے کو فخر اور کمال سمجھتے ہیں۔ یہ اُن کی نادانی اور قرآن کی حق ناشناسی ہے۔ تراویح میں بعض حفاظ حضرات اس قدر تیزی سے پڑھتے ہیں کہ مد کا ادا ہونا تو بڑی بات ہے۔ یَعْلَمُوْنَ ، تَعْلَمُوْنَ کے سوا کسی لفظ کا پتہ بھی نہیں چلتا۔ حالانکہ اس طرح قرآن مجید کا پڑھنا سخت گناہ ہے۔

چنانچہ حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں :-

" ایک کوتاہی یہ ہے کہ اس کی تلاوت کے وقت اس کے آداب کا لحاظ نہیں کیا جاتا۔ نہایت بے دلی سے، بے رغبتی سے، بے عظمتی سے جتنا پڑھنا ہُوا جھٹ پٹ بوجھ سا اُتار کر نام کرکے اُٹھ کر چلتے ہُوئے۔ بالخصوص رمضان میں تو بعض حفاظ

ایسا پڑھتے ہیں کہ قرآن کے حقوق بھی فوت ہوتے ہیں اور مقتدیوں کے حقوق بھی ۔اھ

(اصلاحِ انقلابِ امت ص۲۵ مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی)

وفی سلسلۃ الذہب للمولیٰ جامیؒ ؎

؎ حرف ارکن حواس جسمانی — وقف ارکن قویٰ روحانی
دل بمعنے زبان بلفظ سپار — چشم برخط و نقط و عجم گزار
گوش از و معدن جواہر کن — ہوش از و مخزن سرائر کن
در اداش مکن زبان کج مج — حرفہاش ادا کن از مخرج
دور باش از تسنک و تعجیل! — کام گیر از تامل و ترتیل

(منقول از تفسیر روح البیان ص۲۳ سورۃ مزمل)

ادب نمبر ۱۲

مخارج حروف وصفات لازمہ کا لحاظ رکھنا

وَمِنْ حُرْمَتِهٖ اَنْ يُّؤَدِّيَ لِكُلِّ حَرْفٍ حَقَّهٗ مِنَ الْاَدَاءِ حَتّٰى يَبْرُزَ الْكَلَامُ بِاللَّفْظِ تَمَامًا فَاِنَّ لَهٗ بِكُلِّ حَرْفٍ عَشْرَ حَسَنَاتٍ

(تفسیر قرطبی)

ترجمہ :۔ اور قرآن مجید کے آدابِ عظمت میں سے ایک یہ ہے کہ قرآن مجید کے ہر ہر حرف کے حقِ ادار (یعنی مخارج وصفات لازمہ) کو ملحوظ رکھ کر ادا کرے۔ یہاں تک کہ کلام پورے الفاظ کے ساتھ نکلے ۔ اس لیے کہ قاری کے لیے ہر حرف کے بدلے دس نیکیاں ہیں ۔

(قرآن کا تجوید سے پڑھنا بالتواتر ثابت ہے) ۔

تشریح :۔ علامہ احمد رومیؒ مجالس الابرار میں امام ابن جوزیؒ سے نقل فرماتے ہیں کہ بے شک امت کا جس طرح قرآن کے معانی سمجھنا اور اس کے حدود قائم رکھنا عبادت ہے۔ اسی طرح اس کے الفاظ کا صحیح پڑھنا اور حروف کو اس طرح سے ٹھیک ادا کرنا بھی عبادت ہے جو ائمہ قرأت سے منقول اور آنحضرتؐ تک سلسلہ بہ سلسلہ متصل ہے ۔ (مجلس ۴۶)

اور علامہ ابن خلدون فرماتے ہیں یہ قرأت وتجوید سلفاً بعد سلفٍ منقولہ چلی آرہی ہے۔ اور انہوں نے اپنے مقدمہ میں ایک مستقل باب قرأت کے متعلق باندھا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ جو لوگ قرأت کے تواتر کو نہیں مانتے وہ غلطی پر ہیں کیونکہ جیسے قرآن متواتر ہے۔ ایسے قرأت بھی متواتر ہے اور اسی طرح چلتی ہوئی ہم تک پہنچی ہے۔ (مقدمہ ابن خلدون اردو)

اور علامہ محمد نصر مکی فرماتے ہیں: قد اجتمعت الامۃ المعصومۃ عن الخطاء علی وجوب التجوید من زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی زماننا ولم یختلف فیہ احد منھم وھذا من اقوی الحجج اھ ۔ ترجمہ :۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر آج تک تمام امت وجوبِ تجوید پر متفق ہے۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں اور اختلاف کا نہ ہونا اسکی

فرضیت ووجوب کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

اور امام محمد بن الجزریؒ اپنے مقدمہ جزریہ میں فرماتے ہیں :-

والاخذ بالتجوید حتم لازم — من لم یجود القران اثم

لانہ بہ الالہ انزلا — وھکذا منہ الینا وصلا

ترجمہ : اور علم تجوید کا حاصل کرنا اور سیکھنا ضروری ہے۔ جو شخص قرآن کو تجوید سے نہ پڑھیگا وہ گناہگار ہوگا۔ اس لیے کہ تجوید کے ساتھ اللہ نے قرآن پاک کو نازل کیا ہے اور اسی طرح ہم تک (تواتر کے ساتھ) خدائے پاک سے پہنچا ہے۔

اور مؤلف التحفۃ المرضیہ فی شرح المقدمۃ الجزریہ، ان اشعار کی تشریح میں ص۶۹ پر فرماتے ہیں :-

اس شعر میں مصنفؒ نے وجوب تجوید کی دلیل بیان کی ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ قرآن اللہ تعالےٰ کی کتاب ہے اور بغیر کسی تغیر و تبدل کے بالکل اسی طرح جس طرح مہبط وحی صاحب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی، سند کے ساتھ ہم تک پہنچی ہے۔ قرآن کے حرکات و سکنات اور حروف و کلمات جس طرح بجنسہٖ آج تک محفوظ ہیں اور ان میں ذرا سا بھی تغیر نہیں ہوا ہے۔ اسی طرح طرق ادا بھی محفوظ ہیں اور تواتر کے ساتھ منقول ہیں اور اس کی دلیل کہ اللہ پاک نے تجوید کے ساتھ نازل فرمایا ہے، یہ ہے کہ قرآن شریف میں جگہ جگہ قرآن کو عربی زبان میں بتایا ہے اور تجوید صحیح عربیت ہی کے مطابق پڑھنے کا نام ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم افصح العرب اور سب سے بڑے مجود تھے۔ بالتواتر اور بالتوارث آپ کے تلاوت فرمانے کے طرق اور ہم تک کابرًا عن کابر حضرات صحابہ کرام و تابعین عظام و ائمہ قرآت و اصحاب روایت و درایت کے ذریعے پہنچے ہیں۔ جو شخص قرآن کو خلافِ تجوید پڑھتا ہے، غلط پڑھتا ہے اور اسکی تلاوت، تلاوت نبویؐ کیخلاف ہے۔

بہت سے لوگوں سے جب تجوید کے مطابق صحیح پڑھنے کو کہا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ علم تجوید تو اب نکلا ہے پہلے کہاں تھا ؟ یہ ان لوگوں کی جہالت ہے۔ قرآن کا نزول ہی تجوید کے ساتھ ہے، پھر تجوید نئی چیز کیوں کر ہوگئی ؟ قرآن شریف میں جہاں ط ہے وہاں ت یا تو سے پڑھنا اور ث کی جگہ س پڑھنے کو کسی طرح جائز نہیں کہہ سکتے۔ ہاں لحن خفی سے بچنے کی صورتوں کو ہر شخص کے لیے واجب قرار نہیں دیں گے۔ انتہےٰ۔

تجوید کی ضرورت اور حقیقت کا بیان

پس قرآن مجید کو تجوید اور صحتِ لفظی کے ساتھ پڑھنے کے مؤکد اور ضروری ہونے میں کیا شک ہوسکتا ہے جبکہ اس کا ضروری ہونا کتاب وسنّت و اجماع اُمّت تینوں قسم کے دلائل شرعیہ سے ثابت ہے۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے :- وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا (سورۃ الفرقان آیت ۳۲) یعنی ہم نے قرآن مجید کو ترتیل کے ساتھ نازل کیا۔

نیز ارشادِ خداوندی ہے :- وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا (مزمل آیت ۴)۔

ترجمہ : اور کھول کھول کر پڑھ قرآن کو صاف۔

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ ترتیل کی تعریف یُوں فرماتے ہیں :-

الترتیل ھو تجوید الحروف ولمعرفۃ الوقوف۔ — یعنی ترتیل جودتِ الفاظ اور معرفت وقوف کا نام ہے۔

اور ارشادِ نبویؐ ہے :-

ان اللہ یحب ان یقرء القراٰن کما انزل۔ — یعنی باری تعالےٰ پسند فرماتے ہیں کہ قرآن اسطرح پڑھا جائے جسطرح اتارا گیا ہے۔

اور علامہ محمد نصر مکی فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر آج تک تمام اُمّت وجوبِ تجوید پر متفق ہے۔

تجوید کی تعریف :- مُلّا علی قاریؒ فرماتے ہیں : تجوید القرآن ھو تحسین

الفاظہ باخراج الحروف من مخارجھا۔ یعنی تجوید قرآن سے مراد انا کو خوب صورتی کے ساتھ ادا کرتے ہوئے مخارج کا لحاظ رکھنا۔ (منحۃ الفکریہ صـ)

تجوید کہتے ہیں ہر حرف کو اُس کے مخرج سے نکالنا اور اس کی صفات کو ادا کرنا۔

(جمال القرآن)

تجوید:- اصلاح قراء میں ہر حرف کو اس کے مخرج مقررہ سے تمام صفات (لازمہ وعارضہ) کے ساتھ بغیر کسی تکلف اور تصنع کے سہولت سے ادا کرنے کو تجوید کہتے ہیں۔

(معارف التجوید صـ۳۶)

وجوبِ تجوید کی تفصیل

علمِ تجوید کا حاصل کرنا فرض کفایہ ہے اور اس پر عمل کرنا ہر مسلمان مرد وزن پر فرض عین ہے۔ چنانچہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: ثم ھذا العلم لاخلاف فی انہ فرض کفایۃ والعمل بہ فرض عین۔ (منحۃ الفکریہ)

اور امام جزریؒ فرماتے ہیں چونکہ قرآن بالتجوید اُترا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ تلاوت قرآن سے پہلے قواعد قرأت معلوم کئے جاویں۔

اذ واجب علیھم محتم — قبل الشروع اوّلا ان یعلموا

مخارج الحروف والصّفات — لیلفظوا بافصح اللغات

توضیح مگر یہ ملحوظ رہے کہ تجوید کے بعض اجزاء کا اہتمام فرض ہے اور بعض کا مستحب۔ چنانچہ مخارج اور صفاتِ لازمہ کا اہتمام فرض ہے اور صفاتِ عارضہ کی رعایت مستحب کے درجہ میں ہے۔ کیونکہ اول کے ترک سے لحن جلی اور فسادِ معنٰی لازم آتا ہے اور ثانی کے ترک سے صرف لحن خفی مگر عرفاً دونوں ہی ضروری ہیں۔ (توضیحات مرضیہ، حاشیہ فوائد مکیہ صـ۶)۔

تجوید کے جملہ اصول وفروع کا علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر واجب نہیں۔ البتہ اُمت پر یہ اَمر فرض کفایہ ہے کہ اپنے اندر ایسے قراء و مجودین باقی رکھیں اور مسلسل تیار کرتے رہیں جو تجوید وقرأت کے پورے مسائل واحکام سے واقف ہوں۔ اور اگر واجب سے علی العین مراد لیں تو یہ بھی صحیح ہوگا۔ لیکن اس صورت میں تجوید کے جملہ مسائل مراد نہ ہوں گے بلکہ وہ مسائل وفروع مراد لیے جائیں گے جن کی نگہداشت نہ رکھنے سے لحن جلی پیدا ہو جاتا ہے۔ الخ

(التحفۃ المرضیہ شرح مقدمہ جزریہ صـ۴۵)

فنِ تجوید کی اہمیت

اس فن کا سیکھنا تو عجمیوں کے لیے خصوصاً بہت اہم ہے۔ کیونکہ عربی سے عدم واقفیت کی بناء پر حروف میں فرق وامتیاز نہیں ہو سکتا۔ پھر عربی زبان بھی ایسی ہے جس میں صوت اور آواز بدلنے سے معنٰے بھی بدل جاتا ہے۔ جیسے ضلال بالضاد کے معنٰی ہیں گمراہی کے اور اگر یہی لفظ ضلال ظاء کے ساتھ ہو تو ظلال کے معنٰے ہیں سایہ۔ اسی طرح ضرب اگر ضاد کے ساتھ ہو تو اس کے معنٰے ہیں چلنا اور مارنا اور اگر زاء کے ساتھ ہو تو زرب کے معنٰے ہیں جانوروں کا باڑہ میں داخل کرنا۔ اسی طرح وثق اگر ثاء کے ساتھ ہو تو اسکے معنٰے ہیں بھروسہ کرنا اور اگر وسق، سین کے ساتھ ہو تو ایک معروف پیمانے کے معنٰے ہو جاتے ہیں۔ یہ اور اس قسم کے سینکڑوں الفاظ ایسے ہیں جن کی آواز ہی بدلنے سے معنٰے میں تبدیلی ہو جاتی ہے۔ اسی طرح زبر، زیر کے بدلنے سے معنٰے بھی بدل جاتے ہیں۔ مثلاً مَلِكٌ بکسرہ لام ہو تو اس کے معنٰے ہیں بادشاہ۔ اور اگر یہی لفظ بفتحہ لام ہو تو معنٰے ہیں فرشتہ۔ اور اگر یہی لفظ بضمہ میم اور سکون لام مُلْكٌ تو اس کے معنٰے مملکت بن جاتے ہیں۔ اسی طرح اَنْعَمْتَ بکسرہ تاء واحد مذکر مخاطب کے لیے ہے اور لفظ سب جگہ واحد مؤنث مخاطب کے لیے ہے اور اَنْعَمْتُ بضمہ تاء واحد متکلم کے لیے۔

غور کیجئے! لفظ سب جگہ ایک ہی ہے۔ لیکن زبر زیر کے بدلنے سے معنے بھی بالکل زیر و زبر ہو کر رہ گئے ہیں۔ ان تمام چیزوں سے وقوف پیدا کرنے کے لیے فنِ قرأت کا سیکھنا ضروری ہے۔

خلافِ تجوید پڑھنے کا حکم

فائدہ : تجوید کے خلاف پڑھنا یا غلط پڑھنا یا بے قاعدہ پڑھنا لحن کہلاتا ہے اور یہ دو قسم پر ہے :-

۱۔ ایک یہ کہ ایک حرف کی جگہ دُوسرا حرف پڑھ دیا جائے۔ جیسے اَلْحَمْدُ کی جگہ اَلْهَمْدُ پڑھ دیا جائے یا ث کی جگہ ص پڑھ دیا یا ح کی جگہ ھ پڑھ دی۔ یا ذ کی جگہ ز پڑھ دی یا ص کی جگہ س پڑھ دیا۔ یا ض کی جگہ د یا ظ پڑھ دی۔ یا ظ کی جگہ پر ز پڑھ دی یا ع کی جگہ ہمزہ پڑھ دیا۔ اور ایسی غلطیوں میں اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ بھی مُبتلا ہیں۔

۲۔ یا کسی حرف کو بڑھا دیا جیسے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ میں دال کی پیش کو اور ہ کی زیر کو اس طرح کھینچ کر پڑھا۔ اَلْحَمْدُوْ لِلّٰهِیْ ۔

۳۔ یا کسی حرف کو گھٹا دیا جیسے لَمْ یُوْلَدْ میں واؤ کو ظاہر نہ کیا اور اس طرح پڑھا لَمْ یُلَدْ ۔

۴۔ یا زبر، زیر، پیش، جزم میں ایک کو دُوسرے کی جگہ پڑھ دیا جیسے اِیَّاكَ کے کاف کا زیر پڑھ دیا۔ اِھْدِنَا میں ھ سے پہلے اس طرح زبر پڑھ دیا اَھَدِنَا۔ یا اَنْعَمْتَ کی میم پر اس طرح حرکت پڑھ دی اَنْعَمَتَ یا اور اسی طرح سے کچھ پڑھ دیا۔ ان غلطیوں کو لحن جلی کہتے ہیں اور یہ حرام ہے۔

۵۔ دُوسری قسم کی یہ ایسی غلطی تو نہیں کی، لیکن حرفوں کے تحسین ہونے کے جو قاعدے

مقرر ہیں اُن کے خلاف پڑھا۔ جیسے ر پر جب زبر یا پیش ہوتا ہے اُس کو پُر یعنی مُنہ بھر کر پڑھا جاتا ہے۔ جیسے اَلْقَدْرِ ا ط کی راء، مگر اُس نے باریک پڑھ دیا اس کو لحن خفی کہتے ہیں۔ یہ غلطی پہلی غلطی سے ہلکی ہے، یعنی مکروہ ہے۔ لیکن بچنا اس سے بھی ضروری ہے۔

(ماخوذ از جمال القرآن)

تجوید سے بے اعتنائی ایک بڑی کوتاہی ہے

حضرت حکیم الاُمت مولانا تھانوی قدس سرہٗ اپنی کتاب اصلاح انقلاب امت ص ۱۰۸ ،۱۸۹ پر فرماتے ہیں :-

" تیسری کوتاہی یہ ہے کہ بعض دو اما بھی پڑھتے ہیں۔ مگر اس کی تصحیح کی طرف اصلاً توجہ نہیں فرماتے۔ نہ مخارج کی خبر نہ صفات کا اہتمام نہ نقص و زیادت سے تحاشی۔ کوئی صاحب ض کو صاف مخرج ظ سے ادا کرتے ہیں اور کوئی صاحب مخرج د سے۔ اور ث، س، ص میں اُن کے نزدیک کوئی فرق ہی نہیں اور الف کے موقع پر نرا فتح پڑھنا اور فتح کی جگہ الف ملا دینا بعض کی عادت ہو گئی ہے۔ نہ بے موقع وقف کر دینے سے اجتناب کیا جاتا ہے حالانکہ اس سے بعض مواقع پر فسادِ معنے لازم آتا ہے۔ اگر سانس ٹُوٹنے سے اس کی طرف مضطر ہو تو ایسا کرے کہ جس لفظ پر وقف کیا ہے اس کا پھر آگے پڑھنے میں اعادہ کرے۔ البتہ وصل سے ایسا فساد لازم نہیں آتا۔

نہایت افسوس سے کہا جاتا ہے کہ اس کوتاہی میں اہلِ علم کا نمبر غیر اہلِ علم سے کچھ بڑھا ہُوا ہے۔ حتیٰ کہ ایک صاحب سورۃ الناس میں مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ کو اس طرح پڑھتے ہیں مِنَ الْجِنَّاتِ وَالنَّسُ۔ پھر بعضے ان میں مساجد کے امام ہوتے ہیں۔ ان کی غلطی کا اثر دُوسروں تک بھی دو طور پر پہنچتا ہے۔ ایک یہ کہ اگر کوئی مقتدی صحیح خوان ہو تو اس کی نماز ایسے امام صاحب کے پیچھے نہیں ہوتی۔ چونکہ غلط خوان کا حکم صحیح خوان کی نسبت سے

اُمّی کا سا ہے بہ نسبت قاری کے۔ اس لیے اس خاص صورت میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ نہ امام کی نماز ہوتی ہے اور نہ مقتدیوں کی، یہ کتنی بڑی تباہی کی بات ہے۔

اور ہر چند کہ تجوید کے وجوب میں کلام طویل اور مقتضی تفصیل ہے۔ مگر اس قدر میں کسی کو کلام نہیں کہ جس قسم کی غلطیوں کا ذکر اُوپر ہُوا ہے اُن کی تصحیح واجب العین ہے۔ جب تک کہ عدم قدرت و عدم مساعدت لسان متعین نہ ہو جائے۔ جس کی موٹی دلیل یہ ہے کہ بدوں اس قدر تصحیح کے قرآن کی عربیت باقی نہیں رہتی اور عربیت لوازم قرآن سے ہے۔ پس اس کے نہ رہنے سے قرآن، قرآن نہ رہے گا۔ پس اس کی ضرورت میں کیسے اشتباہ ہو سکتا ہے اور اس میں قرآن یا عربی کی کیا تخصیص، ہر زبان کی صحت اس کے خاص طرز اور اداء پر موقوف ہے۔ مثلاً پکھا اور رنگ میں اخفاء ہے اگر نون میں اظہار کیا جائے، یقیناً لفظ غلط ہو جائیگا اور لفظ کھنبا اور دنبہ میں اقلاب ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو لفظ غلط ہو جائے گا۔ مگر بات یہ ہے کہ قلوب میں ادراک نہیں رہا اور آخرت کی نعمتوں کی رغبت۔ دُنیا کی نعمتوں کے برابر بھی نہیں رہی۔

(کذا در تجدید دین کامل ص۱۹۰، ۱۹۷)

تصحیح قرآن دو ہفتے میں پھر حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ اصلاح انقلاب اُمّت ص۱۴۱، ص۱۴۲ پر تجوید بقدرِ واجب کی سہولت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"کل حروف اٹھائیس ہیں، ان میں بعض بعض تو قریب قریب صحیح نکلتے ہیں، ان کو مستثنٰی کر کے جن میں اہتمام کی حاجت ہے سات ہیں: ث - ح - ذ - ص - ض - ط - ظ اور جو بالکل دیہاتی ہیں اُن کے لیے اتنے ہی اور ہیں جیسے خ، ز، ش، ع، غ، ف، ق، اگر ایک گھنٹہ روزانہ مشق کے لیے نکالا جائے تو روزانہ ایک حرف کی ضرور ہی مشق ہو سکتی ہے۔ جس میں ایک ہفتہ اور دیہاتی کے لیے دو ہفتے کافی ہیں اور احتیاطاً آدھا یا ایک مہینہ غایت سے غایت صرف ہوگا۔ تو کیا دین کی اتنی بڑی ضرورت کے لیے اتنی بڑی عمر میں سے

اتنا حصہ بھی نہیں دے سکتے۔ کتنا بڑا غضب ہے اور ستم ہے۔ اسی طرح فتحہ اور الف کی مقدار کا فرق اگر ایک پارہ میں درست ہو جائے تو تمام قرآن یکساں ہے، تمام کے لیے کافی ہے۔ اگر ایک رکوع روزانہ درست کیا جائے تو یہ کام بھی پندرہ بیس روز سے زیادہ کا نہیں۔ پھر بقیہ قرآن بھی تھوڑا تھوڑا کر کے کسی ماہر کو سُنا دینا جو متفرق اوقات میں نہایت سہل ہے۔ زیادہ اطمینان اور احتیاط کی بات ہے"۔ انتہے۔

(کذا در تجدید دین کامل ص۱۹۷)

پھر آگے حضرت حکیم الاُمّت ص۲۴ پر فرماتے ہیں:۔

"چوتھی کوتاہی یہ ہے کہ بعضے تصحیح و تجوید کو بھی ضروری سمجھتے ہیں۔ مگر کاوش اور بحث ہی تک پہنچ کر رہ جاتے ہیں۔ جیسا اس وقت لوگ ض، ظ میں اُلجھنے والے دیکھے جاتے ہیں مگر اداء کا نام خاک بھی نہیں۔ الخ

پانچویں کوتاہی یہ کہ بعضے تجوید پر قدرت حاصل کر لیتے ہیں۔ مجالس یا حالتِ امامت میں جب پڑھنے کا اتفاق ہوتا ہے، اس پر عمل بھی کرتے ہیں مگر جب خلوت میں تلاوت یا حالتِ انفراد میں نماز ادا کرتے ہیں۔ اس وقت اس کی طرف التفات بھی نہیں کرتے۔ جس سے معلوم ہُوا کہ قرآن کی تصحیح سے غرض رضاءِ خلق تھی نہ کہ ارضاء خالق۔ کیا کسی فعل کے کسی ثمرہ کے مرتب کے لیے قوت اور استعداد کا مرتبہ کافی ہے۔ یا صدور اور فعلیت کی ضرورت ہی کیا۔ تجوید پر صرف قدرت ہونے سے تجوید کے ثمرات مثل اداء واجب و تضاعفِ اجر و رضائے حق و اداءِ حق حاصل ہو سکتے ہیں؟ یا اس کے عمل و اجراء کی بھی ضرورت ہے؟

کیا کسی خارش کو محض نسخہ کے یاد کر لینے سے اچھا ہوتا ہُوا بھی دیکھا ہے؟ یا اس کے استعمال کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ بالخصوص سری نمازوں میں غنہ اور مد و اظہار و اخفاء کا تو کیا ذکر ہے؟ غالباً بلکہ یقیناً مخارج و صفات حروف پر بھی نظر نہیں ہوتی جو کہ لوازم حروف

سے ہے اور وہ نہیں تو حرف نہیں اور جب حروف نہیں جو کہ بسائط ہیں تو قرآن کی عبارت نہیں جو کہ مرکب تھی اور جب عبارت نہیں تو قرأت نہیں تو نماز کہاں ؟ فَبَایَتَدَبَّرُوْا اَدَ اُلَیَتَذَکَّرُوْا (بار بار غور و فکر کریں) اور یوں ابتلاءِ عام کو پیشِ نظر رکھ کر اس کا فتویٰ نہ دینا یہ دُوسری بات ہے۔ مگر ترکِ واجب کے گُناہ سے بچنے کے لیے بھی عمومِ بلویٰ کافی ہو سکتا ہے۔ وَمَنْ لَّنَا بِذٰلِكَ (ہم کو اس کی کون گارنٹی دیتا ہے) اور اگر مستحسنات سے قطع نظر کی جائے۔ مگر ضروریات کی حفاظت سے تو چارہ نہیں۔ انتہیٰ

(اصلاح انقلاب اُمت صفحہ ۹)

تجوید میں افراط و تفریط

فائدہ: قاری پر لازم ہے کہ مخارج حروف و صفات کا لحاظ کرتے ہوئے تلاوت کرے اور بغیر کسی تکلیف اور تصنّع کے ہونٹوں اور حلق اور زبان کو مشقت میں ڈالے بغیر لطافت کے ساتھ پڑھا جائے۔ حروفِ رخوہ اور متوسطہ تو نرمی کے ساتھ ادا ہوتے ہی ہیں۔ حروفِ شدیدہ کو بھی ایسی شدت سے ادا نہ کرے کہ مُنہ اور سر میں جھٹکے لگنے لگیں۔ یا ہمزہ کے ادا کرنے میں ناف ہلنے لگے۔ بہت سے لوگ ع اور ح کو ادا کرتے وقت ایسے زور سے حلق میں ضرب مارتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے حلق پھٹ جائے گا۔ اور بعض لوگ لام کو ایسی سختی سے نکالتے ہیں کہ جس سے وہ ڈال معلوم ہونے لگے۔ یہ سب خلافِ روایت ہے اور ایسا کرنے سے لطافت کی جان نکل جاتی ہے۔ جس سے تلاوت کا حُسن جاتا رہتا ہے اور بہت سے لوگ لہجہ بنانے کی وجہ سے قرأت کا حُسن بگاڑ دیتے ہیں اور بلا وجہ مد کرتے چلے جاتے ہیں۔ یا موسیقی کے قواعد کا خیال کر کے پڑھتے ہیں، یہ سب ممنوع ہے۔ (التحفۃ المرضیۃ فی شرح المقدمۃ الجزریہ صفحہ ۵)۔

مخارج حروف کا بیان

فائدہ مخرج معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جس حرف کا مخرج معلوم کرنا ہو اس کو ساکن کرکے اس سے پہلے ہمزہ متحرکہ لگا کر دیکھو۔ جس جگہ آواز ٹھہر جائے وہی اُس کا مخرج ہوگا۔ جیسے ب کا مخرج معلوم کرنا ہو تو اَبْ کہو، اس کو ادا کرنے میں آواز ہونٹوں پر ٹھہر جاتی ہے اور یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ ب کا مخرج دونوں ہونٹ ہیں۔ دوسرا طریقہ مخرج کا اس حرف کو متحرک کرکے آخر میں ہائے ساکنہ لگا کر تلفظ کرو۔ مثلاً ج کا مخرج معلوم کرنا ہو تو جَہْ کا تلفظ کرو۔ اسکو ہائے سکتہ کہتے ہیں۔ صورت اولیٰ میں انتہائے صوت پر غور کرکے مخرج معلوم ہوگا اور صورت ثانیہ میں ابتدائے صوت پر غور کرنا ہوگا۔

(التحفۃ المرضیہ صفحہ ۱۲، صفحہ ۱۳)

دانتوں کے نام

انسان کے منہ میں اکثر بتیس دانت ہوتے ہیں۔ سولہ اُوپر سولہ نیچے۔ جنکی تفصیل یہ ہے:۔

ثنایا:۔ سامنے کے چار دانت : ثنایا علیا اُوپر کے دو دانت، ثنایا سُفلیٰ نیچے کے دو دانت۔

رباعیات:۔ ثنایا کے دائیں بائیں: اُوپر نیچے، کُل چار دانت۔

اَنیاب:۔ رباعیات کے اُوپر نیچے دائیں بائیں۔ چار کچلیاں۔

ضَواحِك:۔ انیاب کے دائیں بائیں اُوپر نیچے کُل چار دانت۔ چونکہ ہنسی (ضحک) میں یہ دانت نظر آجاتے ہیں اس لیے ان کو ضواحک کہتے ہیں۔

طَواحِن:۔ ضواحک کے دائیں بائیں، اُوپر نیچے تین تین دانت، کُل بارہ دانت۔ طحن کے معنے ہیں پیسنا۔ چونکہ ان دانتوں سے غذا چبائی جاتی ہے اس لیے ان کو طواحن (پیسنے والے دانت) کہتے ہیں۔

نَوَاجِذُ :۔ طواحن کے دائیں بائیں اُوپر نیچے چار دانت جنہیں عقل کی داڑھیں کہتے ہیں یہ دانت سِنِ بلوغ ہی میں نکلتے ہیں۔

جن بیس دانتوں کو ہم داڑھیں کہتے ہیں، انھی بیس دانتوں یعنی ضواحک، طواحن اور نواجذ کو عربی میں اضراس بھی کہتے ہیں۔

مخارج کی تفصیل

مخارج جمع مخرج کی ہے۔ جس جگہ سے حرف نکلتا ہے اُس کو مخرج کہتے ہیں۔ صحیح قول کی بناء پر مخارج کی تعداد سترہ[۱] ہے۔

حلقی حروف :۔ چھ حرفوں کی آوازیں حلق سے نکلتی ہیں۔

مخرج نمبر ۱ :۔ اقصیٰ حلق (یعنی حلق کا وہ حصّہ جو سینہ سے ملا ہُوا ہے) اس سے (ء - ھ) نکلتے ہیں۔

مخرج نمبر ۲ :۔ وسطِ حلق (یعنی حلق کا درمیانی حصّہ) اس سے (ع - ح) نکلتے ہیں۔

مخرج نمبر ۳ :۔ ادنیٰ حلق (یعنی حلق کا وہ حصّہ جو زبان کی جڑ کے قریب ہے) اس سے (غ - خ) نکلتے ہیں۔

(کوّے کے حروف)

مخرج نمبر ۴ :۔ زبان کی جڑ اور اُوپر کا تالو (یعنی زبان کا وہ حصّہ جو حلق سے ملا ہُوا ہے، جس کو زبان کی جڑ کہتے ہیں) تالو کی جڑ سے جب کوّے کے متصل ٹکر کھائے تو اس سے (ق) کی آواز پیدا ہوتی ہے۔

مخرج نمبر ۵ :۔ زبان کا وہ حصّہ جو جڑ سے متصل ہی ذرا منہ کی جانب ہٹ کر اپنے مقابل کے تالو سے ٹکرائے تو (ک) کا تلفظ ادا ہوتا ہے۔

مخرج نمبر ۶ :۔ وسطِ زبان اور اُوپر کے تالو کے درمیان سے (یعنی زبان کا وسطی حصّہ تالو کے وسطی حصّہ سے ٹکرائے تو (ج - ش - ی) کی آوازیں پیدا ہوتی ہیں اور ان حروف کے تلفظ میں آواز اس سُوراخ یا خلاء سے نکلتی ہے جو ہونٹوں کے درمیان پیدا ہو جاتا ہے۔

فائدہ : کاف کے مخرج سے متصل شین کا مخرج ہے اور اس کے بعد علی الترتیب جیم اور یاء کا مخرج ہے۔

(پہلوئے زبان کا حرف)

مخرج نمبر ۷ :۔ حافۂ لسان اور داڑھوں کی جڑ (یعنی زبان کی کروٹ کا وہ حصّہ جو حلق کی طرف ہے کو اُوپر کی داڑھوں کی جڑ سے دائیں بائیں طرف لگانے سے (ض) کا تلفظ ادا ہوتا ہے۔ مگر بائیں طرف سے آسان ہے۔

(نوک اور پہلو زبان کے حروف)

مخرج نمبر ۸ :۔ زبان کی کروٹ کا تھوڑا سا حصّہ جو ہونٹوں کی طرف ہے اور زبان کی نوک (یعنی زبان اپنی نوک اور کروٹ کے کچھ اگلے حصّے سمیت ذرا سا تالو کی طرف مائل ہو کر دائیں یا بائیں جب چار دانتوں ثنیہ۔ رباعی۔ ناب۔ ضاحک) کے مسوڑھوں سے ٹکر کھائے تو اس سے (ل) کی آواز پیدا ہوتی ہے۔ مگر دائیں طرف سے آسان ہے۔

مخرج نمبر ۹ :۔ لام کے مخرج سے کچھ کم یعنی زبان اپنی نوک اور کروٹ کے کچھ اگلے حصّے سمیت ذرا سا تالو کی طرف مائل ہو کر تین دانتوں (ثنیہ۔ رباعی۔ ناب) کے مسوڑھوں سے ٹکرائے تو اس سے (ن) کی آواز نکلتی ہے۔

مخرج نمبر ۱۰ :۔ یہ بھی نون کے مخرج سے بالکل قریب ہی ہے (یعنی زبان کی نوک اپنی پشت کے سرے سمیت جب دو دانتوں (ثنیہ۔ رباعی کے مسوڑھوں سے ٹکرائے تو (ر) کا تلفظ ہوتا ہے۔

واضح رہے کہ راء کے تلفظ میں پشت زبان کا سرا کام کرتا ہے۔

(کھردرے تالو کے حروف)

مخرج نمبر۱۱:- نوکِ زبان اور ثنایا علیا کی جڑ سے (ط۔د۔ت) یہ تین حرف ادا ہوتے ہیں اور ان حروف کے تلفظ میں تالو کے کھردرے حصّہ کو دخل ہوتا ہے (ط) کی آواز پُر ہوتی لیکن (ت) پُر نہیں ہوتی۔

مخرج نمبر۱۲:- زبان کی نوک اور ثنایا علیا کے اندر کے کنارے سے (ظ۔ذ۔ث) یہ تین حرف نکلتے ہیں۔

(نوکِ زبان کے حروف)

مخرج نمبر۱۳:- زبان کی نوک اور ثنایا علیا کے اندر کے کنارے سے (یعنی ثنایا سفلیٰ کے کنارے اور ثنایا علیا کے کچھ اتصال سے (ص۔ز۔س) کی آوازیں پیدا ہوتی ہیں۔ ان حرفوں کے تلفظ میں نوکِ زبان بالائی اور زیریں دانتوں کے درمیان آجاتی ہے۔

(ہونٹوں کے حروف)

مخرج نمبر۱۴:- نیچے کے ہونٹ کے اندرونی یعنی تری والے حصّے سے ثنایا علیا کا سرا لگے تو (ف) کی آواز نکلتی ہے۔

مخرج نمبر۱۵:- دونوں ہونٹوں کا آپس میں مل جانا اس سے (و۔ب۔م) البتہ ان میں اتنا فرق ہے کہ (ب) دونوں ہونٹوں کے اندرونی حصّوں کے ملنے سے ادا ہوتی ہے اور (م) دونوں ہونٹوں کے بیرونی حصّوں کے اتصال سے یعنی دونوں ہونٹوں کی خشکی کے ملنے سے ادا ہوتی ہے اور (و) دونوں ہونٹوں کے اسطرح ملنے سے کہ کنارے تو ملے ہوں اور بیچ کھلا ہو یعنی دونوں ہونٹ غنچہ کی شکل میں غنچہ ہو جائیں جبکہ واؤ مدہ نہ ہو۔

مخرج نمبر۱۶:- خیشوم یعنی ناک کا بانسہ اس سے غنہ نکلتا ہے یعنی اس سے (ن۔م) اس وقت ادا ہوتے ہیں، جب یہ اخفاء اور ادغام ناقص سے پڑھے جاتے ہوں۔

مخرج نمبر۱۷:- جوفِ دہن یعنی مُنہ کے اندر کا خلاء۔ اس سے (واؤ مدہ۔ یائے مدہ۔ الف مدہ) نکلتے ہیں۔ یعنی ان حرفوں کے جوفِ دہن سے ادا ہونیکا مطلب یہ ہے کہ ان کے ادا کرتے وقت حلق، زبان اور ہونٹوں سے کچھ کام نہیں لینا پڑتا۔ بلکہ یہ حروف منہ کے اندر کی ہوا کیساتھ ہی ادا ہو جاتے ہیں اور واؤ لین کا مخرج ۱۵ کے ذیل میں اور یائے لین کا مخرج ۹ کے ذیل میں لکھا جاچکا ہے۔ انتہیٰ۔

صفاتِ حروف کا بیان

صفتِ حرف :- علماء تجوید و قرأت کی بول چال میں صفت حرف کی اس حالت کو کہتے ہیں جو مخرج سے نکلنے کے وقت اس کو پیش آتی ہے۔ مثلاً حرف کا پُر ہونا، باریک ہونا، سخت ہونا، نرم ہونا وغیرہ۔ اس کے بعد جاننا چاہیئے کہ صفات کی دو قسمیں ہیں :-

(۱) صفاتِ لازمہ (۲) صفاتِ عارضہ۔

۱۔ صفاتِ لازمہ :- ان صفات کو کہتے ہیں جو اس حرف سے جُدا ہی نہیں ہوتیں جس میں پائی جاتی ہیں اور وہ حرف ذاتی طور پر اس سے متصف ہوتا ہے۔ کسی عارض کی وجہ سے وہ صفت اس میں نہیں آتی۔ یعنی وہ صفات ایسی ضروری ہوتی ہیں کہ اگر ان کا خیال نہ رکھا جائے اور ان کو ادا نہ کیا جائے تو حرف بہت ناقص اور غلط ادا ہوتا ہے بلکہ کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ ان صفات کے ادا نہ ہونے سے ایک حرف دوسرے حرف سے بدل جاتا ہے۔ یعنی اس حرف کے بجائے کوئی دوسرا حرف ادا ہو جاتا ہے اور ایسی صفات کو ذاتیہ اور ممیّزہ اور مقوّمہ بھی کہتے ہیں۔

۲۔ صفاتِ عارضہ :- وہ صفات ہیں جو کسی صفت ذاتیہ کی وجہ سے یا کسی دوسرے حرف کے متصل ہونے سے پیدا ہو جاتی ہیں جیسے تفخیم و ترقیق وغیرہ یعنی ان صفات کے ادا نہ ہونے کی وجہ سے نہ تو حرف دوسرے حرف سے بدلتا ہے اور نہ ہی ایسا زیادہ غلط ادا ہوتا ہے۔ صرف حروف کے حُسن اور خوب صورتی میں فرق آجاتا ہے۔ چونکہ صفات عارضہ سے حروف میں حُسن و جمال پیدا ہو جاتا ہے اس لیے اُن کو مُحسّنہ اور مُزیّنہ اور مُحلّیہ بھی کہتے ہیں۔

اور یہ جاننا چاہیئے کہ صفاتِ لازمہ تو الف سے لیکر یا تک تمام حروف میں پائی جاتی ہیں اور ہر حال میں پائی جاتی ہیں خواہ وہ حرف متحرک ہو یا ساکن۔ اور صفاتِ عارضہ صرف چند حرفوں میں پائی جاتی ہیں اور پھر وہ بھی خاص حالات میں۔

پھر صفاتِ لازمہ کی دو قسمیں ہیں : متضادہ اور غیر متضادہ

صفت متضادہ :۔ وہ صفت ہے جس کی ضد کوئی دوسری صفت وجودی ہو۔ یعنی جس حرف میں جو صفت پائی جاتی ہو اس حرف میں اس صفت کی مقابل صفت نہیں پائی جا سکتی ۔

اور صفت غیر متضادہ :۔ وہ ہے جس کی ضد کوئی دوسری صفت وجودی نہ ہو ۔

صفات متضادہ : دس ہیں جن میں پانچ صفتیں یعنی ہمس، شدت، استعلاء، اطباق، اذلاق ۔ دوسری پانچ صفتوں یعنی جہر، رخوت، استفال، انفتاح، اصمات کی ضد اور مقابل ہیں ۔

صفات غیر متضادہ : سات ہیں صفیر، قلقلہ، لین، انحراف، تکریر، تفشی، استطالت ۔

تفصیل کتب تجوید و قرآت میں ملاحظہ فرمائی جائے ۔

تلاوت کے محاسن اور معائب کا بیان

محاسنِ تلاوت چھ ہیں :۔

۱۔ ترتیل :۔ تمام قواعد کی رعایت رکھتے ہوئے قرآن مجید کو ٹھہر ٹھہر کر اطمینان کے ساتھ پڑھنا ۔

۲۔ تجوید :۔ حروفِ قرآنیہ کو صحیح طریقہ پر مخارج سے ادا کرنا اور صفاتِ لازمہ اور عارضہ کا دھیان رکھنا ۔

۳۔ تبیین :۔ ہر حرف کو واضح اور صاف ادا کرنا ۔

۴۔ ترسیل :۔ الفاظ کو لطافت کے ساتھ پڑھنا اور ہر حرف کو اسی طرح پورا پورا ادا کرنا جیسا اُس کا حق ہے اور حروف چبا کر پڑھنے سے بچنا ۔

۵۔ تحسین :۔ تجوید کی رعایت رکھتے ہوئے لحن عرب کے موافق خوش آوازی کے ساتھ پڑھنا ۔

۶۔ توقیر :۔ خشوع وخضوع کے ساتھ باوقار طریقہ پر تلاوت کرنا ۔

عیوب تلاوت سولہ ہیں جن میں سے بعض حرام اور بعض مکروہ ہیں :۔

۱۔ تہمیز :۔ جہاں ہمزہ نہ ہو وہاں ہمزہ کی آواز پیدا کرنا ۔

۲۔ عنعنہ :۔ ہمزہ یا کسی دوسرے حرف کی آواز میں عین کی آواز ملا دینا ۔

۳۔ تعجیل :۔ اس قدر جلد پڑھنا کہ حروف کٹ جاویں اور آپس میں ایک دُوسرے سے ممتاز اور جُدا ہو کر سمجھ میں نہ آئیں ۔ اس کو ادماج اور تخلیط بھی کہتے ہیں ۔

۴۔ تطویل :۔ مد کا مقدار سے زیادہ کھینچنا ۔

۵۔ تطنین :۔ جس جگہ غنہ نہ ہو وہاں غنہ کرنا ۔

۶۔ ترجیع :۔ آواز کو حلق میں پھرانا (جس سے حروف مکرر ہو جاتے ہیں)

۷۔ تعویق :۔ کلمہ کے درمیان میں وقف کر کے مابعد سے ابتداء کرنا ۔

۸۔ ترعید :۔ آواز میں رعشہ پیدا کرنا اور حرکات و مدات کو ہلانا ۔

۹۔ تمطیط :۔ ترتیل سے پڑھتے وقت مدات و سکنات میں حد سے زیادہ دیر کرنا ۔

۱۰۔ تمضیغ :۔ حروف کو چبا کر پڑھنا ۔

۱۱۔ تنفیش :۔ حرکات کو پورا ادا نہ کرنا ۔

۱۲۔ وثبہ :۔ پہلے حرف کو نا تمام چھوڑ کر دُوسرے حرف کو شروع کر دینا ۔

۱۳۔ رکزہ :۔ بے محل ادغام کرنا ۔

۱۴۔ ھمھمہ :۔ حرف مخفف کو مشدد پڑھنا ۔

۱۵۔ زمزمہ :۔ گانے کے طریقے پر پڑھنا ۔

۱۶۔ تحزین :۔ اس طرح آواز بنا کر پڑھنا جیسے کوئی رو رہا ہو ۔

(تحفہ مرضیہ شرح مقدمہ جزریہ صفحہ ۵۳)

فائدہ قرآن پاک کی صحیح طریقے سے تلاوت کے لیے ضروری ہے کہ فنِ تجوید و قرآت سے آگاہی ہو ۔ کیونکہ خلافِ مخارج حروف ادا کرنے سے معانی میں بڑا تغیر و تبدل

ہوجاتا ہے اور بعض اوقات تو گناہِ کبیرہ لازم آتا ہے۔ اس لیے تالی قرآن کو لازم ہے کہ ہر حرف کو صفات کا لحاظ رکھ کر اُس کے مخرج سے ادا کرنے کی مشق کرے۔ قراء حضرات نے اس فن میں بہت سی کتابیں اور رسائل لکھے ہیں۔ مگر عملی طور پر کسی ماہرِ فن سے استفادہ کرنا ہی مفید مطلب ہو سکتا ہے۔ اُستاد سے مشق کئے بغیر صرف کتابیں دیکھنے سے مجوّد نہیں ہو سکتا۔ خوب سمجھ لیجئے۔

وما علینا الا البلاغ

مسئلہ :۔ وفی بعض شروح الطریقۃ ومن الفتنۃ ان یقول لاھل القریٰ والبوادی والعبید والاماء لاتجوز الصلوٰۃ وھم لایقدرون علی التجوید فیترکون الصلوٰۃ رأسا فالواجب ان یعلم مقدار ما یصح بہ النظم والمعنیٰ۔ (تفسیر روح البیان ج ۲۰ ۔ سورۃ مزّمل)۔

ترجمہ :۔ طریقہ محمدیہ کے بعض شروح میں مذکور ہے کہ یہ بہت بڑے فتنے کی بات ہے کہ انسان بادیہ نشین، دیہاتیوں اور باندیوں سے یوں کہے کہ تجوید کے بغیر نماز جائز نہیں ہوتی اور وہ تجوید نہ جاننے کے باعث سرے سے نماز ہی چھوڑ بیٹھیں۔ پس واجب تو اسی قدر ہے کہ الفاظ صحت کے ساتھ ادا ہو جائیں اور معنے میں کسی قسم کا خلل نہ پڑے۔ (باقی فن کی باریکیوں سے یہ لوگ مستثنےٰ ہیں)۔

معرفتِ اوقافِ قرآنی کی اہمیت

چونکہ تلاوت کرتے وقت سانس لینے کی ضرورت بھی پڑتی ہے اور درمیان میں ٹھہرنے کی حاجت ہوتی ہے اور ٹھہرنے کے بعد پھر آگے پڑھنا بھی ہوتا ہے۔ اس لیے وقف اور ابتداء کا معلوم کرنا تالی اور قاری کے لیے نہایت ضروری ہے۔ وقف کے بعد آگے پڑھنے کو ابتداء اور پیچھے سے لوٹا کر پڑھنے کو اعادہ کہتے ہیں۔ چنانچہ علامہ جزری رحمۃ اللہ علیہ اپنے مقدمہ میں فرماتے ہیں :۔

وبعد تجویدک للحروف لابد من معرفۃ الوقوف

ترجمہ :۔ اور حروف کی باتجوید ادائیگی کی مشق کے بعد اوقاف کو پہچاننا ضروری ہے۔

مطلب یہ ہے کہ حروف کو صحیح طریقے پر مخارج و صفات کے ساتھ ادا کرنا تو بہرحال لازم ہی ہے۔ لیکن وقف اور ابتداء کا پہچاننا بھی ضروری ہے۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ترتیل کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ہے :۔

ھو تجوید الحروف ومعرفۃ الوقوف : یعنی صحیح طریقہ پر حروف کے ادا کرنے اور وقفوں کے پہچاننے کا نام ترتیل ہے۔

اس لیے ائمہ متاخرین نے قراء حضرات کو اس امر کا پابند بنایا ہے کہ جب تک تلامذہ وقف اور ابتداء میں ماہر نہ ہو جائیں اس وقت تک ان کو سندِ فراغت اور تدریس کی اجازت نہ دیں۔ چنانچہ علامہ جزریؒ نشر میں لکھتے ہیں کہ آثار سے اوقاف کا سیکھنا واجب معلوم ہوتا ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اگر قاری حروف کو تجوید کے ساتھ ادا کرے اور وقف و ابتداء بے محل کرتا چلا جائے تو کلام کا حُسن ختم ہو جائیگا اور عبارات قرآنیہ العیاذ باللہ بے ربط معلوم ہوں گی۔ جس کا ادراک اور احساس ان ہی حضرات کو ہو سکتا ہے جو قرآن مجید کے معانی سمجھتے ہیں اور عربی زبان کے قواعد سے واقف اور باخبر ہیں۔ بے محل وقف کرنے سے بہت سی جگہ خلافِ مرادِ معنے کا ابہام ہوتا ہے اور ذرا وقف کی معمولی سی تبدیلی کے ساتھ فقرے کا مطلب و مفہوم بالکل اُلٹ جاتا ہے مثلاً روکو مت، جانے دو۔ اور روکو، مت جانے دو۔ اسی طرح اٹھو مت، بیٹھو۔ اٹھو، مت بیٹھو۔ کی مثالیں سامنے ہیں۔

وقف کی تعریف

کسی کلمہ کے آخری حرف کو ساکن کر کے اُس پر سانس اور آواز توڑ کر تھوڑی دیر کے لیے ٹھہر جانا، بس وقف کی تعریف میں تین باتیں ملحوظ ہیں۔ (۱) حرف متحرک کو ساکن کرنا (۲) آواز

کا توڑ دینا (۳) سانس کا توڑ دینا۔

(وقف، قطع اور سکتہ کا باہمی فرق)

وقف ہر ایسے کلمہ کے آخر حرف پر اسکان یا اشمام یا روم کے ساتھ ٹھہر جانے اور سانس توڑ دینے کا نام ہے۔ پس اگر کسی نے کلمہ کے آخر حرف کو ساکن تو کیا لیکن سانس نہیں توڑا اور آواز بند نہیں کی یا آواز اور سانس توڑ دیا لیکن ساکن نہیں کیا تو ان دونوں صورتوں میں بھی وقف صحیح نہ ہوگا۔ تجوید کی مطولات میں اسی طرح لکھا ہے اور وقف اور سکتہ میں فرق یہ ہے کہ وقف میں سانس اور آواز دونوں توڑ دیئے جاتے ہیں اور سکتہ میں صرف تھوڑی دیر آواز بند رہتی ہے سانس نہیں توڑا جاتا۔

اور وقف اور قطع میں فرق یہ ہے کہ تلاوت کرتے وقت ٹھہر جانے کے بعد اگر تلاوت جاری رکھنے کا ارادہ ہو تو اس ٹھہرنے کو وقف کہیں گے (خواہ اس کے بعد ماقبل سے اعادہ کریں خواہ مابعد سے ابتداء کریں) اور اگر تلاوت بند کر دینے کی نیت سے ٹھہر جائیں تو اس کو قطع کہیں گے۔ اسی لیے قطع کے بعد پھر تلاوت جاری کرنے کے لیے پوری اعوذ باللہ پڑھنے کی ضرورت ہوتی ہے اور وقف اور سکتہ کے بعد اس کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اور قطع کے لیے چونکہ وقف ضروری ہے اس لیے قطع پر وقف کے احکام جاری ہوتے ہیں۔ یعنی قواعد کے مطابق محل وقف پر قطع کرنا چاہیئے۔ اگر پڑھنے کا ارادہ تھا اور کسی وجہ سے قطع ہو گیا تو اس کو قطع اتفاقی کہتے ہیں اور اگر قطع قرآت مقصود ہو تو قطع حقیقی ہوگا۔ دورانِ تلاوت دنیوی گفتگو کرنے سے بھی قطع لازم آتا ہے۔ اس لیے اس کے بعد بھی استعاذہ پڑھ کر آگے جانا چاہیئے۔ چنانچہ اس کا بیان پیچھے مستقل ادب میں گزر چکا ہے۔

قواعدِ وقف

وقف کرنے کے طریقے حسبِ ذیل ہیں:۔

۱۔ کلمے کا آخری حرف ساکن ہو یا کلمے کے آخر میں کوئی حرف مدّہ ہو تو صرف سانس توڑ کر ٹھہر جانا چاہیئے۔

۲۔ آخری حرف پر فتحہ، کسرہ یا ضمہ ہو یا دو ضمے یا دو کسرے ہوں تو آخری حرف کو ساکن پڑھو۔

۳۔ کسی کلمہ کے آخر میں ہ پر اُلٹا پیش (ہٗ) یا نیچے کھڑی زیر (ہٖ) ہو تو اس ہ کو ساکن پڑھ کر ٹھہر جائے۔

۴۔ کلمے کے آخر میں ایسا مفتوح یا مکسور یا مضموم ہمزہ آئے، جس کے پہلے الف مدّہ پر مدّ آئی ہو تو اس ہمزہ کو ساکن کرکے وقف کر لو۔ جیسے شُهَدَآءَ ۔ سَمِيعُ الدُّعَآءِ مَايَشَآءُ۔ تو اس ہمزہ کو ساکن کرکے وقف کر لو۔

۵۔ کسی کلمے کے اخیر میں گول تآء (ۃ) مفتوح یا مکسور یا مضموم ہو یا اس تاء مدورہ یعنی گول تاء پر دو ضمے، دو فتحے یا دو کسرے ہوں تو ۃ کو ساکن ھآء (ہ) مان کر وقف کر لو۔

۶۔ اگر کسی کلمے کے اخیر میں گول تا کے سوا کسی اور حرف پر دو فتحے ہوں خواہ تنوین نصبی کے بعد زائد الف ہو یا نہ ہو مثلاً كَبِيرًا، نِسَآءً، سُوًى، اَجَلٌ مُّسَمًّى۔ تو منوّن (تنوین والے حرف) پر ایک فتحہ پڑھ کر اُس کے آگے ایک الف بڑھا دو۔ مثلاً سُوًى کو سوٰی اور مُسَمًّى کو مُسَمّٰى پڑھو۔

۷۔ کسی کلمے کے اخیر میں مشدّد حرف ہو تو اس کا شدّہ قائم رکھ کر اُسے ساکن پڑھو موقوف حرفِ مشدّد کی آواز کو لمبا کرو جیسے عَرَبِيٌّ، جَآنٌّ، فِيهِنَّ، اَيْنَ الْمَفَرُّ۔

رموز اوقاف

وقف کے اقسام :۔ تام، کافی، حسن، قبیح، وقف ارسال، وقف مد، وقف قصر، وقف اصم، وقف تنفس، وقف ہمزہ، وقف اضافت کی تفصیلات تو علمِ تجوید کی مطولات میں مذکور ہے۔ البتہ جو لوگ قرآن کے معنے نہیں جانتے اُن کے لیے ضروری ہے کہ وقف انہی مواقع پر کریں، جن موقعوں پر قرآن مجید میں وقف کی علامتیں لگی ہوئی ہیں۔ چنانچہ امام سجاوندیؒ نے یہ علامتیں قرآن مجید کے معانی میں غور و فکر کر کے اسی غرض سے لگائی ہیں کہ جو لوگ معنے نہیں سمجھتے اُن کو وقف کرنے کے بارے میں آسانی اور سہولت ہو، اور ناواقفیت سے کسی ایسی جگہ پر وقف نہ کریں جہاں بات پوری نہ ہوتی ہو یا اس جگہ وقف کرنے سے غلط معنیٰ کا شُبہ ہوتا ہو۔

۱۔ جس کلمے کے بعد گول دائرہ (۵) ہو وہاں آیت ختم ہو جاتی ہے، وہاں وقف کرنا چاہیئے۔ وقف کرنے کا سب سے بہتر موقع یہی ہے۔ ہاں اگر اس پر لا بنا ہوا ہو جیسے ۵ؗ تو پھر اس کی حیثیت ایسی نہیں۔

۲۔ جس کلمے کے بعد (مؔ) کی علامت ہو، وہاں بھی ضرور ٹھہر جانا چاہیئے۔ کیونکہ م وقف لازم کی نشانی ہے اور یہ علامت ان مواقع میں ہوتی ہے جہاں وقف نہ کرنے سے معنیٰ میں خلل محسوس ہوتا ہے۔ سورۃ بقرہ کے دوسرے رکوع میں وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ پر وقف لازم کی علامت ہے۔ یہاں وقف کرنا اس لیے ضروری ہے کہ اس کے بعد يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ جُملہ مستانفہ ہے۔ اگر وقف نہ کریں تو اس کا ابہام ہو گا کہ یہ مؤمنین کی صفت ہے یا حال ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اسی طرح سورہ یٰسٓ میں ہے۔ وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ پر وقف لازم کی علامت ہے اور یہاں وقف نہ کرنے سے یہ ابہام ہو گا کہ اس کا مابعد اِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ قول کا مقولہ ہے

حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ مقولہ محذوف ہے اور اِنَّا نَعْلَمُ سے جُملہ مستانفہ شروع ہُوا ہے۔ الغرض جس جس جگہ وقف لازم کی علامت ہے۔ وہاں پر وصل کرنے سے معنے غیر مقصود کا ابہام ہوتا ہے۔ اس لیے وہاں وقف کرنا ضروری اور لازم ہے۔ اس کی مثال اُردو میں یوں سمجھنی چاہیئے کہ مثلاً کسی کو یہ کہنا ہو کہ اُٹھو، مت بیٹھو۔ جس میں اُٹھنے کا امر اور بیٹھنے کی نہی ہے۔ تو اٹھو پر ٹھہرنا لازم ہے۔ اگر ٹھہرا نہ جائے تو اٹھو مت بیٹھو، ہو جائے گا جس میں اُٹھنے کی نہی اور بیٹھنے کے امر کا احتمال ہے اور یہ قائل کے مطلب کے خلاف ہو جائے گا۔

۳۔ ط : وقف مطلق کی علامت ہے، اس پر ٹھہرنا چاہیئے۔ مگر یہ علامت وہاں ہوتی ہے، جہاں مطلب تمام نہیں ہوتا اور بات کہنے والا ابھی کچھ اور بھی کہنا چاہتا ہے۔

۴۔ ج : وقف جائز کی علامت ہے۔ یہاں ٹھہرنا بہتر اور اولیٰ ہے اور نہ ٹھہرنا جائز ہے۔

۵۔ ز : وقف مجوز کی علامت ہے۔ یہاں نہ ٹھہرنا بہتر ہے۔ یہاں سے گزر ہی جانا چاہیئے۔

۶۔ ص : وقف مرخص کی علامت ہے۔ یہاں ملا کر پڑھنا چاہیئے۔ لیکن اگر پڑھنے والا طولِ کلام کے باعث تھک کر ٹھہر جائے تو وقف کرنے کی اجازت اور رُخصت ہے۔ معلوم رہے کہ ص پر ملا کر پڑھنا ز کی نسبت زیادہ ترجیح رکھتا ہے۔

۷۔ صلے : الوصل اولیٰ کا مخفف ہے۔ یہاں ملا کر پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔

۸۔ ق : قیل علیہ الوقف کا خلاصہ ہے۔ یہاں ٹھہرنا نہیں چاہیئے۔

۹۔ صل : قد یوصل کی علامت ہے۔ یعنی یہاں کبھی ٹھہرا جاتا ہے، کبھی نہیں۔ لیکن ٹھہرنا بہتر ہے۔

۱۰- قف : یہ لفظ قف ہے جس کے معنی ہیں ٹھہر جاؤ - اور یہ علامت وہاں استعمال کی جاتی ہے جہاں پڑھنے والے کے ملا کر پڑھنے کا احتمال ہو -

۱۱- س یا سکتہ : سکتے کی علامت ہے - یہاں کسی قدر ٹھہر جانا چاہیئے - لیکن سانس نہ توڑے - سکتے اور وقفے میں یہ فرق ہے کہ سکتے میں کم ٹھہرنا ہوتا ہے وقفے میں زیادہ -

۱۲- وقفہ :- لمبے سکتے کی علامت ہے - یہاں سکتے کی نسبت زیادہ ٹھہرنا چاہئیے لیکن سانس نہ توڑے سکتے اور وقفے میں یہ فرق ہے کہ سکتے میں کم ٹھہرنا ہوتا ہے وقفے میں زیادہ -

۱۳- لا : لا وقف علیہ کی علامت ہے - یعنی اس مقام پر کوئی وقف نہیں ہے -

۱۴- ک : کذالک کی علامت ہے یعنی وقف کے بارے میں جو رمز پہلے ہے، وہی یہاں سمجھی جائے -

۱۵- معانقہ : اگر کوئی عبارت تین تین نقطوں کے درمیان گھری ہوئی ہو، مثلاً (∴ ——— ∴) تو پہلے تین نقطوں پر وصل کر کے دوسرے تین نقطوں پر وقف کیا جائے - یا پہلے تین نقطوں پر وقف کر کے دوسرے تین نقطوں پر وصل کیا جائے - ایسی عبارت کو معانقہ کہتے ہیں - وقف معانقہ کی مثال جیسے لَارَیْبَ ∴ فِیْہِ ∴ ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ ۝ اور اس کو وقف مراقبہ بھی کہتے ہیں - یعنی دو وقف ایک جگہ قریب قریب جمع ہوں اور جو لفظ ان لفظوں کے درمیان ہوتا ہے - اس کا تعلق ماقبل اور مابعد دونوں سے ہو سکتا ہو - پس اگر دونوں میں سے کسی ایک پر وقف نہ کیا جائے ، تو درمیان کا لفظ مہمل ہو جاتا ہے - اھ

فائدہ جہاں ایک سے زائد علامتیں ہوں ، وہاں اُوپر کی علامت کا اعتبار ہوتا ہے -

فائدہ امام جزری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں چونکہ سانس لینے کے لیے وقف کرنا ہی ہے - اس لیے قراء حضرات نے فرمایا ہے کہ تلاوت کرنے والے (اور خصوصاً اس شخص کو جو عربی نہ جانتا ہو) چاہیئے کہ آیات پر وقف کرنے کا دھیان کرے - اس کے بعد اس وقف کا درجہ ہے جہاں م کی علامت ہو - پھر جہاں ط لکھی ہوئی ہو - پھر جہاں ج بنی ہوئی ہو - اور یہ بھی ملحوظ رہے کہ وقف کرنے میں اولیٰ کو غیر اولیٰ پر ترجیح نہ ہو جائے - یعنی آیت کو چھوڑ کر غیر آیت پر وقف نہ کرے اور م کی جگہ کو چھوڑ کر ط کی علامت پر وقف نہ کرے - بلکہ تلاوت کا انداز ایسا رکھے کہ وقف کرنے میں سب سے زیادہ اہمیت آیت کو ہو جہاں گول دائرہ اس طرح ۝ بنا ہو - اس کے بعد وقف لازم کو ، پھر وقف مطلق کو ، پھر وقف جائز کو اور پھر وقف مجوز کو -

انتہیٰ

ادب نمبر ۱۳

ترنم و خوش الحانی سے قرآن مجید کی تلاوت

وَیُسَنُّ تَحْسِیْنُ الصَّوْتِ بِالْقِرَاءَةِ وَتَزْیِیْنُهَا

(الاتقان ص ۱۰۷ ج ۱) (مفتاح السعادۃ ص ۳۰۲ ج ۲ ، طاش کبری زادہ)

ترجمہ : قرأت میں خوش آوازی اور لب و لہجہ کی درستی امر مسنون ہے ۔

تشریح : قرآن مجید ایک مؤثر کلام ہے ۔ اس میں ایک خاص کشش اور جاذبیت ہے کہ سننے والوں کے دل اس کی طرف از خود مائل ہو جاتے ہیں ۔ اور اگر اس کے ساتھ خوش الحانی اور حسن ترنم بھی ہو تو سونے پر سہاگہ ہے ۔ لوگوں کی توجہ اس کی طرف اور بھی زیادہ منعطف ہونے لگتی ہے ۔ کیونکہ خوش الحانی اور ترنم ایسی چیز ہے ۔ جس کی طرف انسان فطری طور پر مائل ہوتا ہے اور اس سے طبعی رغبت رکھتا ہے اور حسن ترنم اور خوش گلوئی کو رقتِ قلب اور اشک آوری میں بھی بڑا دخل ہے ۔ چنانچہ شیخ الاسلام علامہ عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :- ولا شك ان النفوس تميل الى سماع القراءة بالترنم اكثر من ميلها لمن لا يترنم لان للتطريب تاثيرا فى رقة القلب واجراء الدمع ۔ (فتح الملہم شرح صحیح مسلم ص ۳۳۱ ج ۲)

اور التاج الجامع الاصول فی احادیث الرسول کی شرح غایۃ المامول ص ۱۱ ج ۴ پر شیخ منصور علی ناصف مصری ازہری لکھتے ہیں :- ای حسنوا القرآن بتحسين الصوت فانه يزيد فى بهائه وجلاله وينعش الابدان والارواح ويصل بمواعظه الى اعماق القلوب فتحسين الصوت بالقرآن مستحب ۔ ا ھ

یعنی قرآن مجید خوش آوازی سے پڑھو ۔ کیونکہ خوش الحانی سے قرآن کی رونق اور عظمت میں اضافہ ہوتا ہے ۔ بدن اور روح کو تازگی نصیب ہوتی ہے ۔ نیز اس سے مواعظ قرآنی دلوں کی گہرائیوں میں اترتی ہیں ۔ پس قرآن مجید کا خوش الحانی سے پڑھنا امر مستحب ہے ۔

احادیث طیبہ و آثارِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

(۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا اَذِنَ اللّٰهُ لِشَیْءٍ كَمَا اَذِنَ لِنَبِیٍّ حَسَنِ الصَّوْتِ یَتَغَنّٰى بِالْقُرْاٰنِ یَجْهَرُ بِهٖ (بخاری و مسلم)

ترجمہ :- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ نے اتنا کسی کی طرف توجہ نہیں فرماتے جتنا کہ اس نبی کی آواز کو توجہ سے سنتے ہیں جو کلام الٰہی کو خوش الحانی سے بآوازِ بلند پڑھتا ہے ۔

(۲) وروی ابن جریر الطبری هذا الحديث باسناد صحيح وقال فيه - ما اذن الله لشئ ما اذن النبى حسن الترنم بالقران - (الترغیب والترہیب مطبوعہ مصر ص ۲۳۰ ج ۲)

ترجمہ :- ابن جریر طبری نے اس حدیث کو اسناد صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اتنا کسی چیز کی طرف توجہ نہیں فرماتا جتنا اس نبی کی آواز کو توجہ سے سنتے ہیں جو حسن ترنم سے قرآن پڑھتا ہو ۔

(۳) عن ابی هريرة رضی اللہ عنہ قال، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ليس منا من لم يتغن بالقرآن - (بخاری)

ترجمہ :- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص ہمارے کامل طریقہ پر چلنے والا نہیں ہے جو قرآن کریم خوش گلوئی کے ساتھ نہ پڑھے ۔

(۴) عن فضالة بن عبيد رضی اللہ عنہ ان النبى صلى الله عليه وسلم قال الله اشد اذنا للرجل الحسن الصوت بالقران من صاحب القينة الى قينته ۔

(الترغیب والترہیب ص ۲۳۱ ج ۲ وقال الحاکم صحیح علی شرطهما)

ترجمہ :- حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ خوش آواز قاری کی آواز کی طرف اس شخص سے زیادہ کان لگاتے ہیں جو اپنی گانے والی باندی کا گانا سن رہا ہو ۔

(۵) عن البراء بن عازبؓ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول حسنوا القرآن باصواتکم فان الصوت الحسن یزید القرآن حسنا۔

(رواہ الدارمی) (مشکوٰۃ شریف)

ترجمہ:- براء بن عازبؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا کہ قرآن کو اچھی آواز کے ساتھ پڑھو۔ کیونکہ اچھی آواز قرآن کا حسن زیادہ کرتی ہے۔

(۶) زینوا القرآن باصواتکم۔ (اتقان مطبوعہ مصر ص۱۰۱ ج۱)

ترجمہ: ابن حبانؒ وغیرہ نے اس حدیث کی تخریج کی ہے کہ تم لوگ اپنی آوازوں سے قرآن کو زینت دو۔

(۷) واخرج البزار وغیرہ حدیث حسن الصوت زینۃ القرآن (اتقان ص۱۰۱ ج۱)

ترجمہ:- اور بزار وغیرہ نے اس حدیث کی تخریج کی ہے۔ آواز کی خوبی قرآن کی زینت ہے۔

(۸) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لابی موسیٰ لو رأیتنی وانا استمع قراءتک البارحۃ لقد اوتیت مزمارا من مزامیر آل داؤد (مسلم شریف)

ترجمہ:- آنحضرتؐ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے فرمایا کہ آج رات کو میں تمہاری قرأت سُنتا رہا ہوں، تم کو لحن داؤدی عطا کیا گیا ہے۔

فائدہ: حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی خوش آوازی

واخرج ابن ابی داؤدؒ من طریق ابی عثمان النھدیؒ قال دخلت دار ابی موسیٰ الاشعری فما سمعت صوت صنج ولا بربط ولا نای احسن من صوتہ۔ سندہ صحیح وھو فی الحلیۃ لابی نعیم اھ۔ (فتح الملہم ص۳۴۱ ج۲)

ترجمہ:- ابوعثمان ہندیؒ کا بیان ہے کہ حضرت ابوموسیٰؓ کی آواز اتنی سریلی اور دلکش تھی کہ

چنگ و بربط میں بھی وہ دلکشی نہیں۔

اور علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں:-

وَالَیْہِ الْمُنْتَھٰی فِی حُسْنِ الصَّوْتِ بِالْقُرْآنِ (تذکرۃ الحفاظ ص۲۳ ج۱)

یعنی قرآن مجید پڑھنے میں خوش آوازی حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ پر ختم تھی۔

(۹) وروی الطبری عن عمر بن الخطابؓ انہ کان یقول لابی موسیٰ رضی اللہ عنہ ذکرنا ربنا فیقرأ ابوموسیٰ ویتلاحن۔ (عمدۃ القاری ص۳۲ ج۹)

ترجمہ:- طبریؒ نے روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ جب ابوموسیٰ اشعریؓ سے قرآن مجید سُننا چاہتے تو فرماتے ہم کو خدا کی یاد دلاؤ۔ تو ابوموسیٰ اشعریؓ اُن کو نہایت خوش آوازی کے ساتھ قرآن مجید سناتے تھے۔

(۱۰) وکان عمرؓ یقدم الشاب الحسن الصوت لحسن صوتہ بین یدی القوم (فتح الباری ص۶۵ ج۹)

ترجمہ:- امیرالمومنین حضرت عمرؓ لوگوں کے سامنے (قرآن مجید پڑھنے کے لیے) خوش آواز نوجوان کو آگے کرتے تھے۔

(۱۱) وکان عبدالرحمٰن بن اسود بن یزید یتتبع الصوت الحسن فی المساجد فی شہر رمضان۔ (عمدۃ القاری ص۳۲ ج۹)

ترجمہ:- حضرت عبدالرحمٰن بن اسود بن یزیدؒ ماہِ رمضان میں مساجد کے اندر خوش آواز قاری کی تلاش کیا کرتے تھے۔

(۱۲) وکان عقبۃ بن عامرؓ من احسن الناس صوتا بالقرآن فقال لہ عمرؓ اعرض علیّ سورۃ کذا فقرأ علیہ فبکیٰ عمرؓ۔ (عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری ص۳۲ ج۹)

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامرؓ نہایت خوش آواز قاری تھے حضرت عمرؓ نے اُن سے فرمایا کہ قرآن کی فلاں سورۃ سناؤ تو جب اُنہوں نے پڑھنا شروع کیا تو حضرت فاروق اعظمؓ رونے لگے۔

اقوالِ آئمۂ دین

وذکر الطحاویؒ عن ابی حنیفۃؒ واصحابہ انھم کانوا یستمعون القرآن بالالحان ۔ (عمدۃ القاری ص۲۹۹ ج ۶)

ترجمہ :- امام طحاویؒ نے حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ اور آپ کے تلامذہ کے متعلق نقل کیا ہے کہ یہ آئمہ دین خوش آواز قاری کی قرأت کو پوری توجہ سے اور شوق سے سنا کرتے تھے ۔

اور امام سیوطیؒ فرماتے ہیں :-

فان لم یکن حسن الصوت حسنہ ما استطاع بحیث لا یخرج الی حد التمطیط ۔ (اتقان ص۱۰۱ ج ۱ مطبوعہ مصر)

ترجمہ :- اگر کوئی شخص خوش آواز نہ ہو، تو جہاں تک ہو سکے اپنی آواز کو اچھی طرح بنانے کی کوشش کرے مگر اتنی نہیں کہ درازی کی حد تک پہنچ جائے ۔ (اور راگ بن جائے)

اور علامہ شیخ رجب بن احمدؒ فرماتے ہیں :

قال العلماء فقد أنہ بحسن الصوت وجودۃ الاداء فیھا بعث للقلوب بعث علی استماعہ وتدبرہ ۔ (وسیلہ احمدیہ شرح طریقہ محمدیہ ص۲۱۴ ج ۳) ۔

ترجمہ :- علماء نے فرمایا کہ تجوید کا لحاظ کرتے ہوئے خوش آوازی کے ساتھ قرآن پڑھنے میں خوب توجہ سے سننے اور اس میں غور و فکر کرنے کی طرف لوگوں کے دلوں کو مائل کرنا ہے ۔

اور علامہ خادمی شارح طریقہ محمدیہ فرماتے ہیں :

لان التطریب بہ اوقع فی النفس وادعی للاستماع وھو کالحلاوۃ التی تجعل فی الدواء لکن بشرط ان لا یغیر اللفظ ولا یخل بالنظم ولا یخفی حرفا والا حرم اجماعاً ۔ (بریقہ محمودیہ شرح طریقہ محمدیہ ص۳۱۵ ج ۳)

ترجمہ :- خوش آوازی سے (قرآن مجید) پڑھنا نفسِ انسانی پر زیادہ اثر انداز ہوتا ہے اور کان لگا کر

سننے کا باعث بھی بنتا ہے ۔ جیسے دوائیں شیرینی کی آمیزش سے ۔ لیکن اس خوش آوازی کے ساتھ پڑھنے میں شرط یہ ہے کہ الفاظ میں کسی قسم کا تغیر رونما نہ ہو اور نہ ہی کوئی حرف پوشیدہ رکھا جائے ورنہ پھر یہ خوش آوازی بالاتفاق حرام ہو گی ۔

اور علامہ شیخ عبدالغنی نابلسیؒ فرماتے ہیں :-

زینوا اصواتکم بالقرآن ای فاظھروا فی تلاوتہ لغماتکم الحسنۃ ولا تضیعوھا فی الاشعار والنشائد فان الصوت الحسن کالحلۃ الحسنۃ للکلام المتلو وفی ذالک تعظیم القرآن اھ ۔ (حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ ص۱۸ ج ۲)

ترجمہ :- تم اپنی آوازوں کو قرآن کے ساتھ زینت دو یعنی تلاوت کے وقت اپنے نغمات حسنہ (خوش آوازی) کو ظاہر کرو اور اپنی خوش گلوئی کو اشعار و غزلیات خوانی میں ضائع نہ کرو ۔ عمدہ آواز تلاوت کی جانے والی کلام کے لیے بمنزلہ عمدہ لباس کے ہے اور خوش آوازی سے پڑھنے میں قرآن مجید کی تعظیم ہے ۔

اور حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ فرماتے ہیں :-

" بعضے لوگ خوش لہجگی کے ایسے مخالف ہیں کہ اس کا اہتمام بلیغ کرتے ہیں کہ تحسین صوت نہ ہونے پائے اور کبھی کسی کو ذرا تحسینِ صوت کرتے دیکھتے ہیں تو اس پر گانے کا طعن کرتے ہیں اور یہ تجوید میں افراط ہے ۔ مثل تفریط مذکور کے یہ بھی نصوص کے خلاف ہے " (اصلاحِ انقلابِ امت ص۲۳۴)

مسئلہ :- قال النوویؒ ویستحب طلب القرأۃ من حسن الصوت والاصغاء الیھا للحدیث الصحیح ۔ (اتقان ص۱۰۱ ج ۱)

ترجمہ :- امام نوویؒ فرماتے ہیں، خوش آواز قاری سے قرآن مجید سنانے کی درخواست کرنا اور اس کو توجہ اور شوق سے سننا امر مستحب ہے ۔

اور علامہ خیر الدین رملیؒ اپنے فتاویٰ میں رقمطراز ہیں :-

وفی التبیان فی آداب حملة القرآن اجمع العلماء رضی عن السلف والخلف من الصحابة والتابعین ومن بعدھم من علماء الامصار ائمة المسلمین علی استحسان تحسین الصوت بالقرآن۔ واقوالھم وافعالھم مشھورة نھایة الشھرة فنحن مستغنون عن نقل شیٔ من افرادھا۔ اھ

(فتاویٰ خیریہ ص۱۷۷ ج ۲) ، (تفسیر روح البیان ص۲۰۸ ج۱)

تذئیل: حسن صوت اور گانے کا باہمی فرق

حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا تھانوی قدس سرہٗ اپنی کتاب "اصلاح انقلاب امت ص۲۴۴، ص۲۴۵ پر فرماتے ہیں :۔

"زینوا القرآن باصواتکم (قرآن شریف کو اپنی آوازوں کے ساتھ مزین کرو)"

یہ حدیث قولی و نحوہ ہے اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس عرض پر کہ "لوعلمت انک تستمع لقرائتی لحبرتہ تحبیرا (اگر میں جانتا کہ آپ میری قرأت سُن رہے ہیں تو میں اس کو اور سنوارتا) آپ کا انکار نہ فرمانا حدیث تقریری اس تحسین صوت بالقصد کی مشروعیت میں نص صریح ہیں۔ اور یہی ہے وہ تغنی جس کا امر چند حدیثوں میں مروی ہے۔ اور اس میں اور گانے میں فرق ظاہر ہے۔ یعنی گانے میں تو لہجہ مقصود اور دوسرے قواعد تابع ہوتے ہیں اور اگر لہجہ بنانے میں قواعد رہ بھی جائیں تو پرواہ نہیں کی جاتی اور تحسین صوت میں قواعد (تجوید) مقصود اور حسن صوت تابع ہوتا ہے۔

البتہ اگر بلاقصد کسی شخص کی قرأت کا کوئی جزو کسی قاعدے موسیقی پر بھی طبیعت کے تناسب یا موزونیت کی وجہ سے منطبق ہو جائے تو وہ گانے میں داخل نہیں ہے۔ جیسا کہ خود قرآن مجید میں شعریت کی جابجا نفی کی گئی ہے۔ مگر بعض عبارات یقیناً اوزانِ

شعر پر منطبق ہیں۔ جیسے :

ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ثُمَّ اَنْتُمْ هٰۤؤُلَاۤءِ تَقْتُلُوْنَ۔

(بقرہ : ۸۳)

فاعلاتن، فاعلاتن، فاعلات پر منطبق ہے۔

مگر باوجود انطباق کے ہرگز اس کے پڑھنے والے کو شعر کا پڑھنے والا نہ کہا جائے گا۔ البتہ اگر بقصد تطبیق پڑھے گا تو شعر پڑھنے والا ہوگا اور قرآن مجید میں ایسا کرنے سے ناجائز فعل کا مرتکب کہا جائے گا۔

(انتہیٰ)

مسئلہ :۔ قُراء حضرات کا مجلسِ قرأت منعقد کرنا اور باری باری ایک دُوسرے کو سُنانا امر مشروع ہے۔

(تفسیر اتقان ص۱۰۷ ج ۱)

⁂

ادب نمبر۱۴

قرآن مجید کو گانے کی طرز پر پڑھنے کی ممانعت

وَمِنْ حُرْمَتِهٖ اَلَّا یُقْرَأَهٗ بِاَلْحَانِ الْغِنَاءِ کَلُحُوْنِ اَهْلِ الْفِسْقِ وَلَا بِتَرْجِیْعِ النَّصَارٰی وَلَا نَوْحِ الرَّهْبَانِیَّةِ فَاِنَّ ذٰلِكَ كُلَّهٗ زَیْغٌ ۔۔ (قرطبی)

ترجمہ:- اور قرآن مجید کے آدابِ عظمت میں سے ایک یہ ہے کہ قرآن مجید راگ اور گانے کی طرز پر مثل لحن اہلِ فسق نہ پڑھا جائے اور نہ ہی نصاریٰ کی طرز ترجیع پر اور نہ ہی راہبوں کے نوحہ کی طرز پر۔ اس لیے کہ یہ سب طریقے خلافِ حق اور باطل ہیں۔

تشریح:- حدیث۔ عن حذیفۃ رضؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اقرء وا القرآن بلحون العرب واصواتها وایاکم ولحون اهل العشق ولحون اهل الکتابین وسیجیُ بعدی قوم یرجعون بالقرآن ترجیع الغناء والنوح لایجاوز حناجرھم مفتونۃ قلوبھم وقلوب الذین یعجبھم شانھم ۔ مشکوٰۃ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان ورزین فی کتابہ)

ترجمہ:- اور حضرت حذیفہؓ راوی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن مجید اہلِ عرب کی طرز اور ان کی آوازوں کے مطابق پڑھو اور اہلِ عشق اور اہلِ کتاب کے طریقہ کے مطابق پڑھنے سے بچو۔ میرے بعد ایک جماعت آنے والی ہے جو گانے اور نوحہ کرنے والوں کی طرح قرآن مجید بنا بنا کر پڑھے گی۔ ان کا حال یہ ہوگا کہ قرآن اُن کے حلق سے آگے نہ بڑھے گا (یعنی اُن کا پڑھنا قبول نہ ہوگا) وہ لوگ خود بھی فتنہ میں پڑیں گے اور جن کو وہ پڑھنا اچھا معلوم ہوگا، اُن کو بھی فتنہ میں ڈالیں گے۔

فائدہ: لحن کے معانی

۱۔ علامہ خادمیؒ فرماتے ہیں:- اعلم ان اللحن قد یکون بتحریف الکلمات بزیادۃ حرف سواء کان حرف مدّ اوغیرہ او بنقص وقد یکون بتغییر صفات حروفها بان ینقص او یزید شیئًا من کیفیات الحروف کالحرکات والسکنات والمدات وغیر ذالک

منها الادغام والاخفاء واشباع الحرکات وتوفیر الغنات ونحوهما مما یطول تعداده علی ما ذکر فی کتب التجوید ۔ (بریقۂ محمودیہ صـ۲۱۶ ج ۳ ۔ وسیلۂ احمدیہ صـ۲۱۶ ج ۳)

ترجمہ:- لحن کبھی تو کلمات کے تغیر سے ہوتا ہے بایں طور کہ کوئی حرف حروفِ مدہ یا غیر مدہ سے بڑھایا جائے یا کوئی حرف مدہ وغیر مدہ سے کم کر دیا جائے اور کبھی لحن حروف کی صفات بدلنے سے ہوتا ہے بایں طور کہ کیفیاتِ حروف میں کمی و بیشی کی جاوے۔ جیسے حرکات اور سکنات اور مدّات اور ان کے علاوہ ادغام کرنا اور اخفاء کرنا اور حرکات کا بڑھانا اور غُنہ کا زیادہ کرنا اور اسی طرح کی اور باتیں جن کا شمار بہت طویل ہے اور کُتبِ تجوید میں مذکور ہیں۔

۲۔ وقد یستعمل اللحن بمعنی التغنی ۔ یعنی لحن کبھی بمعنی تغنی (گانا) کے آتا ہے۔

۳۔ وقد یطلق ویراد به مجرد حسن الصوت من غیر تغییر لفظٍ ۔ یعنی کبھی لحن سے مراد محض خوش آوازی بلا تغیرِ لفظ مراد ہوتی ہے۔ (بریقۂ محمدیہ صـ۲۱۶ ج ۳ و وسیلۂ احمدیہ صـ۲۱۶ و مجالس الابرار)

لحن اہلِ عرب سے کیا مُراد ہے؟

اہلِ عرب بلا تکلف اور برجستہ قرآن پڑھتے ہیں اُن کی آواز اُن کے دل کی امنگ سے ہم آہنگ ہوتی ہے اُن کے سامنے موسیقی وغیرہ کی طرح کے قواعد نہیں ہوتے۔ نہ وہ خواہ مخواہ کا تکلف کر کے اپنی آواز اور اپنا لہجہ بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی لیے فرمایا گیا ہے کہ ہر مُسلمان کو چاہیئے کہ وہ قرآن کریم اسی خالص لہجہ اور آواز میں پڑھے جو قرآن کی عظمتِ شان اور حقیقت کے مطابق ہو اور وہ اہلِ عرب کا ہی لہجہ ہے۔

علامہ خادمیؒ فرماتے ہیں:- والمراد بلحون العرب اصواتهم الطبعیة التی هی مدّ الممدود وقصر المقصور وترقیق المرقق وتفخیم المفخم وادغام المدغم واظهار المظهر واخفاء المخفی مما هو لازم فی کلامهم الذی هو سلیقة لهم لا یحسنون غیره ۔ (بریقۂ محمودیہ صـ۲۱۶ ج ۳)

ترجمہ:- عرب کے لہجے سے مراد اُن کی طبعی آوازیں ہیں۔ یعنی حرف ممدود کا دراز کرنا اور حرف مقصور

کا تفخر کرنا اور ہلکے کا ہلکا پڑھنا اور پُر کا پُر پڑھنا اور قابلِ ادغام میں ادغام کرنا اور قابلِ اظہار کا اظہار کرنا اور قابلِ اخفاء کا اخفاء کرنا وغیرہ جو اُن کے سلیقہ و طریقہ کے لوازمات ہیں۔

فائدہ:۔ لحن عرب سے زمانۂ نزولِ قرآن کے عرب مراد ہیں۔ جن کے لحون ماہر قراء کی سند کے ساتھ ہم تک پہنچے ہیں، موجودہ عرب مراد نہیں ہیں۔ کیونکہ وہ غیر عربی حروف و حرکات کو اپنی زبان میں داخل کر چکے ہیں۔ (تحفہ مرضیہ شرح مقدمہ جزریہ ص۱۸)

آج کل اہلِ عرب ق کی جگہ گ اور ف کی جگہ پ بولتے ہیں اور اہلِ مصر ج کی جگہ گ بولتے ہیں۔ یہ لوگ عموماً قرآن کو خود ٹھیک پڑھتے ہیں۔ مگر اپنی بول چال میں حروف مذکورہ استعمال کرتے ہیں۔ اور بعض بے احتیاط قرآن کی تلاوت کرتے وقت بھی غلطی کر جاتے ہیں۔ احقر نے مسجد نبوی میں ایک شخص کو سورۃ یوسف پڑھتے ہوئے دیکھا تو السجن اور نا جمنھا میں جیم کی جگہ گاف پڑھتے ہوئے سُنا۔ یہ سخت حرام ہے اور تحریفِ قرآن ہے۔ اعاذنا اللہ وایاھم من ذالک۔

عجمی حروف کو اگر اہلِ عرب اپنی زبان میں استعمال کرنے لگیں تو اس سے وہ حروف لغاتِ قرآن کا جزء نہیں بن سکتے۔ لقد صدق علی القاریؒ حیث قال واما الکاف العجمیۃ وکذا النون الفارسیۃ والباء الفارسیۃ فلیست من اللغات القرآنیۃ وان کانت لغۃ لبعض العرب المصریۃ او الیمانیہ۔ انتہٰی (تحفہ مرضیہ ص۱۲)

لحن اہلِ فسق سے کیا مراد ہے؟

اہلِ عشق اور اہلِ کتاب کے لحن سے مراد یہ ہے کہ جس طرح عشاق اور شعراء اپنی نظمیں اور غزلیں اور اشعار قواعدِ موسیقی کی رعایت کرتے ہوئے آواز بنا کر ترنم اور سُر کے ساتھ پڑھتے ہیں اور قرآن مجید میں گانے کی طرز پر پڑھنا گناہ کبیرہ ہے۔ اس لیے اس کا مرتکب فاسق ہے چنانچہ علامہ خادمیؒ طریقہ محمدیہ کی شرح بریقہ محمودیہ ص۲۱۶ ج۳ پر فرماتے ہیں:۔ وایاکم ولحون اھل الفسق من المسلمین الذین یخرجون القرآن عن موضعہ بالتمطیط بحیث یزاد حرف وینقص حرف فانہ حرام اجماعا کما ذکرہ النووی فی التبیان کذا فی الفیض۔ اھ

اور علامہ رجب بن احمدؒ طریقہ محمدیہ کی شرح الوسیلۃ الاحمدیہ ص۲۱۷ ج۳ پر فرماتے ہیں:۔ والمراد من اللحون اھل الفسق الانغام المستفادۃ من الموسیقی اذ من یفعلھا یکون من اھل الفسق لارتکابہ کبیرۃ فتأمل ولانھم یخرجون القرآن عن موضعہ بالتمطیط بحیث یزید او ینقص فذالک حرام اجماعاً۔ اھ

فائدہ:۔ حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ اصلاح انقلابِ اُمت ص۲۴ پر فرماتے ہیں:۔

"بعضے تجوید کی حقیقت سمجھنے میں غلطی کرتے ہیں۔ یعنی صرف لہجہ کا نام قرأت سمجھ کر اسی کا اہتمام کرتے ہیں اور یا تو خود کوئی طبعی لہجہ اختراع کرتے ہیں اور یا کسی مشاق کی نقل اُتار لیتے ہیں اور اُتار چڑھاؤ و صحت وزن میں اس قدر غلو کرتے ہیں کہ بعضے ضروریات یا مستحبات قرأۃ بھی فوت ہو جاتے ہیں۔ یعنی حرف گھٹا بڑھا دیتے ہیں۔ یا غُنہ یا مد حذف کر دیتے ہیں تاکہ وزن ٹھیک رہے۔ سو اس کی نسبت سرکارِ دو عالمؐ کا ارشاد ہے: اقرءوا القرآن بلحون العرب واصواتھا وایاکم ولحون اھل العشق واھل الکتابین۔ (مشکوٰۃ بحوالہ بیہقی) "تم قرآن مجید کو عربوں کے طریقے اور اُن کے لہجے میں پڑھو، عاشقوں اور اہلِ کتاب کے طریقوں سے بچو۔" یعنی ایسے لحن سے منع فرمایا اور اس کو لحونِ عرب سمجھنا خطاءِ عظیم ہے۔ جیسا کہ شراحِ حدیث نے تصریح کی ہے۔ بلکہ یہ لحن اہلِ عشق و اہلِ کتاب میں داخل ہے جس کو منع فرمایا ہے اور اگر یہ لحن عرب ہوگا تو لحن اہلِ عشق کونسا ہوگا؟ پس خود حدیث کے الفاظ تو اس زعم کا تخطیہ کر رہے ہیں اور لہجہ کا اہتمام تجوید میں تفریط ہے۔" (انتہٰی)

مولانا عبد الباری ندوی تجدید دینِ کامل ص۲۰۲، ص۲۰۳ پر "قرآن کی قوالی" کے عنوان کے تحت فرماتے ہیں:۔

"قاریوں میں تجوید کے ساتھ قرآن سُنانے کا اب ایک نیا طرز یہ دیکھا ہے کہ قوالوں کی سی چوکی بنا بنا کر پڑھتے ہیں کہ ایک ایک آیت دو سرا دوسری آیت اُتار چڑھاؤ کے ساتھ پڑھتا ہے۔ کانوں پر ہاتھ بھی گویّوں کی طرح رکھے جاتے ہیں۔ پہلے پہل یہ تماشہ راقم نے

خود حجاز میں مسجدِ نبوی کے صحن میں دیکھا۔ جو بہت گراں اور ادبِ قرآن کے خلاف معلوم ہُوا۔ پھر حیدر آباد دکن میں بعض مواقع پر اس کا اتفاق ہُوا، جس میں اچھے اچھے علماء شریک تھے مگر احقر کے سوا کسی نے کبھی گرانی ظاہر کی، نہ بے ادبی کا اشارہ کیا۔ مگر جامع المجددین (حضرت تھانوی قدس سرہٗ) کی جامع نگاہِ تجدید سے بھلا کیسے کوئی چیز چھوٹ سکتی تھی۔ فرماتے ہیں :-
ایک اور طریقہ اختیار کیا ہے کہ ایک قاری نے ایک آیت پڑھی، دُوسرے نے دوسری بلکہ کبھی ایک نے آیت کا ایک ٹکڑا پڑھا اور دُوسرے نے پُورا کیا۔ بعض دفعہ سب ملکر ملا کر پڑھتے ہیں اور اگر ایک کے سانس لینے سے دُوسرا آگے بڑھ گیا تو پھر وہ درمیان کے اجزا کو چھوڑ کر آگے سے شریک ہو جاتا ہے۔ یہ سب ظاہر ہے کہ آدابِ قرآن کا ضائع کرنا ہے اور اس میں تغنی مذموم و قطعِ کلمات اور اختلالِ نظم یہ مفاسد علیحدہ ہے۔" انتہٰے

اور تحفہ مرضیہ شرح مقدمہ جزریہ کے مؤلف ممدوح فرماتے ہیں :- آج کل عوام تو عوام بہت سے نام نہاد قاریوں کا یہ حال ہے کہ حسنِ صوت اور لہجہ کے تحسین ہوتے ہی کو تلاوت کی جان سمجھتے ہیں اور تجوید کے مطابق پڑھنے کی خاص ضرورت اور اہمیت نہیں جانتے۔ یہ سخت غلطی ہے۔ انتہٰی۔

اور ملا علی قاریؒ مرقات شرح مشکوٰۃ صہ ۱۳ ج ۵ (مطبوعہ ملتان امدادیہ) پر فرماتے ہیں :
ویشبہ ... ان یکون ما یفعله القراء فی زماننا بین یدی الوعاظ من اللحون العجمیة فی القرآن ما نهی عنه رسول الله صلی الله علیه وسلم ۔ (ترجمہ) ہمارے زمانہ کے بعض قراء جو واعظین و مقررین کے اجلاس میں قرآن مجید عجمی لہجے میں پڑھتے ہیں۔ یہ طرز بھی اس طرز کے مماثل ہے، جس سے آنحضرتؐ نے منع فرمایا ہے۔

فقہاءِ کرام کے اقوال :-

امام ابو اللیث سمرقندی فتاوی النوازل مطبوعہ دکن حیدر آباد صہ ۱۹۳ پر فرماتے ہیں: والمنکرات فی قراءة القرآن اللحن اھ۔ یعنی قرآن مجید پڑھنے میں نغمہ سرائی امرِ منکر ہے۔

اور امام بزازیؒ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کو لحن (نغمہ) کے ساتھ پڑھنا گناہ ہے اور نغمہ کیساتھ پڑھنے والا قاری اور سُننے والا دونوں گناہگار ہیں۔ نیز امام موصوف (فتاویٰ بزازیہ) میں فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں تلحین (نغمہ سرائی) بالاتفاق حرام ہے۔

قال الامام البزازی قرأة القرآن بالالحان معصية والتالی والسامع آثمان وکذا فی مجمع الفتاویٰ وقال البزازی اللحن فیه حرام بلاخلاف۔
(طریقہ الامام البرکلی صہ ۲۳۵ ج ۲)

اور امام برکلیؒ مؤلف طریقہ محمدیہ فرماتے ہیں۔ بدترین نغمہ سرائی وہ ہے جو تلاوتِ قرآن اور ذکرِ الٰہی اور دُعا میں ہو۔ واقبح التغنی ما کان فی القرآن والذکر والدعاء (طریقہ محمدیہ صہ ۲۳۵ ج ۲)

اس کے بعد امام برکلیؒ نے زیلعی اور مؤلف فتاویٰ تاتارخانیہ اور امام تورپشتیؒ اور امام نوویؒ اور امام ماوردیؒ شافعی صاحب کتاب الحاوی کے فتوے نقل فرمائے ہیں کہ یہ سب حضرات قرآن مجید کو گانے کی طرز پر پڑھنے کی حرمت کے قائل ہیں۔ اور امام تورپشتیؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ آج کل کے بعض متکلف و متصنع قاری جو علم موسیقی کے دلدادہ ہیں اور قرآن مجید پڑھنے میں اشعار، غزلیات و مثنویات پڑھنے کا لب و لہجہ اختیار کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اُن کی نغمہ سرائی اور تقطیعات (آرے ٹکڑے الفاظ) کے باعث سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کیا پڑھ رہے ہیں) حالانکہ یہ لب و لہجہ اور طرز بدعتِ شنیع ہے اور کمتر حکم اس بارے میں یہ ہے کہ سامع پر ایسے قاری کے حق میں دل و زبان سے حسبِ مقدور نکیر کرنا لازم ہے اور ایسا نغمہ سرائی کرنے والا قاری تعزیرِ شرعی کا مستحق ہے۔ (طریقہ محمدیہ صہ ۱۴۵ ج ۲)

اور اس مسئلہ کو تفصیل کے ساتھ طریقہ محمدیہ کے ہر سہ شروح۔ حدیقۃ الندیۃ للشیخ عبد الغنی نابلسی صہ ۵۱۰ ج ۲۔ اور بریقہ محمودیہ للخادمی صہ ۲۱۰ ج ۲ و وسیلہ احمدیہ للشیخ رجب ابن احمد صہ ۲۱۰ ج ۲ میں بیان کیا گیا ہے۔ لہٰذا فتح الملہم شرح صحیح مسلم صہ ۳۴۷ ج ۲ اور سنن الہدیٰ صہ ۳۱۰ ۔ اور مجالس الابرار (مجلس صہ ۴۶) ملاحظہ ہوں۔

مسئلہ: کتب فقہ میں مصرح ہے کہ گانے کی طرز پر پڑھنے والے قاری کی قرأۃ کو کان لگا کر سننا بھی جائز نہیں۔ کیونکہ یہ بھی ایک گونہ اشتراک فی المعصیۃ ہے۔

وفی الفقہ لا یحل الاستماع الی من یقرء القرآن بالالحان لان فیہ تشبہا بفعل الفسقۃ فی حال فسقھم وھو التغنی۔ (سنن الہدیٰ ص۳۶ وہکذا فی الطریقۃ المحمدیۃ ص۲۲۵ ج ۲)

مسئلہ: جس شخص کی زبان میں لکنت یا ہکلاپن ہو تو وہ لحن جلی وخفی میں شرعاً معذور سمجھا جائے گا۔ (حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ ص۲۲۵ ج ۲)

مسئلہ تغنی فی الاذان: گو اس مسئلہ کا تعلق آداب القرآن سے نہیں مگر اہم اور قابل توجہ ہونے کی وجہ سے درج کیا جاتا ہے تاکہ اس کا حکم شرعی بھی واضح ہو جائے۔

انتباہ: علامہ شیخ رجب ابن احمد وسیلہ احمدیہ شرح طریقہ محمدیہ ص۲۲ ج ۳ پر فرماتے ہیں:

ثم ینبغی ان یعلم ان السنۃ فی الاذان ان یکون بلا لحن ولا تغن لان المقصود منہ دعوت الخلق الی الصلوٰۃ باعلام دخول وقتہا فلابد ان یکون علیٰ وجہ یفہم السامع معنی الالفاظ حتی یظہر۔ فائدۃ قولہ حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح فان معناھما اسرعوا الی ما فیہ نجاتکم من النار وبقاؤکم فی الجنۃ لکن غیرت ھذہ السنۃ فی ھذا الزمان فی اکثر البلدان لان اھلہا یؤذنون بانواع النغمات والالحان بحیث لا یفہم ما یقولون من الفاظ الاذان ولا یسمع منھم الا اصوات ترتفع وتنخفض کصوت المزمار وھی علیٰ ما ذکر فی المدخل بدعۃ قبیحۃ احدثہا بعض الامراء فی مدرسۃ بناھا ثم سری ذالک منہا الیٰ غیرھا ثم انھم لحرصھم علی التغنی لم یکتفوا بکلمات الاذان بل زادوا علیہا بعض الکلمات من الصلوٰۃ والتسلیم علی النبی۔ فان الصلوٰۃ والتسلیم علی النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام وان کان مشروعا بنص الکتاب والسنۃ وکانت من اکبر العبادات واجلہا لکن اتخاذھا فی الاذان علی المنارۃ لم یکن مشروعا اذ لم یفعلہا احد من الصحابۃ والتابعین ولا غیرھم من آئمۃ الدین ولیس لاحد ... العبادات الا فی مواضعہا التی وضع الشرع ومضیٰ علیہا السلف الا یریٰ ان قرأۃ القرآن

مع کونہا من اعظم العبادات لا یجوز للمکلف ان یقرءھا فی الرکوع ولا فی السجود ولا فی القعدۃ لان کلا منہا لیس محلا للتلاوۃ ہکذا ذکرہ احمد الرومی فی کتابہ۔ (انتہیٰ)

ترجمہ: پھر یہ بات بھی جاننا ضروری ہے کہ اذان میں لحن اور تغنی کا نہ ہونا ہی سنت ہے۔ کیونکہ اذان سے مقصود وقت کے داخل ہونے کی خبر دیکر مسلمانوں کو نماز کے لیئے بلانا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ اذان اس طرح ہو جس سے الفاظ کو سُننے والا بخوبی سمجھ سکے تاکہ حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کہنے کا فائدہ ظاہر ہو۔ کیونکہ ان کلمات کے معنیٰ یہ ہیں، جلد آؤ نماز کے لیے۔ جلد آؤ ایسے کام کے لیے جس میں آگ سے تمہاری نجات ہے۔ اور جنت میں ہمیشہ ٹھکانا ہے۔ لیکن یہ سنت اس زمانے میں اکثر شہروں میں بدل ڈالی گئی ہے اور اس طرح نئے نئے نغمات اور الحان سے اذان کہتے ہیں کہ نہ کچھ سمجھ میں آتا ہے کہ الفاظ اذان میں سے کیا کہتے ہیں اور مزمار کی آواز کی طرح کبھی بلند کبھی پست آوازوں کے ماسوا اور کچھ بھی سنائی نہیں دیتا اور یہ طرز جیسا کہ مدخل میں بیان کیا گیا ہے بدعت قبیحہ ہے۔ سب سے پہلے اس کی ابتداء تو کسی امیر نے اپنے بناکردہ مدرسہ میں کی تھی پھر وہاں سے دوسرے مقامات پر بھی پھیل گئی۔ پھر ان لوگوں نے تغنی کے دلدادہ ہونے کی وجہ سے کلماتِ اذان پر اکتفاء نہ کیا بلکہ اس پر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بعض کلمات درود شریف کا اضافہ کر دیا۔ اس میں شک نہیں کہ درود شریف گو کتاب وسُنّت سے صراحتًہ ثابت ہے اور سب سے بڑی اور افضل عبادت ہے۔ لیکن منارے پر اذان کے اندر اس کی عادت کر لینا شرع سے ثابت نہیں۔ کیونکہ اس طرح نہ صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ میں سے کیا ہے اور نہ آئمہ دین میں سے کسی نے کیا ہے اور کسی کو یہ اختیار نہیں کہ عبادات کو ان مقامات کے سوا جہاں شرع نے ان کو مقرر کیا ہے اور جس کو سلف کرتے چلے آتے ہیں کسی اور وقت یا جگہ میں مقرر کرے۔ دیکھو تلاوتِ قرآن باوجودیکہ سب سے بہتر عبادت ہے۔ لیکن مکلف کو یہ جائز نہیں کہ رکوع اور سجود یا قعدہ میں پڑھے۔ کیونکہ کوئی بھی ان میں سے تلاوت کا محل نہیں۔ انتہیٰ

نوٹ: علامہ مُلّا احمد رومیؒ نے مجالس الابرار کی مجلس ۵۴ میں اس مسئلہ کو نہایت وضاحت سے بیان کیا ہے۔ چنانچہ مجالس الابرار اردو مطبوعہ دہلی ص۳۱۲ ملاحظہ کی جائے۔

کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ص۳۲۱ ج ۱ پر علامہ عبدالرحمٰن جزیریؒ "التغنی فی الاذان" کے عنوان

کے تحت رقمطراز ہیں : التغنی والترنم فی الاذان بالطریقة المعروفة عند الناس فی زماننا ھذا لایقرھا الشرع لانه عبادة یقصد منھا الخشوع للہ تعالیٰ علی ان فی حکمة الات تفصیل فی المذاھب ذکرنا ہ تحت الخط ۔ ترجمہ :۔ اور اُن میں راگ اور لَے کا پیدا کرنا جیسا کہ ہمارے زمانے میں عام طور پر ہو رہا ہے شریعت اسکو درست قرار نہیں دیتی ۔ کیونکہ اذان ایک عبادت ہے جس سے مطلوب اللہ تعالیٰ کے سامنے اظہار فروتنی وخشوع ہے (نہ کہ راگ نکالنا) اس کے بارے میں مختلف مسالک کی تفصیل ذیلی حاشیہ میں ملاحظہ ہو۔

الحنفیة :۔ قالوا التغنی بالاذان حسن ۔ اِلّا اذا ادیٰ الی تغییر الکلمات بزیادة حرکت اوحرف فانه یحرم فعله ولا یحل سماعه ۔ (کتاب الفقہ ص۳۲۱ ج ۱)

ترجمہ :۔ ائمہ احناف فرماتے ہیں کہ اذان میں غنائی کیفیت (تحسین صوت) اچھی بات ہے ۔ لیکن اگر حرکت یا حرف کی زیادتی سے کلمات میں تغیر پیدا ہوجائے تو پھر ایسا کرنا حرام ہے اور ایسی اذان کا سُننا بھی روا نہیں ۔

اور علامہ سید طحطاویؒ مراقی الفلاح کے حاشیہ پر رقمطراز ہیں : الترجیع بالقرأة والاذان بالصوت الطیب طیب مالم یزد حرفا فیکرہ له ولمستمعه ۔ (طحطاوی ص۱۶۳)

ترجمہ :۔ خوش آوازی کیساتھ قرآن خوانی اور اذان کا کہنا مستحسن ہے بشرطیکہ ان میں ایک حرف کی بھی زیادتی نہ ہو ورنہ مکروہ ہے اور سُننے والے کے لیے بھی ایسی قرأت اور اذان کا سُننا مکروہ ہے جسمیں تلحین وراگ ہو ۔

علامہ شامیؒ لکھتے ہیں :۔ وقد ذکر فی البحر انهم صرحوا بانه لایحل سماع المؤذن اذالحن کالقاری ۔ (ردالمختار مطبوعہ مصر بطبع جدید ص۲۹۰ ج ۱)

ترجمہ :۔ بحرالرائق میں مذکور ہے کہ فقہاء نے تصریح کی کہ راگ والی اذان کا سُننا بھی روا نہیں ۔ جیسے راگ والی قرأت کا سُننا جائز نہیں ۔

نوٹ :۔ علامہ شیخ حسنین محمد مخلوف مصری نے اپنی کتاب فتاویٰ شرعیہ وبحوث اسلامیہ ص۴۸ ج ۱ پر بعنوان حرمة تلحین القرآن بالالحان الموسیقیة ۔ ایک مقالہ علامہ استاد سید علی الغایاتی کا نقل کیا جو قابلِ استفادہ ہے ۔

❖

ادب نمبر ۱۵

تفخیم اور مردانہ لہجے سے تلاوت کرنا

یُسْتَحَبُّ قِرَاءَتُهٗ بِالتَّفْخِيْمِ قَالَ الْحَلِيْمِيُّ وَمَعْنَاهُ اَنَّهٗ يَقْرَأُهٗ عَلٰى قِرَاءَةِ الرِّجَالِ وَلَا يَخْضَعُ الصَّوْتَ فِيْهِ كَكَلَامِ النِّسَاءِ

(اتقان ص۱۰۴ ج ۱)

ترجمہ :۔ (قرآن مجید کے آداب عظمت میں سے ایک یہ ہے کہ) قرآن مجید کی تلاوت تفخیم اور موٹے لہجے کے ساتھ کرے اور یہ امر مستحب ہے ۔

کیونکہ حاکم کی روایت کردہ حدیث میں ہے کہ قرآن مجید کا نزول تفخیم کے ساتھ ہوا ہے ۔ اور امام حلیمی رحمۃ اللہ علیہ نے تفخیم کا معنےٰ یہ بیان کیا ہے کہ قرآن کو مردانہ لب ولہجہ میں پڑھے ۔ عورتوں کی طرح لوچدار اور دبی و باریک آواز والے لہجے میں نہ پڑھے ۔ اور طاش کبریٰ زادہ نے مفتاح السعادة ص۳۰۴ جلد ۲ پر اور تبیان امام نووی اور البرہان فی علوم القرآن ص۴۶۷ ج ۱ پر امام زرکشیؒ نے بھی اس ادب کو ذکر فرمایا ہے ۔

(انتہیٰ)

❖

ادب نمبر۱۶

ماہر اساتذہ سے تربیت پاکر تلاوت کرنا

وَلْتَكُنْ تِلَاوَتُهُ بَعْدَ اَخْذِهِ الْقُرْآنَ مِنْ اَهْلِ الْاِتْقَانِ لِهٰذَا الشَّانِ الْجَامِعِيْنَ بَيْنَ الدِّرَايَةِ وَالرِّوَايَةِ وَالصِّدْقِ وَالْاَمَانَةِ ۔ وَقَدْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْتَمِعُ بِهِ جِبْرِيْلُ فِيْ رَمَضَانَ فَيُدَارِسُهُ ۔ (البرہان فی علوم القرآن للزرکشی ص ۴۶۱ ج ۱)

ترجمہ :۔ اور قرآن مجید کی تلاوت اُس وقت ہونی چاہیئے جبکہ قرآن مجید کسی ماہر اُستاد سے جو صاحب درائت اور صاحب صدق و امانت ہو صحت کے ساتھ پڑھ لیا جائے اور آنحضرتؐ کے پاس حضرت جبریلؑ ہر سال ماہ رمضان میں تشریف لایا کرتے تھے اور باہمی قرآن کا دَور کیا کرتے تھے ۔

تشریح :۔ ہر فن کے سیکھنے میں اُستاد کی ضرورت ہوتی ہے اور کسی فن میں اُستاد کے بغیر کمال حاصل نہیں ہوسکتا ۔ چنانچہ سید علوی بن احمد سقافؒ الفوائد المکیۃ فیما یحتاجہ طلبۃ الشافعیۃ ص۲۱ پر رقمطراز ہیں ؎

من یاخذ العلم عن شیخہٖ مشافہۃ ۔ یکن من الزیغ والتحریف فی حرم

ومن یکن اخذ للعلم عن صحف ۔ فعلمہٗ عند اھل العلم کالعدم

ترجمہ (۱) جو شخص استاد سے بالمشافہ علم حاصل کرے گا ۔ ہر قسم کی غلطی اور تحریف سے محفوظ رہے گا۔
(۲) اور جو شخص مطالعہ کتب سے علم حاصل کرے گا ۔ تو اسکا علم اہل علم کی نگاہ میں بے علمی کے برابر ہوگا۔

وقال آخر ؎

وان ابتغاء العلم دون معلم
کموقد مصباح ولیس لہٗ دھن

ترجمہ : بغیر استاد کے علم کا طلب کرنیوالا ایسا ہے، جیسے بغیر تیل کے چراغ روشن کرنے والا ۔

تعلیم قرآن میں استاد کی ضرورت :

قرآن مجید پڑھنے میں فتحہ، کسرہ، ضمہ کی مقدار تلفظ اور الف مدہ، واؤ مدہ، یاء مدہ، واؤ لینہ، یاء لینہ، کھڑا زبر، اُلٹا پیش (ٗ)، نون ساکن کا اظہار و اخفاء، تنوین کا اظہار و اخفاء، ادغام بلا غنہ، ادغام مع الغنہ، اقلاب، اشمام، امالہ، تسہیل، مد لازم، مد متصل، مد منفصل، مشدد حرف کا ساکن سے ملانا، مشدد حرف کی تنوین کا اظہار و اخفاء ۔ دو متصل حرف مشدد اور تین چار متصل مشدد حروف پڑھنے کے قواعد اور اسی طرح سکتہ اور معانقہ اور معرفتِ رموز اوقاف اور اُن کے احکام، قطع و وصل کے احکام یہ سب ماہر استاد کے توسط ہی سے معلوم ہو سکتے ہیں اور قرآن مجید میں اعرابی غلطی سے معنی اور مفہوم میں انتہائی تغیر رونما ہو جاتا ہے ۔ چنانچہ امام قرطبیؒ تفسیر قرطبی ص۲۴ ج ۱ پر لکھتے ہیں :۔

قال قدم اعرابی فی زمن عمر بن الخطاب الی المدینۃ المنورۃ ۔ فقال من یقرئنی مما انزل علی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ۔ قال فاقرأہ رجل سورۃ براءۃ ۔ فقرأ علیہ الآیہ الکریمۃ ان اللہ بریٓ من المشرکین ورسولہ ۔ بالجرای بجر اللام فی رسولہ بدل الضم ۔ فقال الاعرابی اوقد بری اللہ من رسولہ ۔ فان یکن اللہ بری من رسولہ فانا ایضا ابرأ من رسولہ فاستعظم الناس الامر ۔ وبلغ مقالۃ الاعرابی فدعاہ فقال یا اعرابی اتبرأ من رسولہ فقال یا امیر المؤمنین ! انی قدمت المدینۃ ولا علم لی بالقرآن ۔ فسألت من یقرئنی فاقرأنی ھذا الرجل سورۃ براءۃ فقال ان اللہ بری من المشرکین ورسولہ فقلت اوقد بری اللہ من رسولہ ۔ ان یکن اللہ بریٓ من رسولہ فانا ابرأ منہ ۔ فقال عمرؓ ما ھکذا الآیۃ یا اعرابی ۔ قال فکیف ھی یا امیر المؤمنین قال ان اللہ بری من المشرکین ورسولہ ۔ فقال الاعرابی وانا واللہ ابرأ مما بریٔ اللہ ورسولہ منہ ۔ ابرأ من المشرکین ۔ فامر عمر بن الخطاب الا یقرئ الناس الا عالم باللغۃ اھ ۔ (ھکذا فی التبیان فی علوم القرآن)

ترجمہ :۔ امام قرطبی فرماتے ہیں کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں ایک اعرابی مدینہ منورہ زادہا اللہ

میں وارد ہُوا اور اُس نے کہا مجھے کون وہ کلام الٰہی پڑھائے گا جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی ہے۔ چنانچہ ایک شخص نے اس کو سورۂ براۃ پڑھانا شروع کیا۔ جب وہ اس آیت پر پہنچا اِنَّ اللّٰہَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ وَرَسُوْلُہٗ (بے شک خدا مشرکوں سے بے زار ہے اور اس کا رسول بھی) تو اس نے اس آیت میں رَسُوْلُہٗ کے لام پر پیش کے بجائے زیر کے ساتھ وَرَسُوْلِہٖ پڑھا (یعنی اللہ تعالےٰ بری الذمہ ہے مشرکوں سے اور اپنے رسول سے) تو اس اعرابی نے کہا۔ کیا اللہ تعالےٰ اپنے رسول سے بے زار ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنے رسول سے بے زار ہے تو میں بھی اس کے رسول سے بیزار ہوں۔ لوگوں نے اس کی اس بات کو بہت بُرا سمجھا اور جب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تک اس اعرابی کی یہ بات پہنچی تو آپ نے اس کو طلب کر کے دریافت کیا کہ کیا تو اللہ کے رسول سے بیزاری کا اظہار کر رہا ہے۔ اعرابی نے کہا کہ اے امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ! میں مدینہ منورہ میں نو وارد ہوں اور قرآن بالکل نہیں جانتا۔ میں نے خواہش ظاہر کی کہ مجھے کوئی شخص قرآن پڑھائے۔ چنانچہ اس شخص نے مجھے سورۃ توبہ پڑھانا شروع کیا تو اس شخص نے اِنَّ اللّٰہَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ وَرَسُوْلِہٖ (اللہ بے زار ہے مشرکوں سے اور اپنے رسول سے) پڑھا تو میں نے کہا کیا اللہ تعالےٰ اپنے رسول سے بیزار ہے؟ اگر اللہ تعالےٰ اپنے رسول سے بیزار ہے تو میں بھی اُس کے رسول سے بیزار ہوں۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اے اعرابی! یہ آیت اس طرح نہیں ہے۔ تو اس اعرابی نے کہا اے امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ وہ آیت کس طرح ہے؟ آپ نے وہ آیت پڑھی۔ اِنَّ اللّٰہَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ وَرَسُوْلُہٗ (بے شک خدا مشرکوں سے بیزار ہے اور اس کا رسول بھی) پس اس اعرابی نے کہا میں بھی اس سے بیزار ہوں جن سے اللہ تعالےٰ اور اس کا رسول بیزار ہے۔ میں بھی مشرکین سے بے زار ہوں۔ اس کے بعد حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حکم جاری کر دیا کہ ماہر لغت کے بغیر کوئی شخص لوگوں کو قرآن نہ پڑھایا کرے۔ انتہےٰ

بخاری اور مسلم میں مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے سامنے قرآن مجید کی تلاوت فرمائی۔ علامہ عینیؒ عمدۃ القاری شرح بخاری صفحہ ۳۴۵ ج ۹ پر فرماتے ہیں:

بخلاف قرأتہ صلی اللہ علیہ وسلم علی ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فانہ کان لارادۃ تعلیمہ کیفیۃ اداء القرآن

ومخارج الحروف ونحو ذالک اھ۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے سامنے قرآن پڑھنے میں راز یہ تھا کہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو مخارج حروف اور ادا، قرآت کا طریقہ بتلانا مقصود تھا۔

قرآن مجید میں بعض ایسے مقامات ہیں جو ماہر اُستاد ہی صحت کے ساتھ پڑھا سکتا ہے۔

(۱) مثلاً سورۃ ہود کی آیت ۴۱ میں مَجْرٖىهَا۔ اس رکو زیر کو اور زیروں کی طرح نہ پڑھیں گے بلکہ جس طرح ستارے کی ر کا زیر پڑھا جاتا ہے۔ یعنی اردو یائے مجہول کی طرح مُجْرٖے پڑھا جائے گا۔ اس کو اِمالہ کہتے ہیں۔

(۲) سورت حجرات آیت ۱۱ میں بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ۔ اس میں بِئْسَ کا سین کسی حرف سے نہیں ملتا۔ اس کے بعد کا لام اگلے سین سے ملتا ہے اور اس طرح پڑھا جاتا ہے:
بِئْسَ لِسْمُ الْفُسُوْقُ۔

(۳) قرآن مجید میں جہاں کہیں لفظ اَنَا آیا ہے اس میں نون کے بعد کا الف نہیں پڑھا جاتا بلکہ فقط پہلا ہمزہ اور نون زبر کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔

(۴) سورۃ آل عمران کی آیت ۱۴۴ میں اَفَاْئِنْ۔ (ف) کے بعد الف لکھا جاتا ہے۔ مگر پڑھا نہیں جاتا ہے۔ اس طرح اَفَئِنْ۔

(۵) سورۃ آل عمران کی آیت ۱۵۸ میں لَاْاِلَى اللّٰہِ۔ پہلے لام کے بعد الف لکھا جاتا ہے مگر پڑھا نہیں جاتا ہے۔ اس طرح لَاِلَى اللّٰہِ۔

(۶) سورۃ مائدہ آیت ۲۹ میں اَنْ تَبُوْٓءَا۔ میں ہمزہ کے بعد الف لکھا جاتا ہے مگر پڑھا نہیں جاتا جبکہ یوں پڑھتے ہیں۔ اَنْ تَبُوْٓءَ۔

(۷) سورۃ الاعراف آیت ۱۰۳ میں مَلَاْئِہٖ۔ میں لام کے بعد الف لکھا جاتا ہے مگر پڑھا نہیں جاتا۔

(۸) سورۃ توبہ آیت ۴۷ لَاْاَوْضَعُوْا میں لام کے بعد الف لکھا جاتا ہے مگر پڑھا نہیں جاتا۔

(۹) سورۃ ہود آیت ۶۸ اِنَّ ثَمُودَا۔ اور سورۃ رعد آیت ۳۰ میں لِتَتْلُوَا۔ اور سورۃ کہف کی آیت ۱۴ میں لَنْ نَدْعُوَا اور آیت ۲۳ وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اور آیت ۳۸ میں لٰكِنَّا میں الف لکھا جاتا ہے مگر پڑھا نہیں جاتا۔

(۱۰) سورۃ النمل آیت ۲۱ لَا اَذْبَحَنَّهٗ اور سورۃ والصافات آیت ۶۸ لَاِلَى الْجَحِيْم اور سورۃ محمد آیت ۴ لِيَبْلُوَا اور اسی سورۃ کی آیت ۳۱ وَنَبْلُوَا اَخْبَارَكُمْ میں الف لکھا جاتا ہے مگر پڑھا نہیں جاتا۔

(۱۱) قرأت قرآن توقیفی ہے جیسا کہ فِیْهِ کا کلمہ سارے قرآن حکیم میں ہ کی زیر کے ساتھ پڑھا جاتا ہے مگر سورۃ فرقان آیت ۶۹ میں فِیْہٖ پڑھا جانا متواتر اور متوارث ہے۔ اسی طرح قرآن مجید میں عَلَیْهِ آیا ہے۔ مگر سورۃ فتح آیت ۱۰ میں ہ کی پیش کے ساتھ عَلَیْهُ اللّٰه پڑھنا متوارث ہے۔

غرضیکہ اس قسم کے بیسیوں مقامات ہیں جو ماہر اُستاد کے توسط ہی سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ (انتہیٰ)

تذنیب:۔ علامہ ابراہیم شبرخیتی مالکی الفتوحات الوہبیۃ شرح الاربعین النوویۃ ص۱۴۵ پر لکھتے ہیں:۔

کان بعض المتصدرین للقراءۃ فی الجامع العتیق قد حلف بالطلاق انہ لا یجیز احدًا یقرء علیہ القرآن فیستحق الاجازۃ الا بعشرۃ دنانیر۔ فاتفق انہ قرأ علیہ رجل فقیر فلما اکمل سألہ الاجازۃ فاخبرہ بیمینہ فتألم خاطرہ فاخبر بام اصحابہ فجمعوا لہ خمسۃ دنانیر۔ فاتی بہا الشیخ فلم یأخذہ فخرج من عندہ۔ فرأی الجمل یدا دبہ فقال واللّٰہ لا انفقت ھذہ الا فی الحج فاشتری ما یحتاجہ وسار حتی وصل مکۃ فلما قضا مناسکہ رحل الی المدینۃ الشریفۃ فلما وصل الی قبر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم۔ قال السلام

علیک یا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ثم قرأ عشرًا اجمع فیہ الائمۃ السبعۃ وقال ھذہ قرأتی علی فلان عن فلان عنک عن جبریل علیکما الصلوٰۃ والسلام عن اللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ۔ وقد سألت شیخی الاجازۃ فابی علی وقد استعنت بک یا رسول اللّٰہ فی تحصیلہا۔ ثم نام فرای النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقال لہٗ سلم علی شیخک وقل لہٗ رسول اللّٰہ یقول لک اجزنی بلا شئ فان لم یصدقک فقل لہٗ بامارۃ زمرًا زمرًا۔ فلما وصل الفقیر الی مصر اخبر شیخہ وبلغہ الرسالۃ بغیر امارۃ فلم یصدقہ فقال بامارۃ زمرًا زمرًا۔ فصاح الشیخ وخر مغشیا علیہ فلما افاق سألہ اصحابہ عن ذالک فقال کنت کثیرا ما اتلوا القرآن۔۔

فمررت یومًا علی قولہ تعالیٰ ومنہم امیون لا یعلمون الکتاب الا امانی وان ھم الا یظنون فحلفت ان لا اقرأ القرآن الا متدبرًا فہمًا فاقمت لا اتجاوز من القرآن الا الیسیر مدۃ طویلۃ حتی نسیتہٗ فکفرت عن یمینی وشرعت فی حفظہ فحفظتہ فبینما انا اتلو ذات یوم فمررت علی قولہ تعالیٰ ثم اورثنا الکتاب الذین اصطفینا من عبادنا الآیۃ۔ فقلت لیت شعری من ای الاقسام انا ثم قلت لست من الثانی ولا من الثالث بیقین فیتعین ان اکون من القسم الاول فنمت تلک اللیلۃ حزینًا فرایت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقال لی قراء القران انہم یدخلون زمرًا زمرًا ثم اقبل علی الفقیر یقبل وجہہ وقال اشہدکم علی انی قد اجزتہ لیقرأ ویقرئ من یشاء وکل ذالک ببرکۃ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ابدًا ابدًا کما تحب وترضیٰ عدد ما تحب وترضیٰ۔

ترجمہ:۔ جامع عتیق کے ایک شیخ القراء نے طلاق کی حلف اٹھا رکھی تھی کہ قرأت سیکھنے والے کسی شاگرد کو دس دینار کا نذرانہ لینے کے بغیر اجازت (سند فراغت) نہ دوں گا۔ اتفاقی طور پر

ایک مفلس نادار شخص نے بھی اس شیخ سے قرأت سیکھی اور تکمیل کے بعد اُس نے بھی اجازت طلب کی۔ تو شیخ نے اس کو اپنی حلف سے آگاہ کیا۔ جس پر وہ آزردہ خاطر ہُوا اور اس نے اپنے احباب سے اس کا تذکرہ کیا۔ جس پر انھوں نے پانچ دینار جمع کئے۔ یہ شخص وہ پانچ دینار لے کر اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ شیخ نے یہ کم نذرانہ لینے سے انکار کر دیا۔

پس جب وہ شخص وہاں سے واپس ہُوا تو اس کو حرم شریف کی سواری گھومتی نظر آئی۔ اس نے دل میں تہیّہ کر لیا کہ اُن دیناروں کو مصارفِ حج پر صرف کروں گا۔ چنانچہ ضروری اشیاء خرید کر وہ مکہ شریف کو روانہ ہوا اور وہاں پہنچ کر اس نے مناسکِ حج ادا کئے اور فراغت کے بعد مدینہ منورہ زادہا اللہ شرفاً کو روانہ ہوا۔ جب روضہ اقدس پر حاضر ہُوا تو سلام کے بعد اُس نے دس قرأت میں تلاوت کی اور اس کے بعد اس نے اپنی سند مشائخ سے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور جبریل علیہ السلام اور جناب باری سبحانہٗ و تعالیٰ تک بیان کی اور عرض کیا کہ حضرت میں نے اپنے شیخ سے اجازت طلب کی تھی۔ مگر انھوں نے اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ اب میں سندِ فراغت (اجازت) کی تحصیل میں آپ سے مدد کا طلب گار ہوں۔ رات کو وہ شخص خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہُوا اور آپؐ نے فرمایا کہ اپنے شیخ کو سلام کے بعد میرا یہ پیغام پہنچا دے کہ تجھے وہ بلا معاوضہ اجازت دے دیوے۔ اگر وہ تیری تصدیق نہ کرے تو زمرًا زمرًا (گروہ گروہ) کا ثبوت پیش کرنا۔

پس جب وہ فقیر واپس وطن کو لوٹا اور اُس نے اپنے شیخ کو رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچایا۔ تو شیخ نے تصدیق نہ کی۔ چنانچہ اس فقیر نے اپنی صداقت میں زمرًا زمرًا کا کلمہ بطور ثبوت پیش کیا۔ یہ سُنتے ہی شیخ غش کھا کر گر گیا۔ ہوش میں آنے کے بعد اس کے احباب نے غشی طاری ہونے کی وجہ دریافت کی۔ تو شیخ نے کہا کہ میں قرآن مجید بکثرت تلاوت کیا کرتا تھا۔ جب میں ایک دن اس آیت پر پہنچا (وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانِيَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ) اور بعض ان میں اَن پڑھ ہیں کہ اپنے خیالاتِ باطلہ کے سوا (خدا کی) کتاب سے واقف

ہی نہیں اور وہ صرف ظن سے کام لیتے ہیں) تو میں نے اس بات پر حلف اٹھائی کہ آئندہ سمجھ کر تدبّر کے ساتھ قرآن کی تلاوت کیا کروں گا۔ چنانچہ میں اس عہد پر قائم رہا اور عرصۂ دراز تک تدبّر کے ساتھ کم مقدار میں تلاوت کرتا رہا۔ حتیٰ کہ میں قرآن بھول گیا۔ پس میں نے قسم کا کفارہ دے کر یاد کرنا شروع کیا جب میں اس آیت پر پہنچا۔ ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا الآیۃ (فاطر: ۳۲) ترجمہ: پھر ہم نے وارث بنایا کتاب کا ان لوگوں کو کہ جنہیں ہم نے منتخب کیا اپنے بندوں میں سے۔ تو کچھ تو اُن میں سے اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں اور کچھ میانہ رو ہیں اور کچھ خدا کے حکم سے نیکیوں میں آگے نکل جانے والے ہیں) تو میں نے کہا کاش میں جانتا کہ میں کون سے گروہ میں داخل ہوں۔ پھر میں نے خود ہی سوچا کہ دوسرے اور تیسرے گروہ میں تو یقیناً داخل نہیں۔ لامحالہ پہلے گروہ میں داخل ہوں گا۔

پس میں رات کو اسی غم و اندوہ میں سو گیا۔ حتیٰ کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہُوا۔ آپؐ نے فرمایا کہ قاری قرآن جنت میں گروہ در گروہ داخل ہوں گے۔ پھر وہ شیخ اس فقیر کی پیشانی کو چومنے لگا اور حاضرین سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ میں تمہاری موجودگی میں اس کو اجازت دیتا ہوں کہ خود بھی پڑھے اور لوگوں کو بھی پڑھائے اور یہ سب کچھ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہِ کرم کا نتیجہ تھا۔

اللہ تعالےٰ آپ پر کیفاً و کمّاً اپنی پسند کے مطابق ہمیشہ ہمیشہ کے لیے درود و سلام نازل فرمائے۔ آمین!

ادب نمبر ۱۷

افضل طریقِ تلاوت ناظرہ پڑھنا ہے یا زبانی

وَمِنْ حُرْمَتِهٖ اَنْ يُّعْطِيَ عَيْنَيْهِ حَظَّهُمَا مِنْهُ (قرطبی)

ترجمہ :- اور قرآن مجید کے آداب عظمت میں سے ایک یہ ہے کہ اپنی آنکھوں کو بھی قرآن مجید سے بہرہ ور کرے۔

تشریح (۱) حدیث :- عن ابی سعید الخدریؓ قال، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعطوا اعینکم حظها من العبادة قالوا یا رسول اللہ وما حظها من العبادة قال النظر فی المصحف والتفکر فیه والاعتبار عند عجائبه - (قرطبی وعمدة القاری ص۳۳۶ ج۹ وزین العلم ص۱۲)

ترجمہ :- حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی آنکھوں کو بھی عبادت سے محظوظ اور بہرہ ور کرو۔ صحابہ کرامؓ نے دریافت کیا کہ آنکھوں کو عبادت سے بہرہ ور کرنا کس طرح ہوتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا قرآن مجید میں دیکھنا اور اس میں غور و تامل کرنا اور اس کے عجائب اور غرائب سے نصیحت حاصل کرنا ہے۔

(۲) حدیث :- عن عبادة بن الصامتؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل عبادة امتی قراءة القرآن نظرًا - (قرطبی)

ترجمہ :- حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کی بہترین عبادت مصحف میں دیکھ کر قرآن مجید پڑھنا ہے۔

(۳) حدیث :- عن عثمان بن عبد اللہ بن اوس الثقفی عن جدہٖ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قراءة الرجل القرآن فی غیر المصحف الف درجة وقراءته فی المصحف تضعف علی ذالک الفی درجة - (مشکوٰة ص واتقان ص۱۰۱ ج۱)

ترجمہ :- حضرت عثمان ابن عبد اللہ بن اوس ثقفی اپنے دادا (حضرت اوس ثقفیؓ) سے روایت کرتے ہیں کہ

انہوں نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ آدمی کا بغیر مصحف (زبانی) قرآن پڑھنا ہزار درجہ ثواب رکھتا ہے اور مصحف میں (دیکھ کر) پڑھنے کا ثواب زبانی پڑھنے کے ثواب سے دو ہزار درجہ تک زیادہ کیا جاتا ہے۔

(۴) حدیث :- واخرج ابو عبید بسندٍ صحیح فضل قراءة القرآن نظرًا علی ما یقرؤہ ظاهرًا کفضل الفریضة علی النافلة - (اتقان ص۱۰۱ ج۱)

ترجمہ :- اور ابو عبید نے صحیح سند کے ساتھ یہ حدیث روایت کی ہے کہ ناظرہ قرآن خوانی کو حفظ کے ساتھ قرآن پڑھنے پر وہی فضیلت حاصل ہے، جو فرض نماز کو نفل نمازوں پر فضیلت حاصل ہے۔

(۵) حدیث :- واخرج البیهقی بسندٍ حسنٍ عن عبد اللہ بن مسعود موقوفًا ادیموا النظر فی المصحف - (اتقان ص۱۰۱ ج۱ وعمدة القاری ص۳۳۶ ج۹)

ترجمہ :- اور بیہقی نے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے سند حسن کے ساتھ موقوفًا روایت کی ہے کہ مصحف میں ہمیشہ ہمیشہ نظر کرتے رہو۔

(۶) وقال یزید بن حبیب من قرا القرآن فی المصحف خفف عن والدیه العذاب وان کان کافرین - رواه ابن وضاح (عمدة القاری ص۳۳۶ ج۹)

ترجمہ :- حضرت یزید بن حبیب فرماتے ہیں جو شخص مصحف میں دیکھ کر قرآن پڑھتا ہے تو اس کے والدین سے عذاب (برزخی) میں تخفیف کی جاتی ہے۔ اگرچہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہوں۔ روایت کیا اس کو ابن وضاح نے۔

پس ان متعدد روایات سے معلوم ہوا کہ مصحف میں دیکھ کر تلاوت کا ثواب زبانی تلاوت کے ثواب سے زیادہ ہوتا ہے اور ثواب کی زیادتی کی وجہ سے فرماتے ہوئے ملّا علی قاریؒ مرقات ص۳۶۲ ج۴ پر لکھتے ہیں۔

قال الطیبی لحظ النظر فی المصحف وحمله ومسه وتمکنه من التفکر فیه استنباط

معانیہ اھ۔ یعنی انہا من ھذہ الحیثیات افضل والا فقد سبق ان الماھر فی القرآن مع السفرۃ البررۃ وربما تجب القرأۃ غیبا علی الحافظ حفظاً لمحفوظہ۔ اھ

ترجمہ :۔ طیبی فرماتے ہیں (کہ ثواب کی زیادتی کی وجہ یہ ہے) کہ اس میں مصحف کی زیارت اس کا اٹھانا اور مس کرنا نصیب ہوتا ہے۔ اس کے معارف و مطالب پر بخوبی غور و فکر کیا جاسکتا ہے۔ یعنی ان وجوہات کے پیش نظر ناظرہ تلاوت افضل ہے۔ ورنہ پہلے گزر چکا ہے کہ ماہر قرآن (جس کو قرآن خوب یاد ہو) ان فرشتوں کے ساتھ ہوگا جو لکھنے والے نیکوکار ہیں اور بسا اوقات حافظ قرآن پر زبانی تلاوت کرنا واجب ہوتا ہے۔ تاکہ قرآن پاک خوب یاد رہے۔

اور یہی ملا علی قاریؒ زین الحلم شرح عین العلم صفحہ ۸۰ ج ۱ پر فرماتے ہیں :۔

وفی المصحف فھو یتعمف الاجر لاعمال الجوارح) ای من اللسان والعین والاذن لزیادۃ حظ النظر من الحواس وافادۃ نقص الوسواس من اشتغال الناس ومع ھذا لابد من حضور القلب۔ وشعورہ بکلام الرب اھ۔

ترجمہ :۔ اور مصحف میں دیکھ کر پڑھنا زبانی پڑھنے سے افضل ہے۔ کیونکہ اس طرح پڑھنے میں دیگر اعضاء مثلاً زبان، آنکھ اور کان بھی شریک عمل ہوتے ہیں اور ان اعضاء کی شرکت زیادتی ثواب کی موجب ہے اور قرآن مجید کی زیارت سے آنکھ کا بہرہ ور ہونا اور وساوس کا کم ہونا۔

اور امام غزالیؒ احیاء العلوم میں فرماتے ہیں :۔

قرأۃ القرآن فی المصحف افضل اذ یزید عمل البصر و تامل المصحف وحملہ فیزید الاجر بسببہ۔ وقیل ان الختمۃ من المصحف بسبع لان النظر فی المصحف ایضاً عبادۃ وقد خرق ای قطع عثمان مصحفین لکثرۃ قرأۃ منہما وکان کثیر من الصحابۃؓ یقرؤن من المصحف ویکرھون ان یخرج یوم ولم ینظروا فی المصحف

(احیاء العلوم ص ج ۱ و زین الحلم ص ۸۰ ج ۱)

ترجمہ :۔ مصحف میں دیکھ کر تلاوت کرنا افضل ہے کیونکہ اس طرح پڑھنے میں مصحف کی زیارت

اور اس میں غور و فکر کرنا اور اس کو اٹھانا (بہ نسبت زبانی پڑھنے کے) زیادہ نصیب ہوتا ہے۔ اور اسی وجہ سے اس کا ثواب بھی زیادہ ہوتا ہے۔ اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ زبانی پڑھنے سے دیکھ کر پڑھنے کا ثواب زیادہ گنا زیادہ ہے۔ اس لیے کہ مصحف کی زیارت بھی عبادت ہے اور ناظرہ تلاوت کی کثرت کی وجہ سے حضرت عثمانؓ کے پاس دو قرآن خستگی کی حالت کو پہنچ گئے تھے۔ اور اکثر صحابہ کرامؓ کا یہی دستور تھا کہ مصحف میں دیکھ کر ہی تلاوت کیا کرتے تھے اور اس بات کو ناپسند سمجھتے تھے کہ کوئی دن ایسا گزر جائے جس میں وہ مصحف کی زیارت نہ کرسکیں۔

نیز امام غزالیؒ احیاء العلوم پر لکھتے ہیں کہ مصر کے ایک فقیہ حضرت امام شافعیؒ کے پاس سحر کے وقت آئے تو آپ کے سامنے قرآن رکھا ہوا تھا۔ آپ نے اس فقیہ سے کہا تم کو فقہ نے قرآن سے روک دیا ہے۔ مجھے دیکھو کہ میں نماز عشاء پڑھ کر قرآن اپنے سامنے رکھتا ہوں اور صبح تک اس کو بند نہیں کرتا۔ (ہکذا فی زین الحلم ص ۸۰ ج ۱)

اور شیخ عبد الغنی نابلسیؒ حدیقۃ الندیہ ص ۵ ج ۱ پر فرماتے ہیں کہ تین چیزیں قوت حافظہ کو بڑھاتی ہیں اور بلغم کو دور کرتی ہیں۔ (۱) مسواک کرنا (۲) روزہ رکھنا (۳) مصحف میں دیکھ کر قرآن پڑھنا۔

علامہ خادمیؒ بریقہ محمودیہ شرح طریقہ محمدیہ ص ۵۴ جلد ا پر فرماتے ہیں :۔

ولکثرۃ القرأۃ من المصحف قوۃ عجیبۃ مجربۃ لحفظ قوۃ البصر و تقویتہ۔ ترجمہ :۔ اور مصحف میں دیکھ کر بکثرت تلاوت کرنے میں عجیب قوت ہے جس سے بینائی کی حفاظت اور تقویت کا بار بار مشاہدہ کیا گیا ہے۔

قول فیصل

علامہ سیوطی تفسیر اتقان ص ۱۰۸ ج ۱ پر فرماتے ہیں :۔ القرأۃ فی المصحف افضل من القرأۃ من حفظہ لان النظر فیہ عبادۃ مطلوبۃ وقال النووی ھکذا قال اصحابنا والسلف ایضاء لم ار فیہ خلافا قال ولو قیل انہ یختلف باختلاف الاشخاص فیختار

القراءة فيه لمن استوى خشوعه وتدبره في حالة القراءة فيه ومن الحفظ ويختار القراءة من الحفظ لمن يكمل بذلك خشوعه ويزيد على خشوعه وتدبره لو قرأ من المصحف لكان هذا قولا حسناً - اھ -

ترجمہ: مصحف میں دیکھ کر تلاوت کرنا زبانی پڑھنے سے افضل ہے۔ کیونکہ مصحف کا دیکھنا بھی ایک عبادت مطلوبہ ہے اور امام نوویؒ نے فرمایا ہے کہ ہمارے اصحاب کا یہی قول ہے اور سلف بھی اسی بات کے قائل تھے۔ میں نے اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں پایا اور اگر یہ کہا جاتا تو بہت اچھا ہوتا کہ اس بارے میں لوگوں کے اختلاف کے لحاظ سے مختلف حکم ہیں۔ جس شخص کا خشوع اور تدبر زبانی پڑھنے اور ناظرہ پڑھنے دونوں حالتوں میں یکساں رہتا ہے۔ اس کے لیے مصحف دیکھ کر پڑھنا بہتر ہے اور جس کو زبانی پڑھنے میں بہ نسبت مصحف میں نظر جما کر پڑھنے سے غور و فکر اور خشوع قلب کا زیادہ لطف آتا ہے اس کے لیے زبانی ہی پڑھنا بہتر ہے۔

ملا علی قاریؒ مرقات ص۳۷۲ ج ۴ پر فرماتے ہیں :- من هذا اخذ جمع بان القراءة نظراً في المصحف افضل مطلقا وقال آخرون بل غيبا افضل مطلقا ولعله عملا بفعله عليه الصلوة والسلام والحق التوسط - فان زاد خشوعه وتدبره واخلاصه في احدهما فهو افضل والا فالنظر لانه يحمل على التدبر والتأمل في المقروء - اكثر من القراءة بالغيب اھ

ترجمہ: علماء کی ایک جماعت کے نزدیک دیکھ کر پڑھنا مطلقاً افضل ہے اور بعض علماء کے نزدیک آنحضرتؐ کی اقتداء میں زبانی پڑھنا مطلقاً افضل ہے اور حق ان دونوں کے درمیان ہے۔ یعنی زبانی پڑھنے یا ناظرہ پڑھنے کی جس صورت میں بھی خشوع، غور و فکر اور جمعیت قلب زیادہ حاصل ہوتی ہو وہی صورت اُس کے حق میں افضل ہے اور اگر دونوں پہلو برابر و یکساں ہوں تو پھر ناظرہ تلاوت ہی افضل ہے۔ اس لیے کہ ناظرہ تلاوت میں بہ نسبت زبانی (یاد) پڑھنے کے غور و فکر زیادہ حاصل ہوتا ہے - اھ

(هكذا في مفتاح السعادة ص ج)

ادب نمبر ۱۸

مجلس قرآن خوانی میں طریقہ تلاوت

ومن حرمته ان لا يجهر بعض على بعض فيفسد عليه حتى يبغض اليه ما يسمع ويكون كهيئة المغالبة (تفسیر قرطبی)

ترجمہ:- اور قرآن مجید کے آداب عظمت میں سے ایک یہ ہے کہ (جہاں چند آدمی قرآن پڑھتے ہوں) تو وہاں دوسروں کے سامنے قرآن مجید بلند آواز سے نہ پڑھے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کے بلند پڑھنے سے دوسرے کی تلاوت میں خلل واقع ہو اور وہ اس کی قرأت سے متنفر ہو جائے اور ایک دوسرے پر غلبہ حاصل کرنے کی صورت رونما ہونے لگے۔

تشریح:- حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں معتکف تھے۔ آپ نے صحابہ کرامؓ کو بآواز بلند قرأت کرتے ہوئے سن کر اعتکاف کا پردہ ہٹا دیا اور فرمایا خوب سمجھ لو تم میں ہر شخص اپنے پروردگار سے مناجات کر رہا ہے۔ اس واسطے ایک دوسرے کو تکلیف نہ دو اور قرأت میں اپنی آواز دوسرے کی آواز پر بلند نہ کرو۔ (ابوداؤد)

اس ادب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جہاں چند آدمی پڑھتے ہوں، وہاں بلند آواز سے نہ پڑھنا چاہیئے۔ اس لیے کہ ایک دوسرے کی آوازیں ٹکرائیں گی اور اس سے استماع اور انصات کا ترک لازم آئے گا۔

وفي الدرة المنيفة من القنية يكره لاقوام ان يقرءوا القرآن جملة لتضمنها ترك الاستماع والانصات - اھ (طحطاوی علی المراقی ص۱۰۳)

علامہ ابن رجب حنبلیؒ اربعین نوویہ کی شرح جامع العلوم والحکم ص۳۰۱ پر نقل فرماتے ہیں:-

وذكر حرب انه رأى اهل دمشق واهل حمص واهل مكة واهل البصرة يجتمعون على القرآن بعد صلوة الصبح ولكن اهل الشام يقرءون القرآن كلهم جملة من سورة واحدة باصوات عالية

واهل البصرة واهل مكة يجتمعون فيقرأ احدهم عشر آيات والناس ينصتون ثم يقرأ آخر عشر آيات حتى يفرغوا. قال حرب وكل ذالك حسن جميل وقد انكر مالك على اهل الشام قال زيد بن عبيد الدمشقي قال لي مالك بن انس بلغني انكم تجلسون حلقا تقرؤن فاخبرته بما كان يفعل اصحابنا فقال مالك عندنا كان المهاجرون والانصار ما نعرف هذا ۔ اھ

ترجمہ :۔ حربؒ نے بیان کیا کہ اُس نے دیکھا کہ اہلِ دمشق، اہل حمص، اہل مکہ اور اہلِ بصرہ صبح کی نماز کے بعد مجلس قرآن خوانی میں اکٹھے ہوتے ہیں۔ مگر اہل شام کا طریقہ یہ ہے کہ وہ سب کے سب بآوازِ بلند قرآن مجید کی ایک سورۃ اکٹھے ہو کر پڑھتے ہیں اور بصرہ اور مکہ مکرمہ والے جب اکٹھے ہوتے ہیں تو ایک قاری دس آیتیں پڑھتا ہے اور حاضرین خاموشی سے سُنتے ہیں، پھر دوسرا قاری دس آیتیں پڑھتا ہے۔ حتیٰ کہ ان کی مجلس برخاست ہوتی ہے۔ حرب فرماتے ہیں یہ ہر ایک طریقہ عمدہ اور مستحسن ہے۔ مگر اہلِ شام کے طریقہ پر امام مالکؒ نے نکیر فرمائی اور زید بن عبید دمشقی فرماتے ہیں۔ امام مالکؒ نے مجھ سے فرمایا کہ مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ تم حلقے بنا کر قرآن پڑھتے ہو تو میں نے اپنا طریقہ کا بیان کیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ مہاجرینؓ اور انصار ہمارے پاس تھے مگر قرآن خوانی کا یہ طریقہ اُن کے ہاں نہ تھا۔

ترمذی میں روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت کے بارے میں بعض حضرات نے سوال کیا کہ جہراً کرتے تھے یا سرّاً؟ اُنھوں نے فرمایا کہ کبھی جہراً کبھی سرّاً دونوں طرح تلاوت فرماتے تھے۔

تذئیل: قرآن مجید بلند پڑھنا افضل ہے یا آہستہ

پس قرآن مجید کی تلاوت آہستہ اور بلند آواز دونوں طرح سے کی جا سکتی ہے اور ہر ایک کے لیے الگ الگ موقعہ ومحل ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ تلاوت کرنیوالے کو اختیار ہے کہ جس طرح چاہے تلاوت کرے البتہ آواز سے تلاوت کرنے میں چند شرائط سب کے نزدیک ضروری ہیں۔ اوّل یہ کہ اس میں نام ونمود اور ریاء کا اندیشہ نہ ہو۔ دوسرے اس کی آواز سے دوسرے لوگوں کا حرج یا تکلیف نہ ہو۔ کسی دوسرے شخص کی نماز وتلاوت میں یا کام میں یا آرام میں خلل انداز نہ ہو اور جہاں نام ونمود اور ریاء کا یا دوسرے لوگوں کے کام یا آرام میں خلل کا اندیشہ ہو

تو سب کے نزدیک آہستہ ہی پڑھنا افضل ہے۔ (معارف القرآن ص۱۶۸ ج۴)

اور حین العلم مع زین الحلم ص۹۳ ج ۱ پر فرماتے ہیں :۔

ويسر ان خاف الرياء او تشويش مصل فورد يفضل عمل السر على العلانية ضعفا والا يجهر فهو ينبه القلب ويجمع الهمة ويصرف السمع اليه وينفي النوم والكسل ويزيد في النشاط ويوقظ الراقد ويرغب في العبادة فورد ان الملائكة وعمار الدار يستمعون قرأته ويصلون بصلاته والمتعدي افضل وتضاعف النية يضاعف الاجر وللحب النظر الى صلاح القلب فصوب عليه السلام ابابكر في الاسرار وعمر في الجهر بعد الفحص عن النية ۔

ترجمہ :۔ اگر اپنے نفس پر ریاء ونمود کا خوف رکھتا ہو یا کسی کی نماز میں خلل ہوتا ہو تو پھر آہستہ آواز سے پڑھنا چاہیے۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ خفیہ عمل اعلانیہ عمل سے ستر گُنا زیادہ ہے اور اگر ریاء کا خوف اور نمازی کی تشویش کا اندیشہ نہ ہو تو پھر جہر سے پڑھنا افضل ہے اور جہر سے پڑھنا دل کو بیدار کرتا ہے اور (اللہ کی یاد میں) ان کی ہمت کو یکجا کرتا ہے اور اس کے کان کو لطف اندوز ہونے کی وجہ سے) اس کی طرف متوجہ کرتا ہے اور نیند اور سُستی کو دور کر دیتا ہے اور پڑھنے میں نشاط کو زیادہ کرتا ہے اور خفتہ شخص کو بیدار کرتا ہے اور عبادت میں شوق پیدا کرتا ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ بلاشک فرشتے اور اس گھر کے مقیمی مسلمان جنات اس کی قرأت کو کان لگا کر سُنتے ہیں اور اس کے ساتھ نماز میں شریک ہوتے ہیں۔ اور جہر سے پڑھنے کا فائدہ غیر کو بھی پہنچتا ہے اور ظاہر ہے کہ جو خیر دوسرے کو بھی پہنچے وہ اس سے بہتر ہے جو اپنے آپ ہی کو پہنچے۔ نیتوں کی کثرت سے ۔ ب بھی مضاعف ہوتا ہے اور آہستہ اور بلند پڑھنے میں دل کی صلاحیت کی طرف نگاہ رکھنا پسندیدہ بات ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نیت معلوم کرنے کے بعد ہی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی پست آواز میں اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی بلند آواز سے پڑھنے میں ہر دو کی تلاوت کو درست قرار دیا تھا۔

مُلا علی قاریؒ زین الحلم ص۸۵ ج ۱ پر فرماتے ہیں :۔

وسمع سعید بن المسیب ذات لیلۃ فی مسجد النبی صلی اللہ علیہ وسلم عمر بن عبد العزیز یجھر بالقراءۃ فی صلاتہ وکان حسن الصوت فقال لغلامہ اذھب الی ھذا المصلی فقل لہ یخفض من صوتہ فقال الغلام ان المسجد لیس لنا وللرجل فیہ نصیب فرفع سعید صوتہ فقال یا ایھا المصلی ان کنت ترید اللہ عز وجل بصلاتک فاخفض صوتک وان کنت ترید الناس فانھم لن یغنوا عنک من اللہ شیئا فسکت عمر وخفف فلما اسلم اخذ نعلیہ وانصرف وھو یومئذ امیر المدینۃ ۔ اھ

ترجمہ :۔ ایک رات کو مسجد نبویؐ میں حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نماز میں قرأت باٰواز بلند خوش آوازی سے پڑھ رہے تھے کہ سعید بن المسیبؒ نے آپ کی قرأت کو سُنا اور اپنے غلام سے فرمایا کہ اس نمازی کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ اپنی آواز کو پست کرے ۔ غلام نے کہا کہ حضرت ! مسجد ہماری ذاتی ملکیت نہیں (کہ ہم اس نمازی کو منع کریں) بلکہ وہ بھی اس مسجد میں اپنا حق رکھتا ہے ۔ پس سعید بن المسیبؒ نے وہاں ہی سے بلند آواز کے ساتھ پکارا ۔ اے نمازی ! اگر تو اپنی نماز سے محض اللہ تعالےٰ کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتا ہے تو اپنی آواز کو پست کر اور اگر تو لوگوں کو سنانا چاہتا ہے تو پھر یہ لوگ تم کو اللہ تعالےٰ سے بچانے میں ذرہ بھر کام نہ آ سکیں گے یہ سُنتے ہی حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے اپنی آواز کو پست کر دیا اور نماز سے فراغت کے بعد اپنے جُوتے اٹھا کر واپس تشریف لے گئے ۔ حالانکہ وہ ان ایام میں مدینہ منورہ کے گورنر تھے ۔

قولِ فیصل

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح آہستہ قرآن پڑھنے کی فضیلت کے بارے میں احادیث منقول ہیں اسی طرح بلند آواز سے پڑھنے کی فضیلت کے سلسلہ میں احادیث منقول ہیں ۔ لہٰذا دونوں طرح کی احادیث میں مطابقت یہ ہے کہ آہستہ آواز سے پڑھنا تو اس شخص کے حق میں افضل ہے جو ریاء سے بچنا چاہتا ہو اور باٰواز بلند پڑھنا اس شخص کے حق میں افضل ہے جو ریاء میں مُبتلا ہونے کا خوف نہ

رکھتا ہو ۔ بشرطیکہ اس کے باٰواز بلند پڑھنے کی وجہ سے نمازیوں ، سونے والوں یا کسی اور کو تکلیف وایذا نہ پہنچے ۔ باٰوازِ بلند پڑھنا اس لیے افضل ہے کہ اس طرح دُوسروں کو بھی فائدہ پہنچتا ہے بایں طور کہ لوگ سُنتے ہیں ، جس سے اُنہیں ثواب ملتا ہے یا دُوسرے لوگ قرآن سُن سُن کر سیکھتے ہیں یا یہ کہ دوسروں کو قرآن پڑھنے کی ترغیب ہوتی ہے یا اس لیے بھی افضل ہے کہ بلند آواز سے قرآن پڑھنا شعارِ دین اور اللہ کے کلام کا برملا اظہار ہے ۔ پڑھنے والے کے دل کو بیداری حاصل ہوتی ہے اس کا دھیان کسی اور طرف نہیں بٹتا ۔ اُس کے دل کی غفلت کو دور کرتا ہے ۔ نیند کا غلبہ کم کرتا ہے یہ کہ دُوسروں کو عبادت کا شوق دلاتا ہے ۔ بہر کیف ان فوائد میں سے کوئی ایک فائدہ بھی پیشِ نظر ہو تو پھر اس صورت میں باٰواز بلند پڑھنا ہی افضل ہو گا ۔ (مرقات وتفسیر روح البیان ص۲۰۷ ج ۱۰)

علامہ سید طحطاوی مراقی الفلاح کی شرح ص۱۶۳ پر فرماتے ہیں :۔

وفی الحلبی الافضل الجھر بالقراءۃ ان لم یکن عند قوم مشغولین ما لم یخالطہ ریاء ۔ اھ

ترجمہ :۔ اگر قاری کے پاس کام کاج میں معروف لوگ نہ ہوں ۔ نیز اس کی نیت میں ریاء اور نمود بھی نہ ہو تو پھر قرآن مجید کا باٰواز بلند پڑھنا ہی افضل ہے ۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ معارف القرآن ص۱۶۸ ج ۴ پر بحوالہ مظہری و روح البیان لکھتے ہیں :۔

”اور اس کا فیصلہ کہ سرًّا و جہرًا میں سے افضل کیا ہے ۔ اشخاص اور حالات کے اعتبار سے مختلف ہے ۔ بعض لوگوں کے لیے جہر بہتر ہے اور بعض کے لیے آہستہ ۔ نیز بعض اوقات جہر بہتر ہوتا ہے ۔ بعض اوقات پست آواز میں پڑھنا “

اور یہی تفصیل امام نوویؒ سے اتقان ص۱۰۸ ج ۱ میں مذکور ہے اور امام زرکشیؒ نے البرہان فی علوم القرآن ص۴۶۳ ج ۱ پر اور امام غزالیؒ نے احیاء العلوم ادب نہم میں یہی تفصیل ذکر فرمائی ہے ۔ (انتہیٰ)

ادب نمبر ۱۹

بوقتِ تلاوت مختلف سورتوں سے آیات کا انتخاب کرنا

وَمِنْ حُرْمَتِهٖ إِذَا قَرَءَهُ اَلَّا يَلْتَقِطُ الْاٰيَ مِنْ كُلِّ سُوْرَةٍ فَيَقْرَأُهَا فَاِنَّهٗ رُوِيَ لَنَا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ مَرَّ بِبِلَالٍ وَهُوَ يَقْرَأُ مِنْ كُلِّ سُوْرَةٍ شَيْئًا فَاَمَرَهٗ اَنْ يَقْرَأَ السُّوْرَةَ كُلَّهَا اَوْ كَمَا قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ (تفسیر قرطبی)

ترجمہ :- اور قرآن مجید کے آداب عظمت میں سے ایک یہ ہے کہ جب قرآن پاک کی تلاوت کرے تو ہر سورۃ سے آیات کو چھانٹ چھانٹ کر نہ پڑھے۔ اس لیے کہ آنحضرتؐ کا جب حضرت بلالؓ پر گزر ہوا (یعنی قریب سے گزرے) اور وہ ہر سورۃ سے کسی قدر آیات کو چھانٹ کر پڑھ رہے تھے تو آپ نے حکم دیا کہ ایک سورۃ پوری پڑھو (اور اس طرح سے چھانٹ کر نہ پڑھو) یا اس کی مانند کوئی ارشاد فرمائی۔

تشریح :- امام سیوطیؒ تفسیر اتقان صفحہ ۱۰۹ ج ۱ پر فرماتے ہیں کہ ایک سورت کو دوسری سورت سے خلط ملط کرکے پڑھنا، اس کے متعلق حلیمی نے کہا ہے کہ اس کا ترک کر دینا آداب قرآن میں سے ہے۔

(۱) اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو ابو عبیدؒ نے سعید بن المسیبؒ سے روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلالؓ کے پاس سے گزرے اس وقت حضرت بلالؓ تھوڑا سا کسی سورت میں سے اور تھوڑا سا کسی سورت میں سے ملا ملا کر قرآن پڑھ رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلال! میں تمہاری طرف آیا تھا۔ میں نے دیکھا کہ تم ایک سورت اور دوسری سورت کو باہم ملا کر پڑھ رہے تھے۔ بلالؓ نے جواب دیا۔ میں نے ایک پاک چیز کو پاک چیز کے ساتھ ملایا تھا۔ رسول اللہ نے اُن سے فرمایا تم سورت کو اس کی بجنسہٖ حالت پر قرأت کیا کرو یا اسی کی مانند کوئی ارشاد فرمائی اور یہ حدیث مرسل اور صحیح ہے اور ابو داؤد کے نزدیک یہ حدیث ابو ہریرہؓ سے بغیر آخری حصہ کے موصول ہے۔

(۲) اور ابو عبیدؒ نے اس کی ایک دوسرے طریقے پر عفرہ مولیٰ عمرؓ سے یوں بھی روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالے عنہ سے فرمایا کہ جب تم کسی سورت کی قرأت کرو تو اُسے پورا کر دیا کرو۔

(۳) اور ابو عبیدؒ نے ہی کہا کہ ہم سے معاذ نے کہا ہے کہ ابن عوف نے کہا ہے کہ میں نے ابن سیرینؒ سے اس شخص کی بابت دریافت کیا جو ایک سورۃ سے دو آیتیں پڑھ کر پھر اسے چھوڑ دے اور دوسری آیت پڑھنے لگے۔ تو ابن سیرینؒ نے کہا تم میں سے ہر شخص کو بے خبری میں بھی اس طرح کے بڑے گناہ کرنے سے پرہیز کرنا چاہیئے۔

(۴) ابو عبیدؒ کا قول ہے کہ ہم جس بات کو بیان کرتے ہیں وہ متعدد سورتوں کی مختلف آیتوں کی قرأت ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلالؓ کے لیے ناپسند فرمایا ہے اور اس کو اس سے منع فرمایا جس سے ابن سیرینؒ نے اس کو پسند نہیں کیا۔ (اتقان صفحہ ۱۰۹ ج ۱)

ایک استثناء

حضرت مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی علم الفقہ صفحہ ۳۰۸ پر رقمطراز ہیں :-

قرآن مجید کی مختلف سورتوں کی آیتوں کے ایک ساتھ ملا کر پڑھنے کو علماء نے مکروہ لکھا ہے۔ اس وجہ سے کہ حضرت بلالؓ کو آپؐ نے اس سے منع فرمایا تھا۔ (اتقان وغیرہ)

مگر میرے خیال میں یہ کراہت اس وقت ہوگی جبکہ ان آیتوں کی تلاوت ثواب کی غرض سے ہو۔ اس لیے کہ جھاڑ پھونک کے واسطے مختلف آیتوں کا ایک ساتھ پڑھنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب سے بصحت منقول ہے اور ہر ایک آیت کے خواص جداگانہ ہیں۔ لہٰذا جو خاص اثر ہمیں مطلوب ہے وہ جن جن آیتوں میں ہوگا ہم کو ان کا پڑھنا ضروری ہے۔ انتہٰے

نیز اس کے متعلق فتاوی الحدیثیہ لابن حجر مکی صفحہ ۲۰ ملاحظہ ہو۔

ادب نمبر ۲۰

امثالِ قرآنی سے عبرت پکڑنا

وَمِنْ حُرْمَتِهٖ اَنْ يَّقِفَ عَلٰى اَمْثَالِهَا فَيَمْتَثِلَهَا (قرطبی)

ترجمہ :- اور قرآن مجید کے آداب میں سے ایک یہ ہے کہ بوقت تلاوت امثال قرآنی پر ٹھہرے اور عبرت حاصل کرے۔

تشریح :- امثالِ قرآنی کا موضوع بھی مفسرین حضرات کے نزدیک اہم ترین موضوع ہے۔ علمائے مفسرین نے اپنی اپنی تفاسیر میں امثال پر سیر حاصل تبصرہ کرنے کے علاوہ مستقل اور علیحدہ کتابیں بھی تالیف فرمائی ہیں جن میں شیخ محمد بن حسین سلمی نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ اور امام ابوالحسن ماوردی متوفی ۴۵۰ھ اور علامہ شمس الدین ابن القیم الجوزی ۷۵۱ھ کی امثال القرآن قابلِ استناد ہیں۔

قرآنی مباحث میں امثال کی جو اہمیت و افادیت ہے وہ اہلِ علم سے مخفی اور پنہاں نہیں۔ یہ ایک فطری اور طبعی امر ہے کہ مقامِ موعظت اور نصیحت میں امثال کا ذکر مخاطب کے لیے نہایت ہی مؤثر اور دل نشین طرزِ کلام ہے۔ اسی طرح امورِ معنویہ کو مخاطب کے سامنے محسوس و مشاہد اور ان کے محاسن و قبائح کو نمایاں کر دینا ہی تمثیلات ہی کے ذریعے ممکن ہے۔ کتبِ سابقہ تورات و انجیل میں بھی بکثرت مضامین تمثیلی رنگ میں بیان کئے گئے تھے۔ قرآن کریم نے بھی اپنی شانِ بلاغت کے ساتھ طرزِ خطاب کے اس مؤثر طریقہ کو معجزانہ انداز میں اختیار کیا ہے کیونکہ قرآن مجید جن حقائق سے آگاہ کرنا چاہتا ہے وہ قریب قریب سب کے سب غیر مرئی اور غیر محسوس ہیں۔ کیونکہ مثال بیان کرنے کی غرض ہی یہ ہوتی ہے کہ مسئلہ کو ذہن کے سامنے زیادہ کھول کر اور زیادہ وضاحت کے ساتھ لے آئے اور یہ طرزِ بیان قرآن مجید میں بڑی کثرت سے اختیار کیا گیا ہے۔ چنانچہ علامہ محمد زکی صالح نے آیاتِ امثال قرآن کو اپنی کتاب "الترتیب والبیان عن تفصیل آی القرآن" جلد دوم از ص ۱۷۷ تا ص ۱۹۶ پر بالاستیعاب درج فرمایا ہے اور قرآن کریم نے ضرب الامثال کی حکمت خود ہی

بیان فرمادی ہے۔

(۱) وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ (سورۃ ابراہیم آیت : ۲۵)

ترجمہ :- اور اللہ لوگوں کے لیے تمثیلات اس لیے بیان کرتا ہے تاکہ وہ خوب سمجھ لیں۔

(۲) وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ (سورہ حشر آیت : ۲۱)

ترجمہ :- اور ہم ان مثالوں کو لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ سوچیں۔

(۳) وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ۔ (سورۃ روم : ۵۸ و سورۃ زمر ۲۷)

ترجمہ :- اور ہم نے لوگوں کے لیے اس قرآن میں ہر طرح کے مضمون بیان کئے ہیں۔

(۴) وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ (عنکبوت : ۴۳)

ترجمہ :- اور ہم ان مثالوں کو لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں اور انہیں بس علم والے ہی سمجھتے ہیں۔

اور علامہ زرکشی نے البرہان فی علوم القرآن ص ۴۸۶ ج ۱ پر مندرجہ ذیل حدیث نقل کی ہے :-

وقد روی البیهقی عن ابی هریرة رضی الله عنه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال ان القرآن نزل علی خمسة اوجه۔ حلال وحرام۔ محکم ومتشابه وامثال۔ فاعملوا بالحلال واجتنبوا الحرام واتبعوا المحکم وآمنوا بالمتشابه واعتبروا بالامثال۔ ترجمہ :- امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن مجید میں پانچ چیزیں نازل ہوئی ہیں۔ حلال و حرام۔ محکم و متشابہ اور امثال۔ پس حلال پر عمل کرو اور حرام سے بچو اور محکم کا اتباع کرو اور متشابہ پر ایمان لاؤ اور امثال سے عبرت حاصل کرو۔ انتہٰی

غرضیکہ قرآن مجید کی تمثیلات کا مضمون بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ ان میں غور و خوض کرنا مطالبِ قرآنی کو سمجھنے کے لیے نہایت ضروری اور لازمی ہے۔ اگر مشبع بیان پڑھنا مطلوب ہو تو پھر تفسیر اتقان ص ۱۳۱ ج ۲ ملاحظہ ہو۔

❖

ادب نمبر ۲۱

آیاتِ رحمت پر دُعاءِ رحمت اور آیاتِ وعید پر پناہ جوئی

ومن حُرمتِهٖ اَن یقف علیٰ آیة الوعدِ فیرغبَ الی اللّٰه و یسالَهٗ مِنْ فضلِهٖ واَنْ یقفِ علیٰ آیة الوعید فیستجیرُ باللّٰهِ منهُ (القرطبی)

ترجمہ :- اور قرآن مجید کے آدابِ عظمت میں سے ایک یہ ہے کہ اگر تلاوت کے وقت وہ آیت پڑھنے میں آجائے جس میں رحمت کا ذکر اور مغفرت کا وعدہ ہو تو اس آیت پر ٹھہر جائے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے رحمت و فضل و کرم کی دُعا مانگے اور اسی طرح اگر وہ آیت پڑھے جس میں عذاب کا ذکر ہو تو اس آیت پر ٹھہر جائے اور عذاب الٰہی سے پناہ طلب کرے۔

تشریح :- قرآن مجید کی آیاتِ مقدسہ میں جس قسم کا تذکرہ ہو اسی قسم کا عرفان حاصل کرنا چاہیے۔ مثلاً جہاں اللہ سبحانہ تعالیٰ نے ذات و صفات یا افعال کا تذکرہ فرمایا ہے وہاں سے خدا کی عظمت و جلال کی معرفت حاصل کرنی چاہیے اور جہاں کافروں کی ہلاکت و تباہی و بربادی کا ذکر آئے۔ اللہ تعالیٰ کی قہاری و جباری کا استحضار ہونا چاہیے۔ جہاں رحمت کا ذکر ہو تو وہاں سلامتی ایمان اور جنت کی دُعا کی جائے اور جہاں عذاب کا ذکر ہو تو وہاں اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ معارف القرآن ص ۵۹۲ ج ۷ پر بحوالہ ابن کثیر ایک عجیب واقعہ کے عنوان سے تحریر فرماتے ہیں :-

"حضرت ثابت بنانیؒ فرماتے ہیں کہ میں حضرت مصعب بن زبیرؓ کے ساتھ کوفہ کے علاقہ میں تھا میں ایک باغ کے اندر چلا گیا کہ دو رکعت پڑھ لوں۔ میں نے نماز سے پہلے حٰمٓ المؤمن کی آیتیں اِلَیْهِ الْمَصِیْرُ تک پڑھیں۔ اچانک دیکھا کہ ایک شخص میرے پیچھے ایک سفید خچر پر سوار کھڑا ہے۔ جس کے بدن پر یمنی کپڑے ہیں۔ اس شخص نے مجھ سے کہا کہ تم غَافِرِ الذَّنْبِ کہو تو اس کے ساتھ یہ دُعا پڑھو یَا غَافِرَ الذَّنْبِ اغْفِرْ لِی۔ یعنی اے گناہوں کے معاف کرنے والے! مجھے معاف کر دے۔ اور جب تم پڑھو

قَابِلَ التَّوْبِ۔ تو یہ دُعا کرو۔ یَا قَابِلَ التَّوْبِ اَقْبِلْ تَوْبَتِیْ۔ یعنی اے توبہ کے قبول کرنے والے! میری توبہ قبول فرما۔ پھر جب پڑھو شَدِیْدُ الْعِقَابِ۔ تو یہ دُعا کرو یَا شَدِیْدَ الْعِقَابِ لَا تُعَاقِبْنِیْ یعنی اے سخت عذاب والے! مجھے عذاب نہ دیجئے۔ اور جب ذِی الطَّوْلِ پڑھو تو یہ دُعا کرو یَا ذِی الطَّوْلِ طُلْ عَلَیَّ بِخَیْرٍ۔ یعنی اے احسان کرنے والے مجھ پر انعام فرما۔ ثابت بنانی کہتے ہیں یہ نصیحت اس سے سُننے کے بعد جو اُدھر دیکھا تو وہاں کوئی نہ تھا۔ میں اُس کی تلاش میں باغ کے دروازے پر آیا۔ لوگوں سے پُوچھا کہ ایک ایسا شخص یمنی لباس میں یہاں سے گزرا ہے۔ سب نے کہا کہ ہم نے کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا۔ ثابت بنانیؒ کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ الیاس علیہ السلام تھے اور دوسری روایت میں اس کا ذکر نہیں۔ انتہیٰ

قاضی عیاضؒ شفاء شریف میں یہ حدیث نقل فرماتے ہیں :- وقال عوف بن مالکؓ کنت مع رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم لیلةً فستاك ثم توضأ ثم قام فصلی فقمت معهٗ وبدأ فاستفتح البقرة فلا یمر بآیة رحمةٍ الا وقف فسأل ولا یمر بآیةِ عذابٍ الا وقف وتعوذ (شفاء) ترجمہ :- حضرت عوف بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ آپ نے مسواک فرمائی۔ پھر وضو کیا۔ پھر آپ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے۔ میں بھی آپ کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ آپ نے سورہ بقرہ شروع کی اور پھر آپ جب رحمت کی آیت پر پہنچتے تو ٹھہر جاتے اور دُعا مانگتے اور آیتِ عذاب پر پہنچتے تو جب بھی ٹھہر جاتے اور پناہ مانگتے۔

اس حدیث کے تحت علامہ خفاجی نسیم الریاض ص ۱۸۵ جلد ۲ میں مطبوعہ فرماتے ہیں :-

ویؤخذ منه ینبغی لمن قرأ القراٰن ان یتدبر ویتذکر فی معانیه۔ وان الدعاء بما یناسبهٗ مستحاب فیدعو بما یناسبه واذا ذکر الایمان بالله یستحب ان یقول اٰمنتُ بالله و نحوه۔ ونحو هذا ما ورد ان من قرأ سورة تبارك فبلغ فمن یاتیکم بماءٍ معین فلیقل الله رب العالمین۔ واذا قرأ سورة التین فبلغ الیس الله باحکم الحاکمین فلیقل بلیٰ وانا علیٰ ذالك من الشاهدین۔ واذا قرأ لا اقسم بیوم القیامة وبلغ قوله الیس ذالك بقادرٍ

علی ان یحیی الموتی فلیقل بلی واذا قرء والمرسلات عرفا فبلغ فبای حدیث بعدہ یؤمنون فلیقل اٰمنا باللہ واذا قرء سبح اسم ربک فلیقل سبحان ربی الاعلی۔ واذا قرء سورۃ الرحمٰن فلیقل عند کل فبای الاء ربکما تکذبان۔ ولا بشیء من نعمک ربنا نکذب وکل ذالک ورد فی الاحادیث الصحیحۃ وھذا نظیر سجود التلاوۃ الا ان من الناس من فعل امورا زائد علی ما ورد کالدعاء بین الجلالتین فی سورۃ الانعام وقد قال البقاعیؒ انہ بدعۃ لم یرد فی اثر ولا حدیث۔ اھ

ترجمہ:۔ علامہ خفاجیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے مستنبط ہوتا ہے کہ قاری قرآن کے معانی میں غور وفکر کرے اور اس سے نصیحت حاصل کرے اور موقعہ کے مناسب دعا مانگنا مستحب اور مستحباب ہے۔ پس قاری اس موقعہ کے مطابق دعا مانگے۔ چنانچہ جب آیت میں ایمان باللہ کا ذکر آئے تو اٰمنت باللہ کہے اور جب سورۃ تبارک الذی کے خاتمہ فمن یاتیکم بماء معین (تو کون تمہارے پاس لا موجود کریگا جاری پانی) پر پہنچے تو اس کے بعد اللہ رب العالمین (یعنی اللہ پروردگار جہان ہے) اور جب سورۃ والتین کے خاتمہ الیس اللہ باحکم الحاکمین (کیا اللہ سب حاکموں سے بڑا حاکم نہیں) پر پہنچے تو بعد کہے۔ بلیٰ وانا علیٰ ذالک من الشاھدین (کیوں نہیں اور میں اس پر گواہی دینے والوں سے ہوں) اور جب سورۃ القیامۃ پڑھے اور آخر خاتمہ الیس ذالک بقادر علی ان یحیی الموتیٰ (کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ زندہ کرے مُردوں کو) پر کہے بلیٰ (بے شک اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے) اور جب سورۃ المرسلات پڑھے اور اسکے خاتمہ یعنی آیت فبای حدیث بعدہ یؤمنون (تو کون سی بات پر اس قرآن کے بعد ایمان لائیں گے) پر پہنچے تو اس کے بعد لے اٰمنا باللہ (یعنی ہم خدا پر ایمان لائے) اور جب سورۃ سبح اسم ربک پڑھے تو کہے سبحان ربی الاعلیٰ (پاک ہے پروردگار میرا عالی شان والا) اور جب سورۃ الرحمٰن پڑھے تو ہر بار فبای الاء ربکما تکذبان (اے جن وانس کون کونسی نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے) کے بعد ولا بشیء من نعمک ربنا نکذب (اے ہمارے پروردگار ہم تیری کسی نعمت کو نہیں جھٹلاتے ہیں) کہنا چاہیئے۔

یہ سب کلمات احادیث صحیحہ میں وارد ہیں (اور یہ قرآن میں اضافہ اور زیادتی نہیں) بلکہ ان کی

مثال سجود تلاوت جیسی ہے۔ ہاں البتہ بعض لوگ جو ان کلمات ماثورہ کے علاوہ ایک امر زائد پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ مثلاً سورۃ انعام میں جلالتین (یعنی دو لفظ اللہ) کے درمیان دعا مانگتے ہیں۔ وہ بقول امام بقاعیؒ سراسر بدعت ہے۔ کیونکہ اس کے متعلق نہ تو کوئی حدیث نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام وارد ہے اور نہ ہی کوئی اثر صحابی۔ انتہٰی

اور آدابِ قرآنی کے سلسلہ میں صاحب عین العلم فرماتے ہیں:۔

وَیَسْئَلُ اِنْ مَرَّ بِآیَۃِ رَحْمَۃٍ وَیَتَعَوَّذُ عَنْ مَخُوْفٍ وَیُوَافِقُ ذِکْرًا اَوْ دُعَاءً فَالْکُلُّ مَاثُوْرٌ (عین العلم ص۴۰)

ترجمہ:۔ اگر تلاوت کنندہ ایسی آیت پر گزرے جس میں اس چیز کا بیان ہو جس کا وہ امیدوار ہو (مثلاً رحمتِ خداوندی اور سلامتی ایمان اور حصولِ جنت ولقاء مولیٰ) تو اس کی دعا مانگے اور اگر ایسی آیت پر گزرے جس میں وعید اور خوفناک امر کا بیان ہو (مثلاً عذابِ جہنم یا غرق وحرق وہلاکت وتباہی وبربادی عذابِ خداوندی وغیرہ) تو اس سے پناہ طلب کرے اور اگر آیت میں ذکر یا دعا کا بیان ہو تو اس کے موافق ذکر الٰہی کرے اور دعا مانگے۔ یہ سب احادیث میں منقول ہیں۔

اور زین الحلم شرح عین العلم ص۴۸ ج۱ میں ملا علی قاریؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:۔

ویوافق ذکرا وکذا یوافق تسبیحا وتکبیرا کما اذا قرء یاایھا الذین اٰمنوا اذکروا اللہ ذکرا کثیرا وسبحوہ بکرۃ واصیلا۔ فیذکر ثلاث مرات او اکثر ویسبح کذالک۔ او دعاء کما اذا قرء ادعونی استجب لکم واجیب دعوۃ الداع اذا دعان۔ وکذا استغفر فی مقام یلیق بہ کقولہ تعالیٰ استغفروا ربکم انہ کان غفارا فالکل ماثور بل مروی مذکور قال حذیفۃ صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فابتدا سورۃ البقرۃ فکان لا یمر بآیۃ عذاب الا استعاذ ولا بآیۃ رحمۃ الا سأل ولا بآیۃ تسبیح الا سبح رواہ مسلم باختلاف لفظ اھ۔ ترجمہ:۔ اور اگر آیت میں ذکر کا بیان ہو تو اس موقعہ پر ذکر کرے اور اگر آیت میں تسبیح اور تکبیر کا بیان ہو تو پھر اس موقعہ پر تسبیح وتکبیر کہے۔ مثلاً یاایھا الذین اٰمنوا اذکروا اللہ ذکرا کثیرا وسبحوہ بکرۃ واصیلا پڑھے تو تین بار یا اس سے

زیادہ ذکرِ الٰہی کرے اور اسی طرح تسبیح بھی کہے اور اگر آیت میں دُعا کا بیان ہو مثلاً اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ۔ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ۔ تو اس موقعہ پر دُعا مانگے اور اگر استغفار کا بیان ہو مثلاً اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّکُمْ اِنَّہٗ کَانَ غَفَّارًا۔ تو اس موقعہ پر استغفار پڑھے اور یہ سب ماثور اور احادیث میں مذکور ہیں۔ حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز شروع کی تو آپؐ نے سورۃ بقرہ پڑھنا شروع کیا۔ جب آپؐ آیت عذاب پر پہنچے تو خدا تعالےٰ سے پناہ طلب کرتے اور جب آیت رحمت پر پہنچے تو رحمت کی دُعا مانگتے اور جب آیت تسبیح پر پہنچتے تو تسبیح پڑھتے۔ اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ انتہٰی

اور امام سیوطیؒ تفسیر اتقان صـ۱۰۱ ج ۱ پر لکھتے ہیں :۔

وقال النووی ومن الآداب اذا قرء نحو وقالت الیھود عزیر ابن اللّٰہ وقالت الیھود ید اللّٰہ مغلولۃ ان یخفض بھا صوتہٗ کذا کان النخعی یفعل : ترجمہ: امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ آدابِ تلاوت میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ جب آیت پاک وقالت الیھود عزیر ابن اللّٰہ اور وقالت الیھود ید اللّٰہ مغلولۃ۔ یا اسی طرح کی دُوسری آیتوں کو پڑھا جائے تو پڑھنے والا اپنی آواز کو پست کرے۔ چنانچہ نخعی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ انتہٰی

امام زرکشیؒ نے بھی اس ادب کو البرہان فی علوم القرآن صـ۴۵۰ ج ۱ میں مفصل بیان کیا ہے :۔

فائدہ :۔ اس ادب کا تعلق صرف قاریٔ قرآن سے ہے، سُننے والے کے لیے یہ جائز نہیں کہ آیتِ رحمت پر دُعاءِ رحمت کرے اور آیت وعید پر پناہ طلب کرے بلکہ اس کے لیے ادب یہ ہے کہ وہ خاموشی کے ساتھ کان لگا کر سُنے یہی اس کے لیے موجبِ رحمت ہے۔ چنانچہ تفسیر مظہری صـ۴۵۲ ج ۳ پر ہے :۔ لا یجوز الدعاء والتعوذ للسامع اذا قرء القاری فی القرآن ذکر الجنۃ والنار لما ذکرنا من قول الکلبی۔ قال ابن الھمامؒ ان اللّٰہ وعدہ بالرحمۃ اذا استمع حیث قال فاستمعوا لہ وانصتوا لعلکم ترحمون ووعدہ حتم واجابۃ دعاء المتشاغل عنہ بہ غیر مجزوم بہ۔ اھ

ادب نمبر ۲۲

شدتِ تاثر سے کسی ایک آیت کو بار بار پڑھنا

وَیُرَدِّدُ مِرَارًا فَقَدْ قَامَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ لَیْلَۃً بِاٰیَۃٍ

(عین العلم صـ ۶۳)

ترجمہ :۔ (اور حقِ تلاوت سے یہ بھی ہے) کہ آیت کو (ذوق حاصل کرنے کے لیے) کئی بار دُہرا دُہرا کر پڑھے۔ پس تحقیق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (نماز میں) پوری رات ایک آیت دُہراتے دُہراتے گزار دی۔

(۱) تشریح :۔ ترمذی و ابن ماجہ میں حضرت ابوذر غفاریؓ سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے نماز میں یہ آیت اِنْ تُعَذِّبْھُمْ فَاِنَّھُمْ عِبَادُکَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَھُمْ فَاِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ۔ پڑھتے پڑھتے صبح کی۔ (زین العلم صـ۹۰ ج ۱)

علامہ خفاجیؒ نسیم الریاض شرح شفاء صـ۱۵۹ ج ۲ پر اس حدیث مذکورہ کے تحت لکھتے ہیں :۔

وانما اکثر تردادھا للتدبر والتفکر فیھا فان القرآن لہ بطون سبعۃ ففی کل قراءۃ یظھر لہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم مالم یظھر قبل واللّٰہ تعالیٰ تجلی لخلص عبادہ فی کلامہ ولکن لا تبصرون۔ کما روی عن جعفر الصادق رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ ففی کل قراءۃ یتجلی لہ اللّٰہ فی مرأۃ کلامہ ومثل ھذا لا تفی بہ العبارۃ۔ اللّٰھم نور مشکاۃ قلوبنا حتی تنطبع فیھا صور الحقائق۔ اھ

ترجمہ :۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غور و فکر کے لیے کثرت سے بار بار اس آیت کو دہراتے رہے۔ اسلئے کہ قرآن مجید کے سات بطن ہیں اور ہر بار دہرانے سے مزید انکشاف ہوتا رہا اور مقربین کے لیے تو کلامِ خداوندی میں اللہ تعالےٰ کی تجلی نمودار ہوتی ہے جس کو عوام نہیں دیکھ سکتے۔ جیسا کہ حضرت جعفر صادقؓ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی کلام کے آئینہ میں ہر قراءت کے وقت تجلی فرماتے ہیں اور الفاظ اس قسم کے حقائق کو بیان کرنے سے قاصر ہوتے ہیں۔ اے اللہ! ہمارے دلوں کی قندیل کو منور فرما دے تاکہ حقائق کی صورتیں اس میں منعکس ہو سکیں۔

(۲) حضرت تمیم داریؓ نے ایک شب تہجد کی نماز شروع کی تو صرف ایک آیت اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَھُمْ کَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔ پڑھنے میں صبح کر دی۔ اسی کو بار بار پڑھتے اور

روتے تھے۔ (اسد الغابہ تذکرہ تمیم داری و زین الحلم صفحہ ۹۰ ج ۱)

(۳) حضرت سعید بن جبیرؒ نے ایک رات کو نماز شروع کی تو صرف ایک آیت وَامْتَازُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُونَ پڑھنے میں صبح کر دی۔ (زین الحلم صفحہ ۹۰ ج ۱)

(۴) حضرت ربیع بن خثیمؒ جو زہد و تقویٰ کے اعتبار سے ممتاز ترین تابعین میں سے تھے۔ قرآن پاک سے بڑا شغف رکھتے تھے اور پڑھ کر بے حد متاثر ہوا کرتے تھے اور بسا اوقات بعض آیتِ موعظت کو دہراتے دُہراتے صبح کر دیتے تھے۔

(۵) نسرین بن زعلوق ربیع کے غلام فرماتے ہیں کہ تہجد کی نماز میں جب آپ قرآن پڑھتے اور یہ آیت آجاتی تو صبح تک دہراتے رہتے تھے۔ ام حسب الذین اجترحوا السیئات ان نجعلھم کالذین اٰمنوا واعملوا الصالحات سواء محیاھم ومماتھم ساء ما یحکمون (سورۃ جاثیہ ع ۴) ابن سعد صفحہ ۱۳۴ ج ۶ بحوالہ تابعین)

(۶) حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ ایک رات نماز میں یہ آیت بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهَىٰ وَأَمَرُّ (سورۃ قمر ع ۳) بار بار دُہراتے رہے اور ساتھ ہی ساتھ روتے رہے۔ (خیرات حسان)

(۷) حضرت سعید بن جبیرؒ کو قرآن پاک کے ساتھ اس قدر گہرا تعلق تھا کہ بسا اوقات ایک رکعت میں پورا قرآن ختم کر دیتے اور وعظ و نصیحت پر مشتمل آیتوں کو بار بار دُہراتے۔ چنانچہ سعید بن عبیدؒ فرماتے ہیں کہ ایک بار آپ لوگوں کی امامت کر رہے تھے جب اس آیت إِذِ الْأَغْلَالُ فِي أَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلَاسِلُ يُسْحَبُونَ فِي الْحَمِيمِ (مومن ع ۸) پر پہنچے تو اس کو بار بار پڑھتے رہے۔ (ابن سعد صفحہ ۱۹۱ ج ۶)

(۸) حضرت عمر بن عبد العزیزؒ بھی تلاوتِ قرآن کے وقت بے حد متاثر ہوتے تھے۔ ایک روز نماز میں یہ آیت آگئی وَقِفُوهُمْ إِنَّهُم مَّسْئُولُونَ (سورۃ صافات) تو شدتِ تاثر سے اسی کو بار بار پڑھتے رہے پھر آگے نہ پڑھ سکے۔ (سیرت عمر بن عبد العزیز صفحہ ۱۹۱)

اس قسم کے اکابرِ اُمت کے سینکڑوں واقعات ہیں، جن کے بیان کا یہ موقع نہیں۔

ادب نمبر ۲۳

بوقتِ تلاوت گریہ وزاری

ویستحب البکاء عند قراءۃ القرآن والتباکی لمن لا یقدر علیہ والحزن والخشوع۔ (اتقان)

ترجمہ:- اور قرآن پڑھتے وقت رونا مستحب ہے اور جو شخص رونے کی قدرت نہ رکھتا ہو اس کو رونے کی صورت بنا لینا چاہیئے اور رنج اور رقت قلب کا اظہار بھی مناسب ہے۔

تشریح:- قرآن مجید کی تلاوت کے وقت رونا عارفین کی صفات اور خدا کے نیک بندوں کا شعار بتایا گیا ہے۔ چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے: وَيَخِرُّونَ لِلْأَذْقَانِ يَبْكُونَ وَيَزِيدُهُمْ خُشُوعًا (سورۃ بنی اسرائیل آیت ۱۰۹) ترجمہ:- اور ٹھوڑیوں کے بل گرتے ہیں روتے ہوئے اور یہ قرآن اُن کا خشوع اور بڑھا دیتا ہے) قال النووی البکاء عند قراءت القرآن صفۃ العارفین و شعار الصالحین قال اللہ تعالیٰ ویخرون للاذقان یبکون وقال خروا سجدا وبکیا والاحادیث فیہ کثیرۃ (فتح الملہم صفحہ ۳۵۲ ج ۲) اور حضرت قاضی ثناء اللہ بیہقی وقت تفسیر مظہری صفحہ ۵۰۰ ج ۵ پر اور علامہ سید محمود آلوسی بغدادی تفسیر روح المعانی صفحہ ۱۰۸ جز ۱۶ پر فرماتے ہیں:- ویستحب البکاء عند قراءت القرآن۔ یعنی تلاوت کے وقت آبدیدہ ہونا مستحب ہے۔

اور عین العلم مع زین الحلم صفحہ ۸۴ ج ۱ پر فرماتے ہیں:- ویبکی فورد فی الحدیث اتلوا القرآن وابکوا فان لم تبکوا فتباکوا فاذا قراء تہ فتعاذ نوا وھو بالتأمل فی مواعیدہ ومواثیقہ والتقصیر فیھا والا فیبکی علی فقدان ابکائہ فھو اعظم المصائب۔ اھ ترجمہ:- اور تلاوت کے وقت روئے اس لیے کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن پڑھو اور روؤ۔ اگر رونا نہ آئے تو بتکلف رونے کی صورت بناؤ اور جب تم قرآن پڑھو تو حزن کیا کرو اور دل میں حزن اور رقت پیدا کرنے کی صورت یہ ہے کہ قرآن

کی تہدید، وعید اور اُس کے عہد و پیمان میں غور کرے اور اوامر و زواجر میں اپنی کوتاہی کا غور کرے۔ (تو اس سے ضرور حزن اور رقت پیدا ہوگی اور رونے کی دولت نصیب ہوگی) اور اگر (اس تأمل پر بھی صاف دل (والوں کی طرح گریہ نہ آئے) تو اس کے فقدان پر روئے۔ کیونکہ یہ ایک بہت بڑی مصیبت ہے۔

اور غالیۃ المواعظ میں آلوسی زادہ سید نعمان آفندی صـ۷۹ ج ۱ پر فرماتے ہیں:۔

ویستحب البکاء عند قرأۃ القرآن والتباکی لمن لایقدر والحزن والخشوع قال علیہ السلام انی قارئ علیکم سورۃ فمن بکیٰ فلہ الجنۃ فان لم تبکوا فتباکوا وطریق البقاء ان یتأمل فی الوعد والوعید وفی تقصیرہ ۔ اھ

ترجمہ:۔ قرآن پڑھتے وقت رونا، حزن اور رقتِ قلب کا پیدا ہونا مستحب ہے۔ اگر رونا نہ آئے تو بتکلف روئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ میں تمہارے سامنے ایک سورۃ پڑھتا ہوں اور جو شخص (اسے سُن کر) روئے گا اس کے لیے جنت ہے۔ پھر اگر تم رو نہ سکو تو رونے کی صورت بنالو اور بکا دلانے کا طریقہ یہ ہے کہ آیات وعد و وعید میں غور کرے اور اپنی کوتاہیوں کو بھی سامنے لائے۔ (ہکذا فی الاتقان صـ۱۰۷ ج ۱ و احیاء العلوم صـ۲۴۱ ج ۱)

اور سچ تو یہ ہے کہ ایک عاشق دل سوختہ کو سب سے زیادہ لذت اسی میں ملتی ہے کہ محبوب سے ہمکلام ہو اور آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہوں۔ پس تلاوت کے وقت رونے کی کیفیت کا پیدا ہونا موجبِ سعادت ہے اور کیوں نہ ہو جبکہ خود سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا رونا اور آپ پر رقت کا طاری ہونا ثابت ہے۔

حدیث:۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ مجھے قرآن سناؤ۔ میں نے عرض کیا حضورؐ! میں آپ کو قرآن سناؤں در آں حالیکہ قرآن آپ پر نازل ہوا۔ ارشاد ہوا میں دوسروں سے سُننا پسند کرتا ہوں۔ چنانچہ میں سورۃ نساء پڑھنے لگا۔ جب آیت فَکَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ کُلِّ اُمَّۃٍ بِشَهِیْدٍ

وَجِئْنَا بِکَ عَلٰی هٰٓؤُلَآءِ شَهِیْدًا۔ تو آپؐ نے فرمایا۔ بس اب رُک جاؤ۔ میں نے نگاہ اُٹھا کر دیکھا تو آپؐ کی مقدس آنکھیں اشکبار تھیں۔ (بخاری باب البکاء عند قرأۃ القرآن)

فائدہ:۔ جن بے دردوں نے قرآن کو کلامِ محمدی ٹھہرایا وہ غور کریں اپنے گھڑے ہوئے کلام سے بھی انسان کے آنسو جاری ہو سکتے ہیں۔ (تفسیر ماجدی صـ۱۹۳ مطبوعہ تاج کمپنی)

اور زین الحلم صـ۳ ج ۱ پر مُلا علی قاریؒ یہ حدیث نقل فرماتے ہیں:۔

حدیث:۔ عن ابن عباسؓ اذا قرأتم سجدۃ سبحان فلا تعجلوا بالسجود حتی تبکوا فان لم تبک عین احدکم فلیبک قلبہ۔ ترجمہ:۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب تم سجدہ کی آیت پڑھو۔ تو اس کے سجدہ کرنے میں جلدی نہ کیا کرو پہلے رو لیا کرو اور اگر تمہاری آنکھ نہ روئے تو دل کو ضرور رونا چاہیئے۔ (ہکذا فی احیاء العلوم صـ ج)

واقعات حضرات صحابہ کرامؓ

(۱) حضرت صالح مری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے (خواب میں) قرآن مجید پڑھا۔ آپؐ نے فرمایا صالح! یہ تو قرأت ہوئی رونا کہاں ہے؟ (حاشیہ ترغیب وترہیب صـ۳۶۴ ج ۲ و احیاء العلوم)

(۲) حضرت ابو صالح فرماتے ہیں کہ یمن کے لوگ حضرت صدیق اکبرؓ کے پاس آئے۔ جب وہ قرآن پڑھنے لگے تو رونے لگے۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا هٰکَذَا کُنَّا۔ یعنی ہم لوگ بھی ایسا ہی کرتے تھے۔

(۳) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام صحابہ کرامؓ میں سے انتہائی نرم دل تھے۔ وہ جب قرآن پڑھتے تو اس قدر متاثر ہوتے کہ بے اختیار رونے لگتے۔

(تبیان للنووی)

(۴) حضرت ابو رجاءؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ابن عباسؓ کو دیکھا کہ رونے سے ان کی دونوں

آنکھوں کے نیچے گڑھے سے پڑ گئے جو پرانے تسمہ کی مانند نظر آتے تھے۔

(بستان للنووی)

(۵) حضرت عبداللہ بن شداد رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز پڑھ رہے تھے۔ جب اس آیت پر پہنچے اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ مَّا لَهُ مِنْ دَافِعٍ (بے شک آپ کے رب کا عذاب ضرور ہو گا، کوئی ٹال نہیں سکتا) تو اس قدر روئے کہ آپ کی آنکھیں سوج گئیں۔ (کنز العمال و زین الحلم صہ ۴۹ ج ۱)

(۶) ایک روز اسی طرح حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے صبح کی نماز میں سورۃ یوسف شروع کی جب اس آیت پر پہنچے وَابْيَضَّتْ عَيْنَاهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيمٌ (اور ان کی آنکھیں غم سے سفید پڑ گئیں اور وہ گھٹ گھٹ کر رہتے تھے) تو بہت متاثر ہوئے اور زار و قطار رونے لگے۔ یہاں تک کہ رکوع پر مجبور ہو گئے۔

(کنز العمال صہ ۳۳۷ ج ۲ و احکام القرآن للجصاص ۰)

مسئلہ:۔ نماز میں خوفِ خدا سے گریہ طاری ہونے سے نماز نہیں ٹوٹتی۔ چنانچہ امام ابوبکر جصاص رازیؒ احکام القرآن صہ میں فرماتے ہیں:۔ فیہ الدلالۃ علی ان البکاء فی الصلوٰۃ من خوف اللہ لا یقطع الصلوٰۃ لان اللہ تعالیٰ قد مدحھم بالبکاء فی السجود ولم یفرق بین سجود الصلوٰۃ وسجود التلاوۃ و سجدۃ الشکر۔ اھ

(۷) حضرت عبداللہ بن عمرؓ جب یہ آیت تلاوت کرتے اَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ (کیا ایمان والوں کے لیے وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی نصیحت کے آگے جھک جاویں) تو بے حد متاثر ہوتے اور روتے رہتے۔

(اسد الغابۃ تذکرہ عبداللہ بن عمرؓ صہ ۳۴۳ ج ۳)

(۸) ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت فاروق اعظمؓ کو یہ آیت

پڑھتے سنا۔ فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ۔ (پس اس وقت کیا حال ہو گا جب ہر امت سے ہم ایک ایک گواہ حاضر کریں گے) تو اس قدر روئے کہ آپ کی ڈاڑھی تر ہو گئی۔

(ابن سعد تذکرہ عبداللہ بن عمرؓ صہ ۱۴۲ ج ۴)

(۹) حضرت سہیل بن عمرو بھی جب قرآن مجید پڑھتے تو ان کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل پڑتے تھے۔ (اسد الغابۃ تذکرہ سہیل)

(۱۰) حضرت تمیم داریؓ نے ایک شب تہجد کی نماز شروع کی تو صرف ایک آیت اَلَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ الخ پڑھنے میں صبح کر دی اور اسی کو بار بار پڑھتے اور روتے رہے۔ (اسد الغابۃ صہ ۲۵۶ ج ۱)

(۱۱) حضرت سہیل بن عمرو بن عبد شمس قریش کے بڑے لوگوں میں سے تھے۔ فتح مکہ کے دن اسلام قبول کیا۔ کوئی شخص ان سے زیادہ نمازی، روزہ دار اور صدقہ دینے والا نہ تھا۔ یہاں تک کہ یہ دبلے اور کمزور ہو گئے تھے اور رنگ بدل گیا تھا اور یہ بہت رقیق القلب اور قرآن پڑھتے وقت رونے والے تھے۔ حضرت معاذ بن جبلؓ بہت آتے جاتے تھے وہ ان کو قرآن پڑھایا کرتے اور یہ رویا کرتے تھے۔ (اسد الغابۃ صہ ۳۷۱ ج ۲)

غرضیکہ صحابہ کرامؓ کے حالات عام طور پر ایسے پائے جاتے ہیں کہ آپ حضرات قرآن مجید کی تلاوت کرتے تو ان پر رقت طاری ہو جایا کرتی اور بے اختیار رو پڑتے۔ کیونکہ ان کے اندر خشوع اور خضوع بہت زیادہ تھا۔ اگر کتب سیر و تواریخ کا مطالعہ کیا جائے تو قرآن کی تلاوت کرتے وقت رونے والوں کے سینکڑوں واقعات مل سکتے ہیں۔

حضرات تابعین و ائمہ دین و دیگر عارفین کے واقعات

(۱۲) حضرت حسن بصریؒ کلام پاک پڑھتے وقت بے حد متاثر ہوتے اور ساتھ ہی ساتھ رویا کرتے تھے۔ (ابن سعد صہ ۱۲۵ ج ۷)

(۱۳) حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ایک شب وَامْتَازُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُونَ پڑھتے رہے
اور روتے رہے۔ اسی طرح ایک رات نماز میں بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهَىٰ
وَأَمَرُّ۔ (سورۃ القمر) کو بار بار دُہراتے رہے اور ساتھ ہی ساتھ روتے بھی رہے۔

(خیرات حسان)

(۱۴) حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کو قرآن سے غیر معمولی شغف تھا۔ ان کے سامنے جس
وقت قرآن پڑھا جاتا ہے بے حد متاثر ہوتے۔ ان پر خوف وغم طاری ہو جاتا اور
اس قدر روتے کہ دیکھنے والوں کو اُن پر ترس آنے لگتا۔

(تبع تابعین ص بحوالہ تہذیب

(۱۵) امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم لوگ حضرت فضیل بن عیاض رح
کے پاس گئے اور اندر داخل ہونے کی اجازت چاہی، تو اجازت نہ ملی۔ ہم میں سے
ایک شخص بولا۔ اگر وہ قرآن پڑھتے ہوئے سُن لیں تو فوراً گھر سے باہر نکل آئیں گے۔
حُسنِ اتفاق سے ہم لوگوں کے ساتھ ایک بلند آواز آدمی تھا۔ اُس سے قرآن پڑھنے کو
کہا گیا۔ اُس نے نہایت بلند آواز سے سورۃ الھاکم التکاثر پڑھنی شروع کی۔
قرآن کے پڑھنے کی آواز سُن کر حضرت فضیلؒ باہر تشریف لائے اور اس وقت حالت یہ تھی
کہ ان کی داڑھی آنسوؤں سے تر تھی۔ (تبع تابعین ص)

(۱۶) حضرت علی بن المدینی بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم لوگ یحییٰ بن سعید القطانؒ کے ہاں بیٹھے
ہوئے تھے۔ انہوں نے حاضرین میں سے ایک شخص سے فرمایا۔ کچھ قرآن سناؤ۔ اس نے
سورۃ دخان شروع کی۔ جوں جوں وہ پڑھتا جاتا یحییٰ بن سعیدؒ پر رقت بڑھتی جاتی۔ جب وہ
شخص اس آیت پر پہنچا إِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيقَاتُهُمْ أَجْمَعِينَ (سورہ دخان) تو بہت
زیادہ متاثر ہوئے۔ بدن کانپنے لگا اور غش کھا کر گرنے لگے۔ یہ حالت دیکھ کر گھر کی عورتیں
اور بچے رونے لگے اور تھوڑی دیر کے بعد جب افاقہ ہُوا تو آپ کی زبان پر بھی یہی

آیت تھی (تبع تابعین ص)

(۱۷) حضرت ثابت بن مسلم بنانیؒ تہجد کی نماز میں جب یہ آیت پڑھتے أَكَفَرْتَ بِالَّذِي
خَلَقَكَ مِن تُرَابٍ ثُمَّ مِن نُّطْفَةٍ۔ تو اُسے بڑے تاثر کے ساتھ بار بار دُہراتے۔
اور ساتھ ہی ساتھ روتے جاتے۔ (ابن سعد)

(۱۸) حضرت عمر بن عبد العزیزؒ تلاوت کے وقت بے حد متاثر ہوتے تھے۔ ایک دن نماز
میں یہ آیت آگئی۔ وَقِفُوهُمْ إِنَّهُم مَّسْئُولُونَ (سورۃ صافات ۱۴۴) ترجمہ:۔
(اچھا ذرا ان کو ٹھہراؤ اُن سے پُوچھا جائے گا) تو شدتِ تاثر سے اسی کو بار بار دہراتے رہے۔
پھر آگے نہ پڑھ سکے۔ (سیرت عمر بن عبد العزیز ص۱۹)

(۱۹) محمد بن منکدر جو قرآن کے نہایت عمدہ اور ممتاز قاری تھے (حضرت امام مالکؒ ان کو سید القراء
کہا کرتے تھے) تلاوت کے وقت بے اختیار رونے لگتے۔ ایک دفعہ تہجد کی نماز میں قرآن پڑھتے ہوئے
یہ آیت آگئی وَبَدَا لَهُم مِّنَ اللَّهِ مَا لَمْ يَكُونُوا يَحْتَسِبُونَ (سورۃ زمر) ترجمہ:
اور خدا کی طرف سے اُن کو وہ معاملہ پیش آئے گا جس کا ان کو گمان بھی نہ تھا۔) تو زار و قطار
رونے لگے اور بہت دیر تک روتے رہے۔ (تذکرۃ الحفاظ ص۱۱۳ ج۱)

(۲۰) حضرت زرارہ بن ابی اوفی تابعیؒ لوگوں کو امامت کراتے تھے اور نماز میں ان پر رقت
طاری ہو جاتی تھی۔ پس ایک رات کو جب آپ نے یہ آیت پڑھی (فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُورِ
ترجمہ:۔ (پھر جب صُور میں پھونک ماری جائے گی) تو آپ غش کھا کر گرے اور محراب میں ہی
رُوح پرواز کر گئی۔ (زین العلم شرح عین العلم ص۹۷ ج۱)

(۲۱) حضرت شبلیؒ رمضان شریف میں ایک رات کو اپنی مسجد کے امام کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے کہ
امام صاحب نے یہ آیت پڑھی وَلَئِن شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ۔
(ترجمہ اور اگر ہم چاہیں تو جس قدر ہم نے آپ پر وحی بھیجی ہے اس سب کو سلب کر لے) تو آپ نے اسقدر
چیخ ماری کہ لوگوں کو گمان ہونے لگا آپ کی موت واقع ہو گئی ہے۔ (زین العلم ص)

(۲۲) ایک صوفی نے ایک قاری کو سُنا کہ وہ پڑھ رہا ہے یَا اَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ۔ ترجمہ :۔ اے اطمینان وسکون یافتہ روح! تو اس شان سے اپنے رب کی طرف چل کہ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی ہو) پس اُس نے قاری سے دوبارہ پڑھنے کی درخواست کی اور اپنے نفس کو خطاب کرتے ہوئے کہنے لگا۔ بارہا تجھے کہا گیا کہ اپنے خالق کی طرف رجوع کر لیکن تو ٹس سے مَس نہ ہُوا۔ اس کے بعد بے ہوش ہو کر گر پڑا اور اپنی جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی ۔

(۲۳) علی بن فضیلؒ نے ایک قاری کو سُنا کہ وہ پڑھ رہا ہے یَوْمَ یَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (جس دن تمام لوگ رب العالمین کے روبرو کھڑے ہوں گے) پس وہ غش کھا کر گر گیا ۔ (زین العلم صہ۹۴ ج۱)

(۲۴) بکر بن معاذؒ نے ایک قاری کو سُنا کہ وہ پڑھ رہا ہے وَاَنْذِرْهُمْ یَوْمَ الْاٰزِفَةِ ۔ (ترجمہ :۔ اور اے پیغمبر ان لوگوں کو اس قریب ہی آنے والے دن کی مصیبت سے ڈرائیے) سُنتے ہی بے ساختہ اُس نے چیخ ماری اور کہنے لگا اے پروردگار! تو اپنے گناہگار بندے پر رحم فرما جو تیرے ڈرانے کے باوجود کماحقہٗ تیری بندگی کا حق ادا نہ کر سکا ۔

(۲۵) ابراہیم بن ادھمؒ نے ایک قاری کو سُنا کہ وہ پڑھ رہا ہے اِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ (ترجمہ :۔ جب آسمان پھٹ جائے) تو آپ پر کپکپی طاری ہو گئی اور جوڑ جوڑ حرکت کرنے لگا ۔

(۲۶) محمد بن صبیحؒ سے مروی ہے کہ ایک شخص فرات میں غسل کر رہا تھا کہ ایک اور شخص یہ آیت وَامْتَازُوا الْیَوْمَ اَیُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ۔ (ترجمہ :۔ اور اے مجرمو! تم آج مومنوں سے الگ ہو جاؤ) کنارے پر پڑھتا ہُوا گزرا تو وہ نہانے والا یہ آیت سُن کر اس قدر بے قرار ہُوا کہ غوطے کھانے لگا۔ حتیٰ کہ اس بے قراری کے عالم میں وہ

پانی میں ڈوب گیا ۔ (زین العلم صہ۹۶ ج۱)

(۲۷) کسی صوفی سے مروی ہے کہ میں ایک رات کو یہ آیت کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ بار بار دُہرا کر پڑھ رہا تھا کہ غیبی ہاتف نے آواز دی کہ تو کتنی بار اس آیت کریمہ کو دُہراتا رہے گا جب کہ تو نے چار جنوں کی جان لے لی ہے جنہوں نے پوری زندگی میں آسمان کی طرف نگاہ اُٹھا کر کبھی نہیں دیکھا تھا ۔ (زین العلم صہ۹۶ ج۱)

(۲۸) حضرت مالک بن دینارؒ کا حال یہ تھا کہ ایک مرتبہ کسی قاری نے آپ کے سامنے آیت (اذا زلزلت الارض زلزالها) تلاوت کی تو اُسے سنتے ہی آپ پر لرزہ طاری ہو گیا اور زار و قطار رونے لگے ۔ آپ کی یہ حالت دیکھ کر تمام اہلِ مجلس بھی بے قابو ہو گئے۔ انھوں نے بھی رونا دھونا اور چیخنا چلانا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ قاری آخری آیت (فمن یعمل مثقال ذرة خیرا یره ومن یعمل مثقال ذرة شرا یره) پر پہنچا تو آپ کی حالت بالکل دگرگوں ہو گئی اور آپ کے ہوش و حواس جاتے رہے۔ اسی بے ہوشی کے عالم میں آپ کو گھر پہنچایا گیا ۔ (غلامانِ اسلام صہ۴۲)

(۲۹) ہجرت کے کئی سال بعد ایک وفد جو ستر آدمیوں پر مشتمل تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ میں حاضر ہُوا ۔ یہ لوگ نجاشی کے بھیجے ہوئے تھے ۔ حضورؐ نے سورۃ یٰسین اُن کے سامنے پڑھی ۔ وہ کلامِ الٰہی سُن کر بے اختیار رو پڑے۔ آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور زبان پر رَبَّنَا اٰمَنَّا (اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے۔) کے کلمات جاری تھے ۔

ستر کے ستر مسلمان ہو گئے۔ ساتویں پارے کی ابتدائی آیت انہی لوگوں کے حق میں نازل ہوئیں ۔ (ازالۃ الشکوک للعلامۃ الکرانوی ثم المکی صہ۱۳۵) ۔

قرآن مجید باوجودیکہ حضورؐ پر اُترا لیکن آپؐ پر بھی اس کے اثرات ہوتے کہ آپؐ بے اختیار ہو جاتے اور رو پڑتے ۔

ایک دفعہ آپؐ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے فرمایا کہ مجھے قرآن سناؤ۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضرت! آپؐ مجھ سے کیا سنیں گے۔ یہ تو آپؐ پر ہی نازل ہوا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں اسے دوسرے سے سننا چاہتا ہوں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے سورۃ نساء پڑھنا شروع کی جب اس آیت پر پہنچے۔ فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشہید وجئنا بک علٰی ھٰؤلاءِ شہیدًا ۔ تو حضور اکرمؐ پر عجیب کیفیت طاری ہوگئی۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ آپؐ کے آنسو بہہ رہے ہیں۔ (صحیح بخاری ج ۲ صہ ۶۵۹ ، صحیح مسلم جلد ۱ صہ ۲۷)

ایک جماعتِ صحابہؓ نے حضورؐ کے حکم سے حبشہ کو ہجرت کی۔ مشرکین نے وہاں شاہ حبشہ کے دربار تک اپنا پراپیگنڈہ نہ چھوڑا۔ نجاشی شاہِ حبشہ نے بہت سے پادریوں اور راہبوں کو اپنے دربار میں جمع کیا اور ان مسلمانوں کو جو وہاں ہجرت کر گئے تھے بلا کر حضرت مسیحؑ کی نسبت اُن کا عقیدہ دریافت کیا۔ اس پر حضرت جعفر بن ابی طالب نے سورتِ مریم کی تلاوت کی۔ بادشاہ قیس اور سب راہب و درویش سُن کر بہت روتے۔ قرآن کریم نے ان پر عجیب کیفیت طاری کر دی۔ بادشاہ نے اقرار کیا کہ یہ اللہ کا کلام ہے اور وہ مسلمان ہوگیا اور کہا کہ بے شک حضورؐ وہی نبی ہیں جن کی حضرت مسیحؑ نے خبر دی تھی۔

(سیرت ابن ہشام بر حاشیہ روض الانف ج ۱ صہ ۲۱۳)

سُلطان محمد تغلق کے عہد میں ابن بطوطہ مشہور اندلسی سیاح ہندوستان آیا ہے۔ اپنے سفرنامہ میں سلطان المشائخ حضرت نظام الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک تربیت یافتہ عالم مولانا علاء الدین اودھی کے متعلق تحریر کرتا ہے :۔

"مولانا علاء الدین ہر جمعہ کو وعظ کہتے تھے۔ اُن کے ہاتھ پر بہت سے لوگوں کو توبہ نصیب ہوتی۔ اُن کے وعظ میں لوگ حلقہ باندھ کر بیٹھتے تھے اور سُننے والوں پر وجد طاری ہوتا اور بعض پر تو غشی طاری ہو جاتی تھی۔ ایک دن ایک شخص میرے سامنے بے ہوش

ہُوا۔ جس وقت مولانا نے یہ آیت پڑھی (یاایہا الناس ــــ اتقوا ربکم ان زلزلۃ الساعۃ شئ عظیم الایہ (اے لوگو! ڈرو اپنے رب سے بے شک قیامت کا بھونچال بہت بڑی چیز ہے) مولانا نے اس آیت کو بار بار دُہرایا۔ اتنے میں ایک آدمی زوردار آواز میں چیخ اُٹھا۔ مولانا نے آیت کو پھر پڑھا اُس نے پھر چیخ ماری اور بے جان ہو کر گر پڑا۔ ابن بطوطہ لکھتے ہیں (کنت من صلی علیہ وحضر جنازتہ صہ ۱۲۱) میں بھی ان لوگوں میں تھا جنھوں نے اس شخص کے جنازہ کی نماز پڑھی اور اُس کے جنازہ میں حاضر ہوئے۔

محمد تغلق کے عہد میں ابن بطوطہ مشہور اندلسی سیاح ہندوستان آیا ہے اپنے سفر میں سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ کے ایک تربیت یافتہ عالم مولانا علاء الدین اودھی جو عام طور پر نیلی کی نسبت زیادہ مشہور ہیں۔ ان کے متعلق ابن بطوطہ کی یہ چشم دید گواہی ہے۔ وہ آپ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے !۔

"وہ ہر جمعہ کو علاء الدین نیلی وعظ کہتے ہیں۔ اُن کے ہاتھ پر بہت سے لوگوں کو توبہ نصیب ہوتی ہے۔ ان کے واعظ میں لوگ حلقہ باندھ کر بیٹھتے ہیں اور اثناء واعظ میں بعض لوگوں پر وجد طاری ہو جاتا ہے۔ بعض پر تو غشی طاری ہو جاتی ہے۔ ایک دن ایک شخص میرے سامنے بے ہوش ہُوا۔ جس وقت شیخ وعظ کہہ رہے تھے۔ آپ نے جب یہ آیت پڑھی (یاایہا الناس اتقوا ربکم ان زلزلۃ الساعۃ شئ عظیم۔ ترجمہ :۔ اے لوگو! ڈرو اپنے رب سے بے شک قیامت کا زلزلہ بہت بڑی چیز ہے) مولانا نیلی نے اس آیت کو چند بار دُہرایا۔ اتنے میں سامعین میں سے ایک آدمی نے چیخ ماری۔ آپ نے آیت کو پھر دُہرایا اُس نے پھر چیخ ماری اور بے ہوش ہو کر گر پڑا اور اپنے خالق سے جا ملا۔ میں بھی اُن لوگوں میں تھا جنھوں نے اس شخص کے نمازِ جنازہ میں شرکت کی۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔ (ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت۔ مصنفہ مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم صہ ۲۳۴ ج ۱)۔

قرآن مجید سُن کر گر پڑنا یا جاں بحق ہونا

تذئیل :- قرآن مجید کی تلاوت کے وقت اقویاء کاملین کا تاثر اسی قسم کا ہوتا ہے کہ وہ ہائے وائے نہیں کرتے۔ البتہ اُن کے آنسو چلنے لگتے ہیں اور دل کانپ اُٹھتے ہیں۔ اور بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور کھالیں نرم پڑ جاتی ہیں اور اثر پذیری کا یہی سب سے بڑا معیار ہے۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے :-

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ (سورۃ زمر آیت ۲۳)

ترجمہ :- اللہ تعالے نے ایک بہترین کلام نازل کیا ہے۔ ایک کتاب باہم ملتی جلتی ہے اور بار بار دُہرائی ہوئی۔ اس سے ان لوگوں کی جلد جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں کانپ اُٹھتی ہے۔ پھر ان کی جلد اور قلب اللہ تعالے کے ذکر کے لیے نرم ہو جاتے ہیں۔

اور امام قرطبیؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالے عنہا فرماتی ہیں کہ صحابہ کرامؓ کا عام حال یہی تھا کہ جب اُن کے سامنے قرآن پڑھا جاتا تھا تو ان کی آنکھوں میں آنسو آجاتے اور بدن پر بال کھڑے ہو جاتے۔

حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر صہ۵۱ ج۴ پر سماعِ قرآن کے وقت صحابہ کرامؓ کی حالت کے متعلق تحریر کرتے ہیں کہ نہ تو وہ چیختے چلاتے تھے اور نہ تکلفات اور تصنع کا مظاہرہ کرتے تھے بلکہ ادب وسکون واطمینان اور خشیتِ الٰہی میں اس قدر ڈوب جاتے تھے کہ کوئی شخص ان کی ہمسری اور برابری نہ کر سکا۔ انتہیٰ

باقی رہا یہ مسئلہ کہ سماعِ قرآن کے وقت بعض حضراتؒ کو دوسری کیفیات مثلاً وجد، تواجد اور غشی کا طاری ہونا یا جاں بحق ہونا، جیسے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کیمیائے سعادت مطبوعہ مجتبائی صہ۲۸۹ پر نقل فرماتے ہیں کہ حضرت مسور بن مخرمہؓ قرآن مجید سُننے کی طاقت نہ رکھتے تھے۔ ایک دن ایک مسافر آدمی کو یہ معلوم نہ تھا، اس نے یہ آیت اُن کے سامنے

پڑھی۔ یوم نحشر المتقین الی الرحمٰن وفدًا ونسوق المجرمین الی جہنم وردًا۔ اس کا پڑھنا تھا کہ اُنھوں نے کہا میں تو گُنا ہگاروں میں سے ہوں نہ پرہیزگاروں سے۔ تو اُسے ایک دفعہ اور پڑھ اُس نے پھر پڑھا۔ پس ایک چیخ مارتے ہی جاں بحق تسلیم کی (رحمۃ اللہ تعالے علیہ) تو اس قسم کی غیر اختیاری کیفیت محمودہ کا طاری ہونا قابلِ نکیر نہیں۔

چنانچہ شیخ الاسلام مولانا عثمانی مرحومؒ اسی آیت کے تفسیری فوائد میں لکھتے ہیں :-

" یہ حال تو اقویاء کاملین کا ہُوا۔ اگر کبھی ضعفاء و ناقصین پر دُوسری قسم کی کیفیات طاری ہو جائیں مثلاً غشی یا صعقہ وغیرہ تو اُکی نفی آیت سے نہیں ہوتی اور نہ اُن کی تفصیل ان پر لازم آتی ہے۔ بلکہ از خود رفتہ اور بے قابو ہو جانا عموماً وارد کی قوت اور مورد کے ضعف کی دلیل ہے۔ جامع ترمذی میں ہے ایک حدیث بیان کرتے وقت حضرت ابوہریرہؓ پر اس قسم کے بعض احوال کا طاری ہونا مصرح ہے۔ (فوائد تفسیری از علامہ عثمانی صہ۵۹۸)

حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ آیت مذکورہ بالا (زمر:۲۳) کے تفسیری فوائد میں لکھتے ہیں۔ اس آیت میں ایک وجد لطیف مذکور ہے اور اس سے صعقہ وغیرہ کا ابطال لازم نہیں آتا اور بعض سلف سے جو اس پر انکار منقول ہے۔ وہ مُرائیں (ریاکار) وغیر متقین پر محمول ہے۔

(تفسیر بیان القرآن صہ۸۹۷ ج۲ مطبوعہ تاج کمپنی)

یہی تحقیق مُلا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقات صہ۵ وصہ۶ جلد ۵ میں امام نووی رحمہ سے نقل فرمائی ہے :-

قال النووی ومعق جماعات من السلف عند القراءة ومات جماعة بسببها ولما حكى فى البتيان عن جمع انكار الصياح والصعق قال الصواب عدم الانكار الا على من اعترف انه يصنعه تصنعًا - اھ -

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سلف میں سے کئی جماعتوں پر سماع قرآن سے بے ہوشی طاری ہوتی رہی ہے اور ایک جماعت اس کے باعث جان بحق ہوئی ہے۔ اور تبیان میں نقل کیا ہے کہ علماء کی ایک جماعت نے سماع قرآن سے چیخنے اور غش کھانے پر نکیر فرمائی ہے۔ حالانکہ حق بات یہ ہے کہ یہ نکیر کرنا درست نہیں۔ مگر اس شخص پر جو بناوٹ سے یہ حرکت کر رہا ہو۔ اھ

(ھکذا فی فتح الملہم ص۳۵۲ ج ۲)

البتہ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ عظمت کلام اللہ کے سامنے واقعی انسان کا کانپ اُٹھنا تو درست ہے مگر بے ہوش ہو جانا یا تواجد کرنے لگنا یہ بناوٹ کی بدعات ہیں۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی بیہقی وقت نے اپنی تفسیر مظہری میں امام بغوی کی علمی جلالتِ شان کا اعتراف کرتے ہوئے اس مسئلہ میں دلائل کے ساتھ ان کا تعاقب کیا ہے۔ طالبِ تفصیل کے لیے اس مسئلہ میں تفسیر مظہری ص۲۰۸ ج ۸ مطبوعہ ندوہ اور تفسیر روح المعانی ص۲۶۰ پارہ نمبر ۲۳ کا مطالعہ از بس مفید ہوگا۔ (انتہیٰ)

ادب نمبر ۲۴

فہم و تدبّر سے قرآن پڑھنا

وَمِنْ حُرْمَتِہٖ اَنْ یَسْتَعْمِلَ فِیْہِ ذِھْنَہٗ وَفَھْمَہٗ حَتّٰی یَعْقِلَ مَا یُخَاطَبُ بِہٖ (قرطبی)

ترجمہ:۔ اور قرآن مجید کے آداب سے ایک یہ ہے کہ تلاوت کے وقت قرآن مجید کے مطالب اور معانی پر دل و دماغ سے غور و فکر کرے اور ان کو سمجھے۔

تشریح:۔ یہ حقیقت ثابت ہے کہ قرآن قیامت تک کے لیے اُمتِ مسلمہ کا مکمل دستورِ حیات ہے۔ جو ایسے حقائق و معارف و خزائن پر مشتمل ہے جس کے ذریعے

علامہ ابن القیم جوزی مدارج السالکین ص۶ ج ۱ پر فرماتے ہیں:۔ کان حقیقا بالانسان ان ینفق ساعات عمرہ بل انفاسہ فیما ینال بہ المطالب العالیۃ۔ ویخلص بہ من الخسران المبین ولیس ذالک الا بالاقبال علی القرآن وتفہمہ وتدبرہ واستخراج کنوزہ واثارۃ دفائنہ وصرف العنایۃ الیہ والعکوف بالھمۃ علیہ فانہ الکفیل بمصالح العباد فی المعاش والمعاد والموصل لھما الی سبیل الرشاد۔ فالحقیقۃ والطریقۃ والاذواق والمواجید الصحیحۃ کلھا لاتقتبس الا من مشکاتہ۔اھ

ترجمہ:۔ انسان کے لیے یہ بات نہایت مناسب ہے کہ اپنی پوری زندگی کو بلند مطالب کے پانے اور خسران میں سے بچنے میں خرچ کرے اور یہ تب ہی ممکن ہو سکتا ہے جبکہ انسان قرآن مجید کی طرف متوجہ ہو اور اس میں نہایت غور و فکر سے کام لے اور اُس کے خزانوں اور دفینوں تک پہنچنے کی کوشش کرے اور قرآن مجید کی طرف اپنی توجہ کو مبذول کرے، اور ہمت سے کام لے اور یہی قرآن مجید بندوں کے دنیوی و اخروی جملہ مصالح کا کفیل ہے اور یہی بندوں کو سیدھی راہ تک

پہنچانے والا ہے۔ پس حقیقت اور طریقت اور اذواق ومواجید سب کے سب اسی قرآن مجید سے ماخوذ ہیں۔

عصرِ حاضر میں مسلمان من حیث القوم اور بالخصوص نوجوان طبقہ تو قرآن مجید سے بیگانہ ہو چکا ہے۔ آج کل تو یہ حال ہے کہ اوّل تو اسے ریشمی غلافوں اور خوب صورت جزدانوں میں لپیٹ کر بالائے طاق رکھ دیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جزدان گرد آلود ہو جاتے ہیں ان کو جھاڑنے کی نوبت تک نہیں آتی۔ اگر کوئی اس کی طرف توجّہ بھی کرتا ہے تو عمل اور طلب ہدایت کے لیے نہیں بلکہ ایک ایک لفظ کے بدلے دس دس نیکیوں کا ثواب حاصل کرنے کی خاطر یا مُردوں کے ایصالِ ثواب کے لیے کئی کئی ختم کئے جاتے ہیں۔ اکثر اس کی رواں تلاوت کو ذریعۂ نجات سمجھ بیٹھے ہیں۔ کہیں اس سے اسمِ اعظم کی تلاش، کہیں اس سے فالیں نکالی جا رہی ہیں۔ کہیں اس کا تعویذ بنا کر گلے کا ہار بنا رہے ہیں۔

افسوس! کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تئیس سال تک اس کا نزول اور مخالفین کی اذیت پر تحمّل بھی ان ہی مقاصد کے لیے تھا؟ حالانکہ قرآن نے تو اپنے نزول کی غرض و غایت یہ بتلائی ہے: کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ مُبٰرَكٌ لِّیَدَّبَّرُوْٓا اٰیٰتِهٖ وَلِیَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ (سورة ص: آیت: ۲۹) ترجمہ:- اے رسول! آپ کی طرف یہ بابرکت کتاب اس لیے نازل کی گئی ہے، تاکہ لوگ اس کی آیات میں غور و فکر کریں اور اربابِ عقل و فراست صحیح نتائج اخذ کر کے عبرت و نصیحت حاصل کریں۔

چنانچہ دعوت الرسل الی اللہ صـ۳۳ پر اس آیت کے تحت فرماتے ہیں:-

ای هذا کتاب انزلناه الیك کثیرة البرکة والخیر۔ لانه یحمل فی طیاته سعادة الناس وهدایتهم ویرشدهم الی خیری الدنیا والآخرة (لیدبّروا آیاته) بیان للغایة من ذالك الکتاب وهو التفکر فی آیاته والنظر فیما تؤدل الیه من وعد ووعید وترغیب وترهیب ولم ینزله الله تعالیٰ لنجعله تمائم

والتعاویذ۔ وکذالك لم ینزله لنقراءة علی القبور ونشره بین الموتیٰ۔ وانما انزله للعظة وانزله للذکریٰ۔ والمسلمون مادامو ایقفون من القرآن هذه المواقف ولا یتخذونه اماماً لهم فی امره ونهیه وقائداً الی ارشاده وتعالیمه فلا تقوم لهم قائمة ولا یجد لهم حیاة۔ اھ ترجمہ:- یہ کتاب بہت ہی خیر و برکت والی ہم نے آپ کی طرف نازل کی۔ اس کتاب میں لوگوں کی سعادت و ہدایت کا سامان ہے اور یہ دین و دُنیا کی بھلائی کی طرف راہنما ہے۔ اس کتاب کے اُتارنے کی غرض و غایت اس کی آیات میں غور و خوض کرنا اور اس کے وعدہ وعید اور ترغیب ترتیب کے انجام کو پیشِ نظر رکھنا ہے۔ اس کا نزول نہ تو تعویذ گنڈے کے لیے اور نہ ہی قبرستان میں موتیٰ کو بخشوانے کے لیے ہے۔ اس کو اللہ تعالےٰ نے عبرت اور نصیحت کے لیے اُتارا ہے اور مسلمان جب تک اس کے مقصد نزول سے غافل رہیں گے اور اس کی تعلیمات پر عمل پیرا نہیں ہوں گے۔ تو دُنیا میں ان کو کوئی مقام حاصل نہیں ہوگا اور نہ ہی زندوں میں ان کا شمار ہوگا۔

دُوسری جگہ ارشاد فرمایا:- اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا (سورة محمد: ۲۴)
ترجمہ:- کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا دلوں پر قفل لگ رہے ہیں۔

صحابہ کرامؓ اور سلف صالحین کو قرآن مجید کے ساتھ اس قدر شغف، محبت اور عشق تھا کہ وہ ہر وقت اُٹھتے بیٹھتے آیاتِ الٰہی کے مطالب و معارف پر کامل غور و فکر کرتے رہتے تھے۔
صحابہ کرامؓ جو قرآن مجید کے مخاطبِ اوّل تھے وہ قرآن کو نہایت تدبّر کے ساتھ پڑھتے تھے اور انہوں نے حلقے قائم کئے ہوئے تھے جن میں اہلِ ذوق حضرات اکٹھے ہو کر قرآن مجید کا اجتماعی مطالعہ کرتے تھے اور اس طرح کے حلقوں سے خود سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خاص دلچسپی تھی اور روایات سے پتہ چلتا ہے کہ بعد میں خلفاءِ راشدین بالخصوص حضرت فاروق اعظمؓ اس قسم کے حلقوں اور قرآن کے ماہرین سے گہری دلچسپی لیتے رہے۔ چنانچہ عین العلم صـ۲۱ پر ہے:-
وکان اهتمامهم بالتفقه دون اللقلقة حتی لم یستظهره الا بضعة بل الکثیر

لم یحفظ الا السورۃ او سورتین اھ۔ ترجمہ:- صحابہ کرامؓ قرآن مجید کے معانی و مطالب اور لطائف و حقائق و معارف سمجھنے کا اہتمام کیا کرتے تھے۔ محض تلفظ کلمات و آیات پر ہی اکتفاء نہ فرماتے تھے۔ اسی لیے صحابہ کرامؓ میں معدودے چند صحابی حافظِ قرآن تھے باقی اکثر صحابہؓ کو صرف ایک یا دو سورتیں ہی یاد تھیں۔

امام سیوطی تفسیر اتقان صـ۱۰۶ ج ۱ پر فرماتے ہیں:-

وتسن القراءۃ بالتدبر والتفہم فھو المقصود الاعظم والمطلوب الاھم وبہ تنشرح الصدور وتستنیر القلوب اھ۔ ترجمہ:- قرآن پڑھتے وقت اس کے معانی سمجھنا اور اُس کے مطالب پر غور کرنا بھی سُنّت ہے۔ کیونکہ قرآن پڑھنے کا بہترین مقصد اور اعلیٰ مدعا یہی ہے۔ اس سے دل میں نُور اور قلب میں سرور پیدا ہوتا ہے۔

پھر آگے فرماتے ہیں:-

وصفۃ ذالک ان یشغل قلبہ بالتفکر فی معنی ما یلفظ بہ فیعرف معنی کل آیۃ ویتامل الاوامر والنواھی ویعتقد قبول ذالک فان کان مما قصر عنہ فیما مضیٰ اعتذر واستغفر۔ اھ ترجمہ:- اور تدبر کی تعریف یہ ہے کہ زبان سے جو لفظ نکلے دل میں اُس کے معنے پر غور کرتا ہُوا آیت کے مطلب کو سمجھے اور اوامر و نواہی پر دھیان دے اور اس بات پر یقین رکھے کہ یہ تمام اوامر و نواہی ماننے کے قابل ہیں۔ نیز گذشتہ زمانے میں جو اس سے قصور ہوئے ہیں اُن کی عُذر خواہی کر کے معافی مانگے۔

قرآن حکیم کے سلسلے میں خود جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ کیفیت تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سورۃ کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک چھوٹی سُورت بڑی سے بڑی سُورت ہو جاتی اور بعض دفعہ ایک ایک آیت پر ٹھہر جاتے اور اُس کو بار بار صُبح تک پڑھتے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ قرآن کا تھوڑا

تھوڑا پڑھنا اور غور کرنا یہ اُس سے بہتر ہے کہ جلدی اور زیادہ پڑھا جائے۔ کیونکہ پڑھنے سے مقصود سمجھنا اور غور کرنا ہے تاکہ اس پر عمل ہو سکے۔ اور اُس کا پڑھنا اور غور کرنا اُس کے معانی تک پہنچنے کا وسیلہ ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلےٰ فرماتے ہیں کہ میرے پاس ایک عورت آئی اور میں سُورۃ ہود پڑھ رہا تھا۔ اُس نے کہا اے عبدالرحمٰن! تم اس طرح سورۃ ہود پڑھتے ہو۔ خدا کی قسم! میں چھ مہینے سے اس سُورۃ کو پڑھ رہی ہوں اور اب تک اس سے فارغ نہیں ہوئی ہوں۔

حضرت ابوحمزہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے حضرت ابن عباسؓ سے عرض کی کہ میں تیز پڑھنے والا ہوں۔ بعض اوقات ایک ہی شب میں ایک دو مرتبہ قرآن ختم کر دیتا ہوں۔ حضرت ابن عباسؓ نے جواب دیا مجھے اس طرح قرآن پڑھنے سے جو غور و فکر سے خالی ہو ایک سورۃ پڑھنا بہتر معلوم ہوتا ہے جو غور و فکر کے ساتھ ہو۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں۔ جب کوئی شخص ہم میں سے دس آیتیں سیکھ لیتا ہے تو اس سے آگے نہ بڑھتا جب تک ان کے معانی اور ان پر عمل کرنا نہ سیکھ لیتا۔ (اتقان)

علامہ ابن القیم جوزیؒ مدارج السالکین صـ۱۷ ج ۳ پر فرماتے ہیں:- فی الاسباب الجالبۃ للمحبۃ والموجبۃ لھا۔ وھی عشرۃ۔

احدھا۔ قراءۃ القرآن بالتدبر والتفھم لمعانیہ وما ارید بہ۔

الثانی۔ التقرب الی اللہ تعالیٰ بالنوافل بعد الفرائض۔

الثالث۔ دوام ذکرہ علیٰ کل حال باللسان والقلب۔

الرابع۔ ایثار محابہ علیٰ محابک۔

الخامس۔ مطالعۃ القلب لاسمائہ وصفاتہ۔

السادس۔ مشاھدۃ برہ واحسانہ وآلائہ۔

السابع - انکسار القلب بکلیته بین یدی اللہ تعالیٰ۔

الثامن - الخلوة به لمناجاته وتلاوة کلامه۔

التاسع - مجالسة المحبین الصادقین۔

العاشر - مباعدة کل سبب یحول بین القلب وبین اللہ عز وجل۔

اللہ تعالیٰ سے محبت پیدا کرنے کے اسباب و ذرائع دس ہیں۔

ترجمہ (۱) غور و فکر کے ساتھ تلاوت قرآن مجید

(۲) فرائض کے بعد نوافل کے ذریعہ تقرب الی اللہ۔

(۳) ہمیشہ اور ہر حال میں زبانی یا قلبی اللہ کا ذکر۔

(۴) اللہ کی پسند کو اپنی پسند پر ترجیح دینا۔

(۵) دل کے ذریعے اللہ پاک کے اسماء و صفات کا مطالعہ۔

(۶) اللہ تعالیٰ کے احسانات و انعامات کا مشاہدہ۔

(۷) سراپا دل کا اللہ کے سامنے جھک جانا۔

(۸) دعا اور تلاوت کے وقت خلوت اختیار کرنا۔

(۹) صلحاء و ابرار کی صحبت و مجلس۔

(۱۰) ہر ایسی چیز سے بچ کر رہنا جو دل کو اللہ سے غافل کرنے والی ہو۔

اور زین الحلم ص۸۹ ج۱ پر ہے :- وقال علیؓ لاخیر فی عبادة لافقه فیها ولا فی قرأة لا تدبر فیها۔

اور علامہ سید رشید رضا اپنی تفسیر المنار ص۴۹ ج۱ پر تلاوت بدون تدبر و تفکر کے بارے میں اپنے استاد علیہ الرحمۃ سے ایک مثال نقل کرتے ہیں کہ اگر ایک شخص کسی دوسرے آدمی کے پاس اپنا ایک مکتوب بھیجے اور مکتوب الیہ اس کو روانی دوانی کے ساتھ فرفر کر کے پڑھتا جائے۔ یا ترنم و تطریب و خوش گلوئی کے ساتھ پڑھے اور اس کے مطلب اور

مفہوم کی طرف التفات نہ کرے اور اس کے بعد مکتوب لانے والے سے یا کسی دوسرے شخص سے دریافت کرے کہ مکتوب بھیجنے والے نے کیا کہا اور کیا چاہتا ہے۔ تو کیا مکتوب بھیجنے والا مکتوب الیہ کی اس طرز و طریق سے خوش ہوگا۔ یا اس کو اپنے حق میں ہنسی اور استہزاء قرار دے گا۔ یہاں بھی مثال بالکل واضح ہے۔ اگرچہ حق تعالیٰ کو مخلوق پر قیاس نہیں جا سکتا۔ کیونکہ وہ ذات پاک لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ ہے اور یہاں یہ مثال بدون ارادہ تشبیہ پیش کی گئی ہے۔

شیخ محمد عبدہٗ مصریؒ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید سے طلب ہدایت ہر زمان و مکان میں ہر مکلف پر واجب ہے۔ پس ہر قاری قرآن کو چاہیئے کہ قرآن کی تلاوت تدبر کے ساتھ کرے اور مفہوم سمجھنے کے بعد اس پر عمل پیرا ہونے کی ہر ممکن کوشش کرے۔ انتہےٰ

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ اپنی تفسیر معارف القرآن ص۴۹۱ ج۲ پر فرماتے ہیں :- "دوسری بات اس آیت سے یہ معلوم ہوئی کہ قرآن کا مطالبہ ہے کہ ہر انسان اس کے مطالب میں غور کرے۔ لہذا یہ سمجھنا کہ قرآن میں تدبر کرنا صرف اماموں اور مجتہدوں کے لیے ہے، صحیح نہیں ہے۔ البتہ تدبر اور تفکر کے درجات علم و فہم کے درجات کی طرح مختلف ہوں گے۔ ائمہ مجتہدین کا تفکر ایک ایک آیت سے ہزاروں مسائل نکالے گا۔ اور عام علماء کا تفکر ان مسائل کے سمجھنے تک پہنچے گا۔ عوام اگر قرآن کا ترجمہ و تفسیر اپنی زبان میں پڑھ کر تدبر کریں تو اس سے اللہ تعالیٰ کی عظمت و محبت اور آخرت کی فکر پیدا ہوگی جو کلید کامیابی ہے۔ البتہ عوام کے لیے غلط فہمی اور مغالطوں سے بچنے کے لیے بہتر یہ ہے کہ کسی عالم سے قرآن کو سبقاً سبقاً پڑھیں۔ یہ نہ ہو سکے تو کسی مستند و معتبر تفسیر کا مطالعہ کریں اور جہاں کوئی شبہ پیش آئے، اپنی رائے سے فیصلہ نہ کریں بلکہ ماہر علماء سے رجوع کریں۔" انتہےٰ

غرضیکہ قرآن مجید کے معانی پر غور و خوض کرنا اس کا ایک رکن رکین ہے۔ اگر عالم ہو تو کیا کہنا: اور اگر عالم نہ ہو تو اردو زبان میں یا کسی دوسری زبان میں اس کے صحیح تراجم سے

مقصدِ عظیم حاصل ہو سکتا ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

جامع المجددین کی نگاہ میں ہماری کوتاہی

حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہٗ اصلاحِ انقلابِ امت صد ۷۶ پر فرماتے ہیں۔

معانی قرآن سے غفلت :- چھٹی کوتاہی کہ قرآن کے معنے جاننے کی رغبت جس قدر کہ کم پائی جاتی ہے، قریب قریب نہ ہونے کے برابر ہے۔ سخت افسوس کی بات ہے کہ جو اصل مدار ہے اسلام کا اور جو منبع ہے تمام علومِ دینی کا منبع، جو اساس ہے دارین کے فلاح کا۔ جو خاص علاقہ ہے معاملہ وخطاب کا اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور آپ کی اُمت کو نہ خبر نہ خبر کا شوق۔ ہماری اس جمود و خمود کی کوئی انتہا بھی ہے؟

شاید بعض طالب علم ناز کرتے ہوں کہ ہم کو تو شوق تھا۔ جب ہم نے تفسیر پڑھی ہو کہنا تو اور بات ہے اور انصاف سے کہنا اور بات ہے۔ اگر انصاف سے غور کریں تو اس کا نام رغبت رکھنے سے خود ان کو ضرور شرم آئے گی۔ غور کر کے بتلادیں کہ اگر تفسیر درس میں داخل نہ ہوتی کیا اس وقت بھی پڑھتے؟ چنانچہ جو کتاب تفسیر کی درس میں داخل ہے اس سے زیادہ بھی کوئی پڑھتا ہے۔ بلکہ اس سے بھی مختصر کر دینے پر نظر ہوتی ہے۔ اگر آخر سال میں پانچ پارے جلالین کے رہ جاویں تو کیا آئندہ سال یا پھر کسی موقعہ پر اس کو پڑھتے ہیں؟ یا مراد کہ جلالین ہی ختم کر لی۔ تو کیا تمام ضروری مضامین پر اس سے عبور ہو گیا؟ کیا مدارک یا ابوالسعود یا پوری بیضاوی میں کوئی مضمون جلالین سے زائد نہیں۔ پھر اس کو کوئی پڑھتا ہے؟ میں سچ کہتا ہوں کہ اگر جلالین بھی درس میں نہ ہوتی تو اس کو کوئی بھی نہ پڑھتا اور جلالین بھی پڑھی تو کیا پڑھی؟ اس کو ختم کر کے اتنی استعداد بھی تو نہ ہوئی کہ اگر بدون جلالین کے خالی غیر مترجم قرآن اُن کے ہاتھ میں دے دیا جائے کہ ایک رکوع کا ترجمہ اور ضروری حل کر دو تو اسی کو صحیح کر سکیں؟ ہرگز نہ کر سکیں گے۔ ہاں جلالین منگا کر دے دو، تو کچھ دال دلیا کر لیں گے۔

اس سے ثابت ہوا کہ قرآن کے معنے کے مقصود حاصل کرنے نہ تھے بلکہ جلالین مقصود تھی۔ پھر کیا اس کو شوق و رغبت قرآن کہا جا سکتا ہے؟ میری رائے میں خاص اس جزء کا کہ بدون جلالین کے مطلب قرآن نہ بیان کر سکیں گے تدارک یہ ہے :-

اہلِ مدارس کو مشورہ :- اہلِ مدارس طرزِ تعلیم میں کچھ ترمیم کریں جیسے بعضے متون بدوں شرح کے پڑھائی جاتی ہیں اسی طرح جلالین سے پہلے قرآن مجید بھی بدوں کسی خاص تفسیر کے زبانی حل کے ساتھ پڑھایا جایا کرے۔ یا تو پورا قرآن پہلے پڑھایا جائے یا ایسا کریں کہ مثلاً ربع پارہ اوّل خالی قرآن پڑھا دیا جائے۔ پھر اسی قدر جلالین پڑھا دی جاوے اور مدرس اپنے پاس اپنی سہولت کے لیے خواہ جلالین رکھیں یا اور کوئی مبسوط۔

تفسیر :- تو طلباء اس طرح پڑھنے میں نہ اسی طرح یاد کرنے کی اور مطالعہ کر کے حل کرنے کی عادت پڑ جاوے گی۔ پس اس جزء کا تدارک بہت آسانی سے ہو جائے گا۔ چونکہ جلالین میں جمیع فنون تفسیر مذکور نہیں۔ اس لیے کم از کم اتقان کو ضرور داخل درس کیا جاوے۔ یہ بیان تھا بدرغبتی کی کوتاہی کا۔

معانی قرآن کی طرف توجہ کرنے والوں کی کوتاہی

ساتویں کوتاہی ان کی ہے، جن کو معانی قرآن کی کسی درجہ میں رغبت ہے۔ مگر کوتاہی یہ ہے کہ وہ بدون اس کے کہ کسی اُستاد سے یہ فن حاصل کیا ہو یا دوسرے علوم آلیہ ودرسیہ پڑھے ہوں۔ اُردو کا کوئی ترجمہ یا تفسیر خرید کر (گو مصنف کا معتبر ہونا بھی محقق نہ ہو) بطور خود اس کا مطالعہ شروع کر دیتے ہیں۔ پھر ان میں بھی دو جماعتیں ہیں۔ ایک علماء کی معتقد۔ دوسری کچھ انگریزی پڑھی یا انگریزی خوانوں کے پاس رہ کر خود اجتہاد کا دعوے کرنے والے۔ مشترک خرابی تو یہ ہے کہ اس حالت میں فہم معانی میں بکثرت غلطیاں رہ جاتی ہیں چنانچہ اس پر واقعات کثیرہ شاہد ہیں۔ اور راز اس میں یہ ہے کہ اوّل تو ایک زبان جب دوسری زبان میں ترجمہ ہو کر آتی ہے ضرور بعضے مفہومات اصلی رنگ میں نہیں رہتے۔ دوسرے بہت سے مقامات میں خود اجمال ہے جو بدون تفصیل کے وجوہ متعددہ کو محتمل ہوتا ہے۔ جن میں سے بعض وجوہ کی تعیین بلا دلیل کرلی جاتی ہے جس طرح قانون کی

کوئی کتاب اُردو کے بڑے فاضل کو دی جائے اور وہ اس کو بیان کرے۔ مگر قانون دان اس کو سُنکر بہت جگہ غلط بتلادیگا۔ تیسرے یقیناً فہم قرآن میں بعض دوسرے فنون نقلیہ وعقلیہ کی حاجت ہے۔ جو شخص ان سے بے خبر ہے وہ قطعاً غلطی میں پڑیگا۔ دوسری جماعت میں بالخصوص یہ خرابی ہے کہ ان کی غلطی پر بھی اگر کوئی مطلع کرے تو وہ اپنے کو اس بتلانے والے سے افضل اور زیادہ عقلمند سمجھ کر اُس کی نہیں سُنتے اور عقیدے میں یا عمل میں اس پر جم جاتے ہیں۔ پھر بعض اوقات بناء فاسد علی الفاسد کے طریق پر دُوسرے اور فاسد کو اس پر متفرع کر لیتے ہیں۔

طریق اصلاح:۔ ان دونوں یعنی چھٹی اور ساتویں کوتاہی کے مجموعہ کی اصلاح یہ ہے کہ اگر کسی قدر علم یا صحبت علماء کی برکت سے فہم مع حرف شناسی حاصل ہو تب تو کسی محقق عالم سے کوئی ترجمہ یا مختصر یا متوسط تفسیر دریافت کر کے ان ہی عالم سے سبقاً سبقاً تمام قرآن کا ترجمہ با تفسیر خوب سمجھ کر ختم کر لیں اور بعض مقامات جو باوجود سمجھانے کے سمجھ میں نہ آویں یا کچھ شُبہ رہے۔ بس زبانی مقصد شرع اس عالم سے دریافت کر کے اس پر اعتقاد رکھ کر تفتیش چھوڑ دیں اور ایسے مقامات پر نشان بنادیں۔ پھر جب تلاوت کریں تو تھوڑا سا مطالعہ اس ترجمہ یا تفسیر کا بھی کریں۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس طرح معانی قرآن سے مناسبت بڑھ جائیگی کہ یاد اور فہم دونوں میں سہولت اور ترقی ہوگی اور اس میں سہولت اور ترقی ہونے سے طبعاً رغبت بڑھے گی۔ پھر دوام آسان ہو جائے گا اور تدبر و عمل میں جن کا ذکر آگے آتا ہے اس سے اور اعانت ہوگی اور اگر اسقدر استعداد نہیں ہے تو پھر اس کے معانی پر مطلع ہونیکا آسان طریقہ یہ ہے:۔

معانی پر مطلع ہونے کا سہل طریقہ:۔ چند اشخاص مل کر اگر کوئی عالم بلا تنخواہ میسر آجائے تو فبہا، ورنہ تنخواہ پر رکھ کر اُن سے استدعا کریں کہ روزانہ یا چوتھے پانچویں روز معین وقت پر ایک یا نصف رکوع کا خلاصہ مطلب عام فہم زبان میں بطور وعظ فرمادیا کریں اور اس طرح قرآن ختم کریں۔ اگر ہمت ہو تو دوبارہ دورہ شروع کر دیں اور جو شبہ پیدا ہو اس کو زبانی پوچھیں۔ جو سمجھ میں نہ آئے اس کو چھوڑ دیں اور حکم شرعی پُوچھ کر اس پر کاربند رہیں۔" انتہیٰ (اصلاح انقلاب امت ص۴۹)

✤

ادب نمبر ۲۵

طریقِ قرأت پر اظہارِ اختلاف کی ممانعت

وَمِنْ حُرْمَتِهِ اَلَّا يُمَارِىَ وَلَا يُجَادِلَ فِيْهِ فِى الْقِرَاتِ وَلَا يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَيْسَ هٰكَذَا هُوَ وَلَعَلَّهٗ اَنْ تَكُوْنَ تِلْكَ الْقِرَاةُ صَحِيْحَةٌ جَائِزَةٌ مِنَ الْقُرْاٰنِ فَيَكُوْنَ قَدْ جَحَدَ كِتَابَ اللّٰهِ (قرطبی)

ترجمہ:۔ اور قرآن مجید کے آداب عظمت میں ایک یہ ہے کہ قرآن مجید میں قرأت کے بارے میں کسی سے مباحثہ نہ کرے (جس سے مقصود فریق ثانی پر غالب آنا یا اس کو شرمندہ کرنا ہو) اور نہ ہی اپنے ساتھی سے یہ کہے کہ یہ قرأت اس طرح سے نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ قرأت بھی قرآن میں صحیح اور درست ہو۔ اور اس صحیح و درست قرأت کے انکار سے گویا پورے قرآن مجید کا انکار لازم آجائے گا۔

تشریح:۔ قرأت کا اختلاف تنوع اور تغایر کی قسم سے ہوتا ہے۔ نہ کہ از قبیل تضاد و تناقض۔ یعنی قرأت کے اختلاف سے طرح طرح کے عجیب و غریب معنیٰ پیدا ہوتے ہیں جو ایک دُوسرے سے بالکل الگ ہوتے ہیں مگر ان کے معانی میں ضدیت اور مخالفت نہیں ہوتی۔ یعنی ایسا نہیں ہوتا کہ اگر قرآن کی کوئی آیت کسی ایک قرأت سے پڑھی جائے اور اس آیت میں کسی چیز کے حلال ہونے کا حُکم مذکور ہو اور پھر جب وہی آیت دوسری قرأت سے پڑھی جائے تو اس اختلاف قرأت سے حکم میں تغیر ہو جائے اور وہی چیز جو پہلی قرأت سے حلال ثابت ہو رہی تھی اب دوسری قرأت کی بناء پر حرام ہو جائے۔ ایسا نہیں کیونکہ کتاب اللہ میں ایسا ہونا محال ہے۔ بلکہ ایک قرأت سے کسی چیز کے حلال ہونے کا حکم ثابت ہوتا ہے تو دُوسری قرأت سے بھی اس چیز کے حلال ہونے ہی کا حکم ثابت ہوتا ہے۔ حاصل یہ کہ اختلاف قرأت کا تعلق صرف الفاظ، لہجہ اور صوت سے ہے۔ احکام اور معانی سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ پس جو قرأت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح طور پر ثابت ہو جائے اس کا قبول کرنا واجب ہے۔

تفسیر اتقان صہ ۸۰ ج ۱ پر امام سیوطیؒ نے ابن جزریؒ سے نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک قرأت سبعہ متواتر ہیں: وَقَدْ نَصَّ عَلٰی تَوَاتُرِ ذَالِکَ کُلِّہٖ اَئِمَّۃُ الْاُصُوْلِ کَالْقَاضِیْ اَبِیْ بَکْرٍ وَغَیْرِہٖ وَھُوَ الصَّوَابُ لِاَنَّہٗ اِذَا ثَبَتَ تَوَاتُرُ اللَّفْظِ عَلٰی ھَیْئَۃِ اَدَائِہٖ لِاَنَّ اللَّفْظَ لَا یَقُوْمُ اِلَّا بِہٖ وَلَا یَصِحُّ اِلَّا بِوُجُوْدِہٖ۔ ترجمہ:۔ آئمہ اصول نے تصریح کی ہے کہ سات قرأت از اول تا آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک متواتر ہیں۔ کیونکہ جب الفاظ متواتر ہیں تو طرز ادا ء الفاظ بھی متواتر ہے۔ کیونکہ الفاظ کا تلفظ طرز ادا ء کے بغیر ممکن نہیں۔ انتہیٰ

پس یہ کسی کے لیے بھی جائز نہیں کہ ایک قرأت کے مقابلے میں دوسری قرأت کا انکار کرے۔

حدیث[۱]:۔ چنانچہ حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ مسجد میں ایک شخص نے آکر سورۂ نحل کی تلاوت کی جو میری قرأت کے خلاف تھی۔ ایک دوسرا شخص آیا اس نے ہم دونوں کے خلاف قرأت کی۔ میں دونوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گیا۔ آپ نے قرأت سن کر ایک کے لیے فرمایا اَحْسَنْتَ یعنی تو نے اچھی طرح پڑھی۔ دوسرے سے سن کر فرمایا اَصَبْتَ تو نے بھی ٹھیک تلاوت کی۔ پھر مجھ سے سن کر ارشاد فرمایا۔ ھٰکَذَا اُنْزِلَتْ۔ یہ سورت اسی طرح نازل کی گئی ہے۔

(۲) حضرت فاروق اعظمؓ سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں کہ (ایک دن جب) میں نے ہشام بن حکیم بن حزام کو سنا کہ وہ سورۃ فرقان اس طریقہ کے خلاف پڑھ رہے ہیں جس طرح آنحضرتؐ نے یہ سورت مجھے پڑھائی تھی۔ میں نے نماز ہی میں ان پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ مگر میں نے انہیں مہلت دی کہ وہ نماز سے فارغ ہولیں۔ پھر میں نے ہشام کی گردن میں چادر ڈالی اور کھینچتا ہوا ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے سنا ہے یہ سورۃ فرقان اس طریقہ کے خلاف پڑھتے ہیں جس طریقہ سے آپ نے مجھے وہ سورۃ پڑھائی ہے۔ آپ نے فرمایا عمر! انہیں چھوڑ دو۔ پھر ہشامؓ سے فرمایا کہ تم پڑھو۔ چنانچہ ہشامؓ نے اسی طریقہ

سے پڑھا جس طریقے سے حضرت عمرؓ نے انہیں پڑھتے سنا تھا۔ آنحضرتؐ نے ان کی قرأت سن کر فرمایا کہ یہ اسی طرح نازل ہوئی ہے۔ پھر مجھ سے فرمایا کہ اب تم پڑھو۔ چنانچہ میں نے پڑھا۔ تو آپ نے (میری قرأت بھی سن کر) فرمایا کہ یہ سورت اسی طرح اُتاری گئی ہے۔ یاد رکھو یہ قرآن سات طریقہ پر اُتارا گیا ہے لہٰذا ان میں سے جس طریقے سے ہو سکے پڑھو۔ (مسلم و بخاری)

چنانچہ اسی مسئلہ کو علامہ بدر الدین عینی عمدۃ القاری صہ ۳۱ ج ۹۶ پر بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

قال ابن الجوزیؒ کان اختلاف الصحابۃ یقع فی القرآن واللغات فاس وا بالقیام عند الاختلاف لئلا یجحد احدھم ما یقرأہ الآخر فیکون جاحداً لما انزل اللہ عزوجل: ترجمہ:۔ ابن جوزیؒ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کا جب قرأت اور لغت میں اختلاف ہوتا تھا تو وہ مجلس سے اُٹھ جایا کرتے تھے۔ تاکہ ان میں سے کوئی ایک دوسرے کی قرأت کا انکار کر کے قرآن مجید کی کسی آیت کا منکر نہ بن جائے۔

یہی مضمون ذرا وضاحت کے ساتھ علامہ خفاجی نے نسیم الریاض شرح شفاء صہ ۲۰۵ ج ۲ پر تحریر کیا ہے:۔

قال ابو عبید لیس وجہ الحدیث عندنا علی الاختلاف فی التاویل بل علی الاختلاف فی اللفظ وھو ان یقرأ الشخص علی حرف فیقول الآخر لیس ھو ھکذا لکنہ علی خلافہ وکلاھما منزل مقروبہ۔ فاذا جحد کل واحد قرأۃ صاحبہ لم یؤمن ان یکون ذالک اخرجہ الی الکفر لانہ نفی حرفا انزلہ اللہ علی نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اھ

مُلّا علی قاریؒ مرقات شرح مشکوٰۃ صہ ۳ ج ۵ پر فرماتے ہیں:۔

اوالمراد اقرؤا مادمتم متفقین علی تصحیح قرأۃ وتحقیق اسرار معانیہ فاذا اختلفتم فی ذالک فاترکوہ۔ لان الاختلاف یفضی الی الجدال والجدال الی الجحود وتلبس الحق بالباطل اعاذنا اللہ بفضلہ من ذالک۔ اھ۔

٭

ادب نمبر ۲۶

ترتیب معروف کے خلاف تلاوت کی ممانعت

وَمِنْ حُرْمَتِهِ اَلَّا يُتْلٰى مَنْكُوْسًا كَفِعْلِ مُعَلِّمِي الصِّبْيَانِ يَلْتَمِسُ اَحَدُهُمْ بِذٰلِكَ اَنْ يَّرَى الْحِذْقَ مِنْ نَفْسِهٖ وَالْمَهَارَةَ فَاِنَّ تِلْكَ مُخَالَفَةٌ

ترجمہ :- اور قرآن مجید کے آدابِ عظمت میں ایک یہ ہے کہ اس کو اُلٹ (خلاف ترتیب) نہ پڑھے۔ جس طرح بچوں کے بعض اساتذہ اپنی قابلیت اور اظہار کے پیشِ نظر ایسا کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ طرزِ ترتیب معروف کی خلاف ورزی ہے۔

تشریح :- علماء کا اس بات پر اجماع اور اتفاق ہے کہ قرآن کریم کو اسی ترتیب کے مطابق پڑھا جائے۔ جو اب مروج ہے، کسی دُوسری ترتیب کے مطابق نہ پڑھا جائے اور تفسیر اتقان صـ۱۰۹ ج۱ پر ہے :- قال فی شرح المہذب لان ترتیبہ لحکمۃ فلا یترکہا - اھ - ترجمہ شرح مہذب میں ہے کہ مصحف کی ترتیب مبنی برحکمت ہے۔ پس اس کو ترک کرنا درست نہیں واما قرأۃ السورۃ من اٰخرہا الی اولہا فمتفق علیٰ منعہ لان یذہب بعض نوع الاعجاز ویزیل حکمۃ الترتیب - قلت فیہ اثر اخرج الطبرانی بسند جید عن ابن مسعودؓ انہ سئل عن رجل یقرأ القرآن منکوسا ذالک منکوس القلب (اتقان صـ۱۰۹ ج۱)

ترجمہ :- اور رہی یہ بات کہ ایک ہی سُورت کو آخر سے اوّل تک پلٹ کر پڑھے تو اس کی ممانعت پر تمام لوگوں کا اتفاق ہے۔ کیونکہ اس سے اعجازِ قرآنی اور ترتیبِ آیات کی حکمت معدوم ہو جاتی ہے۔ مَیں کہتا ہوں کہ اس میں اثر بھی وارد ہے جس کو طبرانی نے نہایت عمدہ سند کے ساتھ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ سے کسی ایسے شخص کے متعلق دریافت کیا گیا جو قرآن کو اُلٹا کر (یعنی سورتوں کی آیتوں کی ترتیب کو الٹ کر) پڑھتا ہو تو انہوں نے فرمایا کہ اس شخص کا دل اُلٹا ہے۔ (یہ ٹیڑھے دل والا ہے)

وقال البیہقی واحسن ما یحتج بہ ان یقال ان ہذا التالیف لکتاب اللہ مأخوذ من جہۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم واخذہ عن جبریل فالاولیٰ للقاری ان یقرأہ علی التالیف المنقول وقد قال ابن سیرینؒ تالیف اللہ خیر من تالیفکم اھ (اتقان صـ۱۰۹ ج۱)

ترجمہ :- بیہقی فرماتے ہیں کہ سب سے عمدہ دلیل جو اس بارے میں پیش کی جاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ کتاب اللہ کی یہ ترتیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ماخوذ ہے اور آپ نے اس کو جبریل علیہ السلام سے اخذ کیا تھا۔ لہٰذا قاری کے لیے بہتر یہی ہے کہ وہ منقول ترتیب پر قرأت کرے۔ کیونکہ ابن سیرینؒ نے کہا ہے کہ خدا تعالےٰ کی ترتیب تمہاری اپنی ترتیب سے بہتر ہے۔

اور غالیۃ المواعظ لابی البرکات نعمان آفندی آلوسی صـ۶۸ ج۱ پر ہے :- وقرأۃ السورۃ منکوسۃ ای من اٰخرہا الیٰ اولہا ممنوع - یعنی سورت کو اُلٹا پڑھنا یعنی آخر سے ابتداء سورۃ کی طرف پڑھنا ممنوع ہے۔

مسئلہ :- اگر بچوں اور عجمیوں کی آسانی کے خیال سے خلافِ ترتیب مفصّل سورتوں سے پڑھایا جائے تو یہ بلا کراہت جائز ہے۔ کیونکہ ابتداء ہی سے لمبی سُورتوں کا پڑھنا بچوں کے لیے دشوار ہے۔ (البرہان للزرکشی صـ۲۵۶ ج۱)

قال فی رد المحتار لان ترتیب السور فی القرأۃ من واجبات التلاوۃ وانما جوز للصغار تسہیلا لضرورۃ التعلیم -

(رد المحتار مصری بطبع جدید صـ۵۴۶ ج۱)

ترجمہ :- سُورتوں کی ترتیب قرأۃ میں تلاوت کے واجبات میں سے ہے اور بچوں کی آسانی کے لیے ضرورتِ تعلیم کے پیشِ نظر جائز قرار دیا گیا ہے۔

ادب نمبر ۲۷

شور و شغب کی مجالس میں تلاوت کی مخالفت

وَمِنْ حُرْمَتِهٖ اَلَّا یقرأ فِی الْاَسْوَاقِ وَلَا فِی مَوَاطِنِ اللَّغَطِ وَاللَّغْوِ وَ مَجْمَعِ السُّفَهَاءِ (قرطبی)

ترجمہ :- قرآن مجید کے آدابِ عظمت میں سے ایک یہ ہے کہ قرآن مجید بازاروں

تشریح :- ہمارے زمانے کے میلے ٹھیلے، مختلف بازیوں کے جھگھٹے، ناچ رنگ کی محفلیں، تھیٹر، سینما وغیرہ سب اس کے ضمن میں آتے ہیں۔ کیونکہ ایسی جگہوں پر شور وغل بہت زیادہ ہوتا ہے۔ نیز اس قسم کی مجالس میں شریک ہونے والے آداب قرآن سے بالکل ناواقف ہوتے ہیں اور نہ ہی قرآن مجید سے ان کو قلبی لگاؤ ہوتا ہے کہ وہ توجہ اور دھیان سے خاموشی کے ساتھ سنیں۔ اس لیے قرآن مجید کی عظمت کے پیشِ نظر ایسی مجالس و محافل میں تلاوت قرآن پاک سے باز رہنا چاہیئے۔ چنانچہ فقیہہ ابواللیث سمرقندی اپنے فتاوٰی النوازل ص۲۸ مطبوعہ دکن میں فرماتے ہیں :-

ویکرہ ان یقرء القرآن فی المغتسل والاسواق وما اشبہ ذالک ۔اھ

ترجمہ :- غسل خانے اور بازاروں اور ان جیسے دیگر مقامات پر قرآن مجید کا پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔

اور ردالمحتار ص۵۴۶ ج۱ مطبوعہ مصر بطبع جدید میں ہے :- یجب علی القاری احترامہ بان لا یقرأہ فی الاسواق ومواضع الاشتغال فاذا قرأہ فیھا کان ھو المضیع لحرمتہ فیکون الاثم علیہ دون اھل الاشتغال دفعاً للحرج ۔اھ۔ ترجمہ: قاری پر احترامِ قرآن مجید واجب ہے۔ بایں طور کہ قرآن مجید بازاروں میں اور لوگوں کے کاروبار کے مقامات میں نہ پڑھے۔ پس اگر وہ ان مقامات میں پڑھے گا تو وہی قرآن کی حرمت وعظمت کو

ضائع کرنے کی وجہ سے گناہ گار ہوگا۔ نہ وہ لوگ جو اپنے کاروبار میں مشغول ہوں۔

(کذا فی غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی ص۴۶۰)

علامہ محمود آلوسی بغدادی اپنی مشہور و متداول تفسیر روح المعانی ص۱۵۳ جز ۹ پر فرماتے ہیں :-

وتکرہ فی الحش وبیت الرحا وھی متدور عند الشعبی وھو مقتضیٰ مذھبنا ۔ اھ ترجمہ :- امام شعبی کے نزدیک بیت الخلاء میں اور اس مکان میں جہاں آٹا پیسنے کی چکی چل رہی ہو، قرآن مجید کا پڑھنا مکروہ ہے۔ یہی بات ہمارے مذہب کے بھی مطابق ہے۔

علامہ خادمیؒ بریقہ محمودیہ شرح طریقہ محمودیہ ص۲۶۸ ج۱ پر فرماتے ہیں :-

قال فی التاتارخانیہ قرأۃ القرآن فی الحمام او فی المغتسل او فی موضع یصب فیہ الماء الذی غسل بہ النجاسۃ مکروھۃ خفیۃ او جھراً ۔ ترجمہ :- فتاوٰی تاتارخانیہ میں ہے کہ حمام اور غسل خانے اور ایسی جگہ جہاں نجس و ناپاک پانی پھینکا جاتا ہو۔ قرآن مجید آہستہ یا بلند آواز سے پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔

ابوالحسنات مولانا عبدالحی لکھنویؒ اپنے فتاوٰی میں علامہ مفتاری زادہ کے حوالے سے لکھتے ہیں :- یکرہ رفع الصوت بقرأۃ القرآن عند المشتغلین لان فیہ منع غیرہ عن شغلہ (مجموعہ فتاوٰی ص۱۲۱ ج) ترجمہ :- کام کاج میں مشغول لوگوں کے پاس باآواز قرآن مجید پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ کیونکہ اس سے ان کے کام میں (بوجہ استماع وانصات کے) رکاوٹ پڑتی ہے۔

اور منیہ ص میں ہے امرأۃ تغزل فی البیت لیس لاحد ان یقرء القرآن عندھا جھراً ۔ اھ ترجمہ :- عورت گھر میں چرخہ کات رہی ہو تو کسی کے لیے یہ درست نہیں کہ اس کے پاس باآواز بلند قرآن مجید پڑھے۔

ردالمحتار مطبوعہ مصر بطبع جدید ص۵۴۶ ج۱ پر ہے :- وفی الفتح عن الخلاصۃ

رجل یکتب الفقہ وبجنبہ رجل یقرأ القرآن فلا یمکنہ الاستماع فالاثم علی القاری وعلی ھذا لوقرأ علی السطح والناس نیام یأثم ای لانہ یکون سببا لاعراضھم عن استماعہ او لانہ یؤذیھم بایقاظھم ۔ تأمل اھ ۔ (ہکذا فی فتاوی النوازل السمرقندی صـ۸۹ وحدیقۃ الندیہ صـ۲۷۸ ج۲ وروح المعانی صـ۱۵۳ ج۹ ومظہری صـ۱۵۹ ج۳)

ترجمہ :۔ اور فتح القدیر میں بحوالہ خلاصۃ الفتاویٰ درج ہے کہ اگر کوئی شخص مسائل فقہ لکھ رہا ہو اور دوسرا شخص اس کے پاس بلند آواز سے قرآن مجید پڑھنا شروع کر دے اور وہ لکھنے والا ہمہ تن قرآن مجید سننے کی طرف متوجہ نہ ہو سکے تو اس موقعہ پر بلند آواز سے پڑھنے والا گناہ گار ہوگا اور اسی طرح رات کو مکان کی چھت پر بلند آواز سے قرآن مجید پڑھنے والا گناہ گار ہوگا۔ جبکہ لوگ سوئے ہوئے ہوں اور یہ اس لیے کہ قاری یا تو لوگوں کے لیے ترکِ استماع کا سبب بنتا ہے اور یا تو اُن کی نیند اچاٹ کر کے ایذا پہنچاتا ہے ۔

تنبیہ :۔ اور اس سے ان حضرات کی غلطی معلوم ہو گئی جو تلاوتِ قرآن کے وقت ریڈیو ایسے مجامع میں کھول دیتے ہیں۔ جہاں لوگ اُس کے سُننے کی طرف متوجہ نہیں ہوتے ۔ اسی طرح رات کو لاؤڈ اسپیکر لگا کر مسجدوں میں تلاوتِ قرآن اس طرح کرنا کہ اس کی آواز سے باہر کے سونے والوں کی نیند یا کام کرنے والوں کے کام میں خلل آئے درست نہیں ۔ اھ

(معارف القرآن مؤلفہ حضرت مولانا مفتی صاحب صـ۱۶۴ ج۴)

ادب نمبر ۲۸

آیات قرآنی کے اسرار و معارف پر غور کرنا

وَمِنْ حُرْمَتِہٖ اَنْ یَّلْتَمِسَ غَرَائِبَہٗ (قرطبی)

ترجمہ :۔ اور قرآن مجید کے آدابِ عظمت میں سے ایک یہ ہے کہ اس کے غرائب کو تلاش کرے ۔

تشریح :۔ حدیث شریف میں ہے اقرءوا القرآن والتمسوا غرائبہ (قرآن مجید پڑھو اور اُس کے عجائب کی تلاش میں رہو) قرآن شریف خدا تعالےٰ کا عظیم الشان کلام ہے اور گوناگوں علوم و حکم اور اسرار و معارف اور دقائق و غوامض اور حقائق سے بھرا ہوا ہے۔

حدیث شریف میں ہے ان للقرآن ظھرا وبطنا (قرآن کے لیے ایک ظاہر ہے اور ایک باطن) یعنی ایک ظاہری معنی ہیں اور جن کو ہر ایک سمجھ سکتا ہے اور ایک باطنی معنے مُراد ہیں، جن کو ہر ایک شخص نہیں سمجھ سکتا ۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں اگر علم چاہتے ہو تو قرآن مجید کے معانی میں غور و فکر کرو ۔ کیونکہ قرآن میں اوّلین و آخرین کے علوم بھرے ہوئے ہیں ۔ (احیاء العلوم)

حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر میں چاہوں تو صرف سورۃ فاتحہ کی تفسیر سے ستر اُونٹ کا بوجھ تیار کر دوں ۔ (احیاء العلوم)

حضرت ابی الدرداء رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہے کہ آدمی فقیہ نہیں ہوتا ہے جب تک قرآن مجید کی کئی تاویلات کو نہ جانتا ہو ۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ لکل آیۃ ستون الف فھم (قرآن مجید کی ہر آیت کے لیے ساٹھ ہزار معانی ہیں۔) (احیاء العلوم)

تفسیر بالرائے کی تحقیق

حدیث میں ہے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من قال فی القرآن برأیہ فاصاب فقد اخطاء (ابوداود، ترمذی، نسائی) یعنی جس نے قرآن کی تفسیر میں اپنی رائے سے کچھ کہا اور (اتفاق سے) اس کی بات صحیح نکلی تو بھی اس نے غلطی کی۔

اور ایک حدیث میں ہے من قال فی القرآن بغیر علم فلیتبوأ مقعدہٗ من النار (ابوداؤد) یعنی جس نے قرآن (کی تفسیر) میں علم کے بغیر کچھ کہا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

پہلی حدیث کی صحت میں محدثین کو کلام ہے (ملاحظہ ہو روح المعانی صـ۳ ج۱۔ اتقان صـ۱۷۹ ج۲ قرطبی صـ۳۲ ج۱ ابن کثیر صـ۵ ج۱ میزان الاعتدال صـ۲۸۹ ج۱) اور دوسری حدیث صحیح ہے۔ ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنی رائے سے قرآن مجید کی تفسیر کرنا ناجائز ہے گناہ کبیرہ ہے۔ لیکن ساتھ ہی یہ حقیقت بھی مسلم ہے کہ ہر ہر آیت کی تفسیر حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں۔ حالانکہ ہر آیت کی تفسیر میں کسی نہ کسی صحابی، تابعی یا تابع التابعی سے کوئی نہ کوئی قول ضرور منقول ہے۔ جیسا کہ تفسیر ابن جریر اور دُرِ منثور سے معلوم ہوتا ہے۔ اس سے [illegible] ن آیتوں کی تفسیر آنحضرتؐ سے منقول نہیں۔ صحابہ کرام، تابعین اور دیگر ائمہ اسلام [illegible] رائے اور اجتہاد سے [illegible] آیتوں کی تفسیر فرمائی۔ اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ تفسیر بالرائے اولاجتہاد مطلقاً ناجائز اور حرام نہیں۔ ذیل میں مفسرین کرام کے اقوال نقل کئے جاتے ہیں جن سے معلوم ہو جائے گا کہ کس مفہوم سے تفصیل بالرائے ناجائز اور حرام ہے۔

چنانچہ علامہ قرطبی اندلسی المتوفی ۶۷۱ھ فرماتے ہیں کہ تفسیر بالرائے کی ممانعت کا مطلب یہ ہے کہ ان یکون لہٗ فی الشئی رأی والیہ میل من طبعہ وھواہ فیتاول القرآن علی وفق رأیہ وھواہ لیحتج علی تصحیح غرضہ (تفسیر قرطبی صـ۳۳ ج۱) ترجمہ:۔ کسی معاملہ میں اس کی ایک رائے ہو اور اس کی جانب خواہش نفس کی بناء پر اس کا طبعی میلان ہو اور وہ اپنی رائے اور خواہش کے مطابق قرآن کی تفسیر کرے تاکہ اپنی غرض (فاسد) کی صحت پر استدلال کر سکے۔

علامہ خازن رقمطراز ہیں: قال العلماء النھی عن القول فی القرآن بالرأی انما ورد فی حق من یتاول القرآن علی مراد نفسہ وھو تابع لھواہ (خازن صـ۶ ج۱)

ترجمہ:۔ علماء نے فرمایا ہے کہ تفسیر بالرائے سے ممانعت اس شخص کے بارے میں وارد ہوئی ہے جو اپنی خواہش نفس کے مطابق قرآن کی تفسیر کرے اور وہ اپنی خواہش (بدعت) کا متبع ہو۔

اس کے بعد اس کی مثال بیان فرماتے ہیں:۔ کما یحتج بعض آیات القرآن علی تصحیح بدعتہ وھو یعلم ان المراد من الآیۃ غیر ذالک لکن غرضہ ان یلبس علی خصمہ بما یقوی حجتہ علی بدعتہ کما یستعملہ الباطنیۃ والخوارج وغیرھم من اھل البدعۃ فی المقاصد الفاسدۃ۔ ترجمہ:۔ جیسا کہ کوئی شخص اپنی بدعت کا جواز پیدا کرنے کے لیے قرآن کی بعض آیتوں سے استدلال کرے۔ حالانکہ وہ اچھی طرح جانتا ہو کہ آیت کا مطلب کچھ اور ہی ہے۔ لیکن اس کی غرض یہ ہو کہ وہ مقابل کو ایسی چیز سے دھوکہ دے جو اس کی بدعات کے دلائل کو مضبوط کرے۔ جیسا کہ باطنیہ، خوارج اور دوسرے اہل ھوا (گمراہ فرقے) اپنی اغراض فاسدہ کے لیے ایسا کرتے ہیں۔

علامہ سیوطیؒ امام ابوبکر ابن الانباری سے ناقل ہیں:۔ حملہ بعض اھل العلم علی ان الرای معنی بہ الھوی (اتقان صـ۱۷۹ ج۲) یعنی جب اہل علم (پہلی حدیث کو) اس پر محمول کرتے ہیں کہ اس میں رائے سے مراد خواہش نفس ہے (یعنی بدعت اور گمراہی)۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ تفسیر بالرائے کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص جو کسی گمراہ فرقے سے تعلق رکھتا ہو اپنی گمراہی اور بدعت پر قرآن کی آیتوں سے استدلال کرے۔ لیکن اگر ایک شخص علوم تفسیر، حدیث، لغت، صرف و نحو اور علم معانی و بیان کا متبحر عالم ہو اور صحیح العقیدہ اہل سنت والجماعت ہو۔ اگر وہ قرآن مجید کی کسی آیت کا ایسا مفہوم بیان کرے جو اسلام کے مسلمہ اصول و عقائد کے عین مطابق ہو اور قواعد و زبان سے پوری پوری موافقت رکھتا ہو تو وہ تفسیر بالرائے میں داخل نہ ہوگا۔

چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:۔ من تکلم بما یعلم من ذالک لغۃً وشرعاً

فلا حرج علیه ولهذا روی عن هؤلاء وغیرهم اقوال فی التفسیر (تفسیر ابن کثیر ج ۱)
ترجمہ:۔ جس نے قرآن کی تفسیر میں لغت اور شریعت کے اعتبار سے اپنے علم کے مطابق گفتگو کی اس پر کوئی حرج نہیں۔ اسی لیے ان (سلف) سے اور بعد کے علماء سے تفسیر میں بہت سے اقوال منقول ہیں۔

علامہ خازن رقمطراز ہیں:۔ فاما التاویل وهو صرف الآیة علی طریق الاستنباط الی معنی یلیق بها محتمل لما قبلها ولما بعدها وغیر مخالف للکتاب والسنة فقد رخص فیه اهل العلم (خازن) رہی تاویل یعنی آیت کو بطور استنباط ایسے معنے پر محمول کرنا جو اُس کے مناسب ہو اور ماقبل اور مابعد کے اعتبار سے اس کا احتمال ہو اور وہ کتاب و سُنت کے خلاف بھی نہ ہو تو اُس کی علماء نے اجازت دی ہے۔

علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں:۔ من استنبط معناه بحمله علی الاصول المحکمة المتفق علی معناها فهو ممدوح (قرطبی) ترجمہ:۔ جس شخص نے محکم اور متفق علیہ اصولوں پر محمول کر کے قرآن مجید (کی کسی آیت) سے کوئی مفہوم اخذ کیا وہ قابلِ تعریف ہے۔

مفسر ابوحیان اندلسی المتوفی ۷۵۴ھ فرماتے ہیں:۔ لیس من اجتهد ففسر علی قوانین العلم والنظر بداخل فی ذالک الحدیث ولا هو یفسر برأیه ولا یوصف بالخطاء (البحر المحیط ص ۱۳ ج ۱) ترجمہ:۔ جس نے غور و فکر سے کام لیا اور علم و نظر کے اصولوں کے مطابق قرآن کی تفسیر کی وہ اس حدیث میں داخل نہیں۔ اس کی تفسیر تفسیر بالرائے نہیں ہوگی اور نہ خطا کی طرف منسوب ہوگی۔

علامہ سیوطیؒ امام بغوی اور کورشی سے نقل کرتے ہیں:۔ التاویل صرف الآیة الی معنی موافق لما قبلها وبعدها تحتمله الآیة غیر مخالف للکتاب والسنة من طریق الاستنباط غیر محظور علی العلماء بالتفسیر (الاتقان ص ۱۸۱ ج ۲)۔ تاویل یعنی آیت کو اجتہاد و استنباط کے طریق پر ایسے مفہوم پر محمول کرنا جو سیاق و سباق کے مطابق ہو اور آیت میں اس کی گنجائش ہو۔ وہ مفہوم کتاب و سنت کے خلاف بھی نہ ہو۔ علماء تفسیر کے لیے ناجائز اور ممنوع نہیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ کسی آیت کا ایسا مفہوم بیان کرنا جو اس کے سیاق و سباق کے مطابق زبان کے اصول و قواعد کے موافق کتاب و سنت سے ہم آہنگ اور آیت کے الفاظ کا متحمل ہو (یعنی آیت کو اس پر محمول کرنے کی گنجائش ہو) تو اسے تفسیر بالرائے نہیں کہیں گے بلکہ وہ تاویل ہوگی جو شرعاً جائز ہے۔

علوم القرآن اردو ص ۱۸۱ میں ڈاکٹر صبحی صالح رقمطراز ہیں: تفسیر بالرائے کے بارے میں علماء نے مختلف افکار و آراء کا اظہار کیا ہے۔ بعض اس کو حرام قرار دیتے ہیں اور بعض جائز۔ مگر ان کے اختلاف کا حاصل یہ ہے کہ تفسیر بالرائے کی وہ قسم حرام ہے جس میں بلا دلیل و برہان وثوق کے ساتھ کہا جائے کہ خدا کی مراد یہ ہے یا یہ کہ مفسر قرآن قواعد لغت اور اصولِ شرع سے بیگانہ ہونے کے باوجود تفسیر قرآن کی جسارت کرے یا بدعات و ہوا کی تائید میں توڑ مروڑ کر قرآنی آیات کو پیش کرے۔

جب مفسر میں شرائط مطلوبہ موجود ہوں تو تفسیر بالرائے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ بلکہ اس سے بڑھ کر ہم یہ کہتے ہیں کہ قرآن بذاتِ خود تدبر آیات اور تعلیمات کے فہم و ادراک میں اجتہاد کی دعوت دیتا ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا: اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا۔ ترجمہ:۔ آیا قرآن میں غور نہیں کرتے یا دلوں میں تالے پڑے ہوئے ہیں۔ نیز فرمایا کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ مُبٰرَكٌ لِّیَدَّبَّرُوْٓا اٰیٰتِهٖ۔ ترجمہ:۔ یہ بابرکت کتاب ہے جس کو ہم نے آپ کی طرف اُتارا تاکہ اس کی آیات میں غور و فکر کریں۔

امام سیوطیؒ نے تفسیر اتقان ص ۱۸۱ ج ۲ میں علامہ زرکشی کی کتاب البرہان فی علوم القرآن ص ۱۶۱ ج ۲ سے وہ شرائط نقل کی ہیں جن کا پایا جانا تفسیر بالرائے کی اباحت کے لیے ضروری ہے وہ حسبِ ذیل چار شرطیں ہیں:۔

(۱) پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہو مگر ضعیف اور موضوع روایت نہ ہو۔
(۲) صحابہؓ سے منقول ہو۔ اس لیے کہ صحابی کو بھی مرفوع کا درجہ حاصل ہے۔ بعض علماء کا

نقطۂ نگاہ یہ ہے کہ اقوالِ صحابہ جو اسبابِ نزول کے بارے میں منقول ہوں ان کو حدیث مرفوع کا درجہ حاصل ہے۔ اس لیے کہ اس میں انسانی رائے کا کچھ دخل نہیں ہے۔

(۳) لغت پر اعتماد کیا جائے مگر آیات سے وہ معنے مراد نہ لیا جائے جو عرب میں کثیر الاستعمال نہ ہو۔

(۴) مقتضیاتِ کلام سے استدلال کیا جائے۔ بشرطیکہ شرعی قانون اس پر دلالت کرتا ہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباسؓ کے لیے یہی دُعا فرمائی تھی کہ اے اللہ! اس کو دین کا فہم عطا کر اور قرآن کی تاویل سکھا دے۔

حضرت علامہ محدثِ عصر مولانا سید انور شاہ صاحب قدس سرہٗ ارشاد فرماتے ہیں:۔

ان التفسیر اذا لم یوجب تغیرا لمسألۃ او تبدیلا فی عقیدۃ السلف فلیس تفسیرا بالرأی فاذا اوجب تغیرا لمسألۃ متواترۃ او تبدیلا لعقیدۃ مجتمع علیہا فذالک ہو التفسیر بالرأی وہذا الذی یستوجب صاحبہ النار (فیض الباری ص۲۰ ج۴)

ترجمہ:۔ تفسیر جب کسی مسئلہ کو نہ بدلے اور نہ عقیدہ سلف میں تبدیلی کرے تو وہ تفسیر بالرائے نہیں ہاں جب کسی متواتر مسئلہ کو بدلے یا کسی اجتماعی عقیدے کو تبدیل کرے تو وہ ضرور تفسیر بالرائے ہے اور ایسا کرنے والا بیشک دوزخ کی آگ کا مستوجب ہے۔

تفسیر کلام اللہ میں حضرات عارفین کے اقوال

قرآن کی تفسیر کے سلسلے میں صوفیاء اسلام نے بھی تفسیریں کی ہیں اور ملاحدہ باطنیہ نے بھی لیکن اول کو تحریف اور تفسیر بالرائے نہیں کہا جاتا اور باطنیہ اور دیگر ملحدین کی تفسیر کو تحریف میں شامل کر دیا جاتا ہے۔

اس فرق کی کیا وجہ ہے؟ اس فرق کو برہان۔ الاتقان۔ روح المعانی بلکہ تفتازانی نے بھی بیان کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ صوفیاء کرام ظاہری معانی کو تسلیم کرتے ہوئے اُن کی

مماثل اور مناسب اشیاء کا تذکرہ کرتے ہیں تاکہ پروازِ ذہن کا دائرہ وسیع ہو اور وہ مناسب اشیاء اسلامی مسلّمات کے خلاف نہیں ہوتیں۔ ان کی تفسیر سے اسلامیات کا انکار لازم نہیں آتا۔ بخلاف تفاسیر باطنیہ کے کہ وہ باطنی معانی کو اصل مرادِ الٰہی قرار دیتے ہیں اور قرآن کے ظاہری معنے سے انکار کرتے ہیں۔ چنانچہ علامہ آلوسی فرماتے ہیں:۔

"واما کلام الصوفیۃ فی القرآن فھو من باب الاشارات تنکشف علی ارباب السلوک ویمکن التطبیق بینہا وبین الظواہر المرادۃ وذالک من کمال الایمان ومحض العرفان لا انہم اعتقدوا ان الظاہر غیر مراد اصلا وانما المراد الباطن فقط اذ ذالک اعتقاد الباطنیۃ الملاحدۃ توصلوا بہ الی نفی الشریعۃ بالکلیۃ وحاشا سادتنا من ذالک وقد حضوا علی التفسیر الظاہر وقالوا لابد منہ اولا اذ لا یطمع فی الوصول الی الباطن قبل احکام الظاہر ومن ادعی فہم اسرار القرآن قبل احکام الظاہر فہو کمن ادعی البلوغ الی صدر البیت قبل ان یجاوز الباب۔ اھ (روح المعانی ص ۷ ج ۱)

ترجمہ:۔ تفسیر قرآن کے سلسلہ میں صوفیہ کا کلام اشارات کے باب سے ہے جو سالکین پر منکشف ہوتے ہیں اور وہ اشاراتِ قرآن کے ظاہری معانی پر منطبق کیے جا سکتے ہیں۔ یہ کمال ایمان و معرفت کے آثار ہیں۔ ان حضرات کا یہ مقصد نہیں کہ ظاہری معانی مراد نہیں بلکہ صرف باطنی معنی مراد ہیں۔ ایسا عقیدہ ملحدین باطنیہ کا ہے جس سے وہ شریعت کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ اور ہمارے بزرگ اس سے بری ہیں۔ انھوں نے خود ظاہری تفسیر کے یاد کرنے پر زور دیا ہے۔ اور کہا ہے کہ جس کو ظاہری تفسیر پختہ نہ ہو وہ باطن کی طرف نہیں پہنچ سکتا اور جو شخص ظاہری تفسیر کی پختگی سے قبل قرآن کے اسرار کو حاصل کرنا چاہے تو وہ اس شخص کی مانند ہے جو گھر کے اندر تو داخل ہونے کا دعوےٰ کرے دروازہ سے گزر جانے کے بغیر۔ اھ

علامہ آلوسیؒ کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ صوفی کی تفسیر میں چند امور ملحوظ ہوتے ہیں

جو اس کو باطنی تفسیر سے علیحدہ کرتے ہیں۔

(۱) مراد الٰہی صرف ظاہر تفسیر ہے نہ باطنی اشارات۔
(۲) باطنی اشارات تک رسائی ظاہری تفسیر کی مہارت پر موقوف ہے۔
(۳) باطنی اشارات کا ظاہری تفسیر کے ساتھ مطابق ہونا ضروری ہے۔
(۴) باطنی اشارات مناسب اشیاء کا انکشاف ہے جو معرفتِ الٰہی کا ثمرہ ہے نہ الحادو ابتاع ہوا کا۔ اور حدیث میں جو لکل آیۃٍ ظہرٌ و لکل حرف حدٌ و لکل حدٍّ مطلعٌ آیا ہے اس میں ظاہر سے مراد ظاہری معنے ہے اور باطن سے اسرار مراد ہیں۔

صوفیہ اور باطنیہ کے معانی میں فرق کے لیے ہم ایک مثال پیش کرتے ہیں تاکہ فرق خوب واضح ہو جائے۔ حدیث میں آیا ہے اِنَّ الْمَلَائِکَۃَ لَا تَدْخُلُ بَیْتًا فِیْہِ کَلْبٌ وَ لَا صُوْرَۃٌ۔ یعنی جس گھر میں کُتّا اور تصویر ہو اس میں ملائکہ رحمت داخل نہ ہوں گے۔ یہی ظاہری معنی ہیں۔ اب اگر ایک شخص اس اصلی معنے کو برقرار رکھتے ہُوئے بوجہ مناسبت یہ بیان کرے کہ بیت ظاہری سے مراد دل ہے اور کتے سے مراد اخلاقِ سبعیہ ہیں اور صُورت سے مراد محبتِ دُنیا ہے۔ یعنی جس دل میں کُتے والے اخلاق اور محبتِ دُنیا موجود ہو اس میں مَلکی نور داخل نہیں ہوتا۔ تو اس شخص نے اصلی معنی قائم رکھ کر اس کی نظیر کی طرف متوجہ کرنے کی غرض سے معنوی اور باطنی چیزوں کو بیان کیا۔ لیکن بغیر ضرورت کُتے اور جاندار کی تصویر رکھنے کو حرام جانتا ہے تو یہ مثال صوفیہ کرام کی باطنی تفسیر کی ہے کہ ظاہری تفسیر کو مراد سمجھ کر مناسب امور کو ذکر کرتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی دُوسرا شخص مذکورہ حدیث کا یہ مطلب بیان کرے کہ اس سے ظاہری کُتا اور ظاہری تصویر مراد ہی نہیں اور نہ وہ شرع میں منع ہے بلکہ مرادِ حدیث کُتے والے اوصاف ہیں اور صورت سے محبتِ دُنیا ہی مراد ہے تو یہ باطنی اور الحادی تفسیر یا تحریف ہے۔ اسی طرح سورۃ بقرہ میں بنی اسرائیل کے سلسلے میں آیا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ

یَاْمُرُکُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَۃً۔ (سورۃ بقرہ آیت: ۶۷) بنی اسرائیل کے مقتول شخص کے قاتل معلوم کرنے کے لیے اُن کو حکم ہوا کہ بقرہ ذبح کرو اور پھر اُس کے جُزء کو مقتول سے لگا دو۔ مقتول زندہ ہو کر اپنا قاتل بتا دے گا۔ اس آیت کی یہ تفسیر کرنا کہ بقرہ سے گائے بیل مراد نہیں بلکہ نفس بہیمیہ مراد ہے۔ یعنی خود ان لوگوں کا نفس حیوانی اور اس کے ذبح کرنے سے مراد یہ ہے کہ ریاضت اور عبادت سے نفس کشی اختیار کرو تاکہ نفس بہیمی کی سرکشی ختم ہو جائے اور جب اس کی سرکشی ختم ہوگی تو وہ زندہ ہو جائے گا اور اس کو روحانی حیات نصیب ہو کر اصل قاتل یعنی خواہشاتِ نفس کو بتلا دے گی کہ یہی ملکیت اور روحانیت کے قاتل ہیں اور فی الحقیقت کسی ظاہر گائے کو ذبح کرنے کی نوبت نہیں آئی۔ یہی الحادی اور باطنی تفسیر ہے لیکن اصل واقعہ کو صحیح تفسیر قرار دیتے ہوئے بوجہ مناسبت ان امور کی طرف انتقال ہو تو کوئی حرج نہیں جیسے قاضی بیضاوی نے اپنی تفسیر میں مذکورہ اشارات کی نکاتِ معرفت کے درجہ میں نقل کیا ہے۔

(علوم القرآن صـ۸۸ از افادات حضرت علامہ مولانا سید شمس الحق افغانی دامت برکاتہم)

شیخ تاج الدین بن عطاء اللہ کتاب لطائف المنن میں بیان فرماتے ہیں کہ کلام اللہ اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر و تشریح میں حضرات صوفیاء اور عارفین کے بیان کردہ نکات اور اس قسم کے غرائب بیان کرنا کلام کو اس کے ظاہر مفہوم سے متغیر کرنا نہیں ہے۔ اس لیے کہ آیت کا ظاہری مفہوم تو وہی مراد ہوتا ہے جس کی آیت ناطق ہے اور وہ قواعد عربیہ اور اصولِ شریعت سے سمجھا جاتا ہے۔ اس کے بعد یہ غرائب محض رموز اور اشارات اور باطنی تفہیم ہوتے ہیں جو غیبی طور پر اللہ تعالےٰ کی طرف سے ارباب باطن پر القاء کئے جاتے ہیں۔ اھ

(مفتاح السعادۃ صـ۴۲۳ ج ۱ لطاش کبری زادہ)

شرائط مترجم و مفسّر

بریقہ محمودیہ شرح طریقہ محمودیہ صـ ۳۹۵ ج ۳ اور مفتاح السعادۃ للطاشکبری زادہ صـ ۹۳
اور تفسیر اتقان صـ ۱۰۹ ج ۲ قرآن وحدیث اور تفسیر صحابہ پر عبور ہوتے ہوئے مفسّر کے لیے یہ
بھی ضروری ہے کہ مندرجہ ذیل علوم میں کامل مہارت رکھتا ہو، کیونکہ ان علوم کے بغیر بطن قرآن
تک رسائی ہر شخص کے لیے ممکن نہیں۔ الاول اللغۃ قال مجاھد لایحل لاحدٍ یومن
باللّٰہ والیوم الآخر ان یتکلم فی کتاب اللّٰہ اذ لم یکن عالمٌ بلغات القرآن
ولایکتفی بالیسیر ۔ ترجمہ :۔ اوّل عربی کے علم لغت پر عبور ہو (لغت جس سے کلامِ پاک کے
مفرد الفاظ کے معنے معلوم ہوتے ہیں) حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ جو شخص اللہ تعالےٰ پر اور قیامت
کے دن پر ایمان رکھتا ہو، اس کے لیے جائز نہیں کہ اللہ تعالےٰ کی کتاب کے بارے میں لب کشائی
کرے جب تک کہ لغاتِ عرب نہ جانتا ہو اور عربی لغات کا مختصر طریقہ سے جاننا بھی کافی نہیں (اس
لیے کہ بسا اوقات ایک لفظ چند معانی میں مشترک ہوتا ہے اور وہ ان میں سے ایک دو معنی جانتا
ہو اور بقیہ سے ناواقف ہو اور ہو سکتا ہے کہ کم علمی کی وجہ سے وہ یہاں معنے بتادے جو اس کو
معلوم ہو اور فی الواقع اس جگہ کوئی دوسرا معنے مراد ہو۔

فائدہ :۔ علامہ بیہقی شعب الایمان میں حضرت امام مالک کے متعلق ایک روایت
نقل کرتے ہیں کہ آپ فرمایا کرتے تھے اگر میرے پاس ایسا شخص لایا جائے جو عربی لغات
جانے بغیر تفسیر کرنے والا ہو تو میں اُس کو عبرت ناک سزا دوں گا ۔ (اتقان صـ ۱۸۰ ج ۲)

الثانی النحو : لِاَنَّ المعنٰی یَتَغَیَّرُ بِاخْتِلَافِ الْاِعْرَابُ ۔ دوسرا علمِ نحو سے پوری
طرح واقف ہو۔ کیونکہ اعراب (زبر، زیر وغیرہ) کے بدلنے سے معانی بدل جاتے ہیں ۔

فائدہ :۔ اگر علم نحو سے واقفیت نہ ہو گی تو فاعل کو مفعول اور مفعول کو فاعل بنا کر
ترجمہ اور مطلب غلط بیان کر دے گا ۔ ابو عبید کا بیان ہے کہ حضرت حسنؒ نے فرمایا بسا اوقات

آدمی عربیت سے واقف ہوتا ہے ۔ لیکن اس کے باوجود کوئی آیت پڑھتا ہے تو علم نحو
سے عدم واقفیت کی بناء پر اس طرح پڑھ دیتا ہے کہ اس کے لیے باعثِ ہلاکت بن
جاتی ہے ۔ (اتقان صـ ۱۸۰ ج ۲)

الثالث : اَلصَّرْفُ لِاَنَّ فِیْہِ معرفۃ الابنیۃ وَالصِّیَغِ ۔
تیسرا ۔ علم صرف کا جاننا ضروری ہے کیونکہ اسی کی وجہ سے اوزان اور صیغوں کی پہچان
ہوتی ہے ۔

فائدہ :۔ یہ بھی بجائے خود بڑا مہتم بالشان علم ہے ۔ اسی کی وجہ سے ثلاثی مجرد و مزید
فیہ کے ابواب کا علم ہوتا ہے ۔ اگر علمِ صرف سے واقف نہ ہو گا تو ایک ہی آیت کے ترجمے
میں کئی غلطیاں کر بیٹھے گا ۔ ابن فارسؒ فرماتے ہیں من فاتہٗ علمہٗ فاتہ المعظم ۔
جس شخص نے علم صرف حاصل نہ کیا اس نے علم کا بڑا حصّہ کھو دیا ۔ اور اوزان اور صیغوں کے
اختلاف سے معانی بالکل مختلف ہو جاتے ہیں ۔ علاّمہ زمخشری اعجوباتِ تفسیر میں
نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کلامِ پاک کی ایک آیت میں (یَوْمَ نَدْعُوْ کُلَّ اُنَاسٍ
بِاِمَامِھِمْ ۔ ترجمہ :۔ جس دن کہ پکاریں گے ہم ہر شخص کو اس کے مقتدا اور پیشوا کے ساتھ)
اس کی تفسیر علم صرف کی ناواقفیت کی وجہ سے یہ کی کہ جس دن پکاریں گے ہر شخص کو اُن
کی ماؤں کے ساتھ ۔ امام کا لفظ جو مفرد تھا اُس کو اُم کی جمع سمجھا گیا ۔ اگر وہ علم صرف
سے واقف ہوتا تو معلوم ہو جاتا کہ اُم کی جمع امام نہیں آتی ہے ۔

الرابع الاشتقاق :۔ لان الاسم اذا اشتق من مادتین مختلفین
اختلف المعنیٰ باختلافھما کالمسیح ھل ھو من المساحۃ او المسح ۔
چوتھا ۔ علم اشتقاق کا جاننا بھی ضروری ہے اس لیے کہ جب لفظ دو مختلف مادوں سے
مشتق ہو تو اس کے معنے بھی مختلف ہوں گے جیسا کہ لفظ مسیح کہ اس کا اشتقاق مسح سے بھی ہے ۔
جس کے معنے چھونے اور تر ہاتھ کسی چیز پر پھیرنے کے ہیں اور مساحت سے بھی جس کے معنے پیمائش

کے ہیں (اور دونوں کا فرق ظاہر ہے) ۔

الخامس المعانی :

پانچواں : علم معانی کا جاننا ضروری ہے ۔

فائدہ :۔ اس علم معانی سے کلام کی ترکیب کی خاصیتیں باعتبار معنے کے معلوم ہوتی ہیں۔ کیونکہ بعض دفعہ کلام میں ظہور ہوتا ہے اور کہیں پوشیدگی ہوتی ہے اور کہیں تشبیہات وکنایات ہوتے ہیں ۔ ان تمام چیزوں پر واقفیت علم معانی حاصل ہونے کے بعد ہی ہو سکتی ہے ۔ (اتقان ص ۱۸۱ ج ۲)

السادس البیان :

چھٹا : علم بیان کا جاننا ضروری ہے ۔

فائدہ :۔ اس سے کلام کے معانی کا وضاحت اور پوشیدگی کے اعتبار سے پتہ چلتا ہے کہ کہاں پر کلام کس معنے کو وضاحت کے ساتھ بتا رہا ہے اور کہاں معنے میں خفا پایا جاتا ہے ۔

السابع ۔ البدیع

ساتواں : بدیع کا جاننا ضروری ہے ۔

فائدہ :۔ اس سے علم کلام کی خوبیاں تعبیر کے اعتبار سے معلوم ہوتی ہیں اور کلام کے حسن کا پتہ چلتا ہے ۔ آخر الذکر تینوں علم (معانی ۔ بیان ۔ بدیع) علوم بلاغت کہلاتے ہیں جو ایک مفسر کے لیے قرآن کی تفسیر کے سلسلہ میں ایک رکنِ اعظم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور اُن کے ذریعے قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت کا علم ہوتا ہے اور اس کی معجزانہ شان معلوم ہوتی ہے اور عجائبات قرآن واضح ہوتے ہیں۔

امام ابوبکر باقلانی رح فرماتے ہیں جو شخص اس گمان میں ہے کہ بلاغت کی مشق کئے بغیر قرآن کی بلاغت کو سمجھ لے گا وہ جھوٹا اور باطل گو ہے (اتقان ص)

علامہ سکاکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس شخص کے لیے (پوری) تباہی اور بربادی ہو جو قرآن پاک کی تفسیر کے درپے ہو اور علم معانی اور علم بیان سے ناواقف ہو ۔

(بریقہ محمودیہ ص ۲۹۵ ج ۳)

الثامن : علم القراءۃ إذ به يترجح بعض الوجوه المحتملة على بعض ۔

آٹھواں : علم قرأت کا جاننا بھی ضروری ہے ۔ اس لیے کہ بعض قرأت کو بعض پر معنے کی عمدگی کی وجہ سے ترجیح معلوم ہوتی ہے ۔

فائدہ :۔ اس علم سے قرآن پڑھنے کی کیفیت معلوم ہوتی ہے اور قرأۃ کے مختلف ہو جانے سے معنی بھی بدل جاتے ہیں اور علم قرأت سے واقفیت ضروری ہے۔ بسا اوقات ایک قرأت دوسری قرأت کے لیے مفسر ہوتی ہے ۔ ایک قرأت مطلق ہوتی ہے اور دوسری قرأت میں قید مذکور ہوتی ہے تاکہ مطلق کو مقید پر اور عام کو خاص پر محمول کر سکے ۔

التاسع : اصول الدین اذ فی القرآن ما لا یجوز ظاهره فی حقه تعالیٰ فیحتاج الی التاویل ۔

نواں : علم عقائد کا جاننا بھی ضروری ہے ۔ اس لیے کہ کلام پاک میں بعض آیات ایسی بھی ہیں جن کے ظاہری معنے کا اطلاق حق سبحانہٗ وتعالے پر صحیح نہیں اس لیے ان میں کسی تاویل کی ضرورت پڑے گی۔ جیسے يَدُ اللهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ ۔ لفظی ترجمہ (اللہ کا ہاتھ اُن کے ہاتھوں پر ہے) حالانکہ اللہ تعالے جسم اور اعضاء وغیرہ سے منزہ و پاک ہے ۔

فائدہ :۔ ان اصولِ دینیہ سے علی وجہ الکمال واقف ہو ۔ اگر اصولِ دینیہ اور قواعد شریعت اور اصطلاحات شرعیہ کا علم ہوگا تو آیات متشابہات اور آیاتِ خفی الدلالت کا مطلب عقائدِ اسلام کے خلاف تجویز نہ کرے گا ۔

اور اصطلاحات شرعیہ کا جاننا ازبس ضروری ہے۔ محض لفظی ترجمہ کر دینے

سے متکلم کی مراد بدل جاتی ہے۔ مثلاً جو شخص اقلیدس کے اصول موضوعہ اور علم متعارفہ سے واقف نہ ہو وہ اقلیدس کی شرح کیا لکھے گا۔ ایسا شخص شکل حماری اور شکل عروسی کی اصطلاح سے ناواقف ہونے کی بناء پر محض لفظی یہی کرے گا۔ شکل حماری (گدھے والی شکل) اور شکل عروسی (دُلہن والی شکل) اور لُغت کی کتابوں کا ایک انبار سامنے لگادے اور کہے کہ لغت میں حمار کے معنے گدھے کے ہیں اور عروس کے معنے دلہن کے ہیں۔ حالانکہ اقلیدس میں شکل حماری اور شکل عروسی سے یہ مُراد نہیں۔ بلکہ وہ الگ اصطلاح ہے۔ اس طرح مترجم اور مفسّر کے لیے اصولِ دین اور اصطلاحاتِ شرعیہ سے بخوبی واقف ہونا ضروری ہے۔

العاشر: اصول الفقه اذ به يعرف وجه استنباط الاحكام۔

دسواں: اصولِ فقہ کا معلوم ہونا ضروری ہے کہ جس سے وجوہ استدلال اور استنباط معلوم ہوسکیں۔

فائدہ:۔ اس علم سے مسائل اور احکام کے استنباط اور ان کے استدلال کے طریقے معلوم ہوتے ہیں۔

الحادی عشر: اسباب النزول اذ لا يطلع على حقيقة المعنى الابها

گیارھواں۔ اسبابِ نزول کا معلوم ہونا بھی ضروری ہے کہ شانِ نزول سے آیت کے معنی زیادہ واضح ہوں گے اور بسا اوقات اصل معنیٰ کا معلوم ہونا بھی ضروری ہے جو شانِ نزول پر موقوف ہوتا ہے۔

فائدہ:۔ اسبابِ نزول سے واقفیت ضروری ہے کہ یہ آیت کس بارے میں اور کس موقعہ پر نازل ہُوئی۔ موقعہ و محل کے معلوم ہونے سے مراد واضح ہوتی ہے اور آیت کے محل نزول اور موقعہ کا علم بدوں احادیثِ نبویہ اور اقوالِ صحابہؓ ناممکن اور محال ہے۔ اگر کوئی شخص یہ معلوم کرنا چاہے کہ آیت کس محل اور کس موقع پر اور کس شخص کے حق

میں نازل ہُوئی تو سوائے صحابہ کرام کے اور کوئی ذریعہ اس کے معلوم کرنے کا نہیں اور ظاہر ہے جس شخص کو کلام کا موقع اور محل معلوم نہ ہو تو اس کا ترجمہ اور اس کی تفسیر بھی لامحالہ بے موقعہ اور بے محل ہوگی۔

الثانی عشر: الناسخ والمنسوخ ليعلم المحكم من غيره۔

بارہواں:۔ ناسخ اور منسوخ کا معلوم ہونا بھی ضروری ہے تاکہ منسوخ شدہ احکام معمول بہا سے ممتاز ہوسکیں۔

فائدہ:۔ ناسخ اور منسوخ سے واقفیت ضروری ہے کہ یہ حکم فلاں زمانے میں تھا اور بعد میں منسوخ ہوگیا۔

جس حاکم یا وکیل کو یہ علم نہ ہو کہ حکومت کے فلاں احکام منسوخ ہوچکے ہیں اور اس کے بعد یہ احکام ہیں تو وہ حاکم صحیح فیصلہ اور وہ وکیل صحیح بحث نہیں کرسکتا۔ جس حاکم کو حکومتِ وقت کے سابق اور جدید احکام کا علم نہ ہو وہ معزول کرنے کے قابل ہے۔

الثالث عشر: الفقه

تیرہواں: علم فقہ کا معلوم ہونا بھی ضروری ہے کہ جزئیات کے احاطہ سے کلیات پہچانے جاتے ہیں۔

الرابع عشر: الاحاديث المبينة لتفسير المجمل والمبهم۔

چودہواں: ان احادیث کا جاننا ضروری ہے جو قرآنِ پاک کی مجمل آیات کی تفسیر واضح ہُوئی ہیں۔

فائدہ:۔ احادیث کا جاننا بھی ضروری ہے اس لیے کہ احادیث درحقیقت قرآن کی وضاحت اور تفسیر کرتی ہیں۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اِنَّ السُّنَّةَ تُفَسِّرُ الْكِتَابَ وَتُبَيِّنُهُ۔ احادیث کتاب اللہ کی توضیح اور تفسیر کرتی ہیں۔

امام مکحول فرماتے ہیں: اَلْقُرْآنُ اَحْوَجُ اِلَى السُّنَّةِ مِنَ السُّنَّةِ اِلَى الْقُرْآنِ۔

قرآن کو حدیث کی زیادہ ضرورت ہے بہ نسبت اس کے کہ حدیث کو قرآن کی ضرورت ہو۔

الخامس عشر : علم الموھبۃ وعلم یورثہ اللّٰہ لمن عمل بما علم کما اشیر فی حدیث من عمل بما علم ورثہ اللّٰہ علم مالم یعلم۔ فھذہ ھی العلوم التی لایمکن تعاطی التفسیر بدون واحد منھا۔ ومن فسر کان مفسرا بالرای المنھی عنہ۔

پندرھواں :۔ وہ علم وہبی جو حق تعالیٰ شانہٗ کا خاص عطیہ ہے۔ جو اپنے مخصوص بندوں کو عطا فرماتا ہے۔ جس کی طرف اس حدیث شریف میں اشارہ کیا گیا ہے۔ جب بندہ اس چیز پر عمل کرتا ہے جس کو جانتا ہے تو حق تعالیٰ شانہٗ ایسی چیزوں کا علم عطا فرماتے ہیں، جن کو وہ نہیں جانتا۔ (یعنی اس کا فیضان اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان حضرات پر ہوتا ہے جو اعمالِ صالحہ سے آراستہ ہوں دُنیا سے بے رغبت اور آخرت کے طالب ہوں۔م)

یہ علوم جو بیان کئے گئے ہیں مفسّر کے لیے بطور آلہ کے ہیں۔ پس اگر کوئی شخص ان علوم کی واقفیت کے بغیر تفسیر کرے تو وہ تفسیر بالرائے میں داخل ہے جس کی (احادیث میں) ممانعت وارد ہے)

فائدہ :۔ صحابہ کرامؓ کو علومِ عربیہ طبعًا حاصل تھے اور بقیہ علوم مشکوٰۃِ نبوّت سے مستفاد تھے۔

علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ شاید تجھے خیال ہو کہ علم وہبی کا حاصل کرنا بندہ کی قدرت سے باہر ہے لیکن حقیقت میں ایسا نہیں بلکہ اس کے حاصل کرنے کا طریقہ ان اسباب کو حاصل کرنا ہے جس پر حق تعالیٰ شانہٗ اس کو مرتب فرماتے ہیں۔ مثلاً علم پر عمل اور دُنیا سے بے رغبتی وغیرہ وغیرہ۔

اور کیمیائے سعادت میں امام غزالیؒ رقمطراز ہیں کہ قرآن شریف کی تفسیر تین شخصوں پر ظاہر نہیں ہوتی۔ اوّل : وہ علوم عربیہ سے ناواقف ہو۔ دُوسرا وہ شخص جو کسی کبیرہ گناہ

پر مصر ہو یا بدعتی ہو کہ اس گناہ اور بدعت کی وجہ سے اس کا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے معرفتِ قرآن سے قاصر رہتا ہے۔ تیسرا وہ شخص جو کسی اعتقادی مسئلہ میں ظاہر کا قائل ہو۔ اور کلام اللہ کی عبارت اس کے اعتقاد کے خلاف ہو۔ اس سے طبیعت اُچٹتی ہو اس شخص کو بھی فہم قرآن سے حصّہ نہیں ملتا (یعنی فہم قرآن جیسی عظیم نعمت سے محروم رہتا ہے)۔

اب کس قدر ظُلم ہے کہ لوگ قرآن مجید میں قدیم اور جدید فلسفہ کے مباحث، ہیئت کے مسائل، سائنس کے کرشموں اور تاریخ و جغرافیہ کے نکات کی تلاش و جستجو کرتے ہیں اور اسی اعتبار سے قرآن کی صداقت اور اسی معیار سے اس کی عظمت کو جانچنا چاہتے ہیں۔ ہم کو اس سلسلہ کے ضمنی فوائد سے انکار نہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ چیزیں قرآن کا موضوع نہیں ہیں۔ اس کا مقام توان سے کہیں اعلیٰ و ارفع ہے۔ بلاشُبہ قرآن مجید نے کائنات اور اس کے حوادث سے تعرض کیا ہے مگر اس کی نوعیت کیا ہے۔

حضرت مفکرِ اسلام شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ فرماتے ہیں : قرآن مجید علوم طبیعہ کا بھی ذکر فرماتا ہے۔ لیکن فلسفی اور صاحبِ قرآن کے نقطۂ نظر میں فرق ہے۔ مثلاً ایک طبیب جانوروں کو دیکھتا ہے کہ اُن کے خواص پر غور کرتا ہے اور صاحبِ دولت جب جانوروں کو دیکھتا ہے تو وہ سوچتا ہے کہ ان میں سواری کے لائق کون ہے اور بار برداری کے قابل کون ؟ اسی طرح صاحبِ قرآن بھی کائنات سے تعرض کرتا ہے۔ مگر اس کا مقصود خدا کی قدرت اور اس کے علم و حکمت کا اظہار ہوتا ہے۔ اس کے سوا اور کچھ مقصود نہیں ہوتا۔

(سطعات ص۱۱ ، ص۱۲)

مشہور مفسرین کے اسمائے گرامی

صدی	اسمائے گرامی
پہلی صدی	اُبی بن کعبؓ ۲۰ھ — عبداللہ بن مسعودؓ ۳۲ھ — مسروق بن اجدعؒ ۶۸ھ — عبداللہ بن عباسؓ ۶۸ھ
	ابوالعالیہؒ ۹۳ھ — سعید بن جبیرؓ ۹۵ھ
دوسری صدی	ابوالاسود بن عمرؓ ۱۰۱ھ — ضحاک ۱۰۲ھ — عکرمہ ۱۰۴ھ — مجاہد ۱۰۴ھ — طاؤس ۱۰۶ھ — عطا بن ابی رباح ۱۱۴ھ — قتادہ ۱۱۷ھ
	محمد بن کعب ۱۱۸ھ — سدی ۱۲۷ھ — زید بن اسلم ۱۳۶ھ — علی بن ابی طلحہ ۱۴۳ھ — کلبی ۱۴۶ھ — مقاتل بن سلیمان ۱۵۰ھ
	مقاتل بن حیان ۱۵۰ھ — عبدالملک بن عبدالعزیز ۱۵۰ھ — زائدہ بن قدامہ ۱۶۰ھ — امام مالک ۱۶۹ھ — یونس ۱۸۲ھ
	وکیع ۱۹۷ھ — سفیان بن عیینہ ۱۹۸ھ — ابوذکریا بن سلام ۲۰۰ھ
تیسری صدی	قطرب ۲۰۶ھ — فراء ۲۰۷ھ — محمد بن عبداللہ ۲۰۸ھ — حافظ عبدالرزاق ۲۱۱ھ — اخفش ۲۱۵ھ — السمین ۲۳۵ھ — عبد بن حمید ۲۴۹ھ
	امام داری ۲۵۵ھ — محمد بن سحنون ۲۵۶ھ — امام بخاری ۲۵۶ھ — مسلم بن قتیبہ ۲۷۶ھ — ابوحنیفہ دینوری ۲۹۰ھ — امام ثعلب ۲۹۱ھ
چوتھی صدی	علی بن موسیٰ ۳۰۵ھ — ابوالاسود موسیٰ ۳۰۶ھ — ابن جریر ۳۱۰ھ — قتیبہ بن احمد ۳۱۲ھ — ابراہیم بن محمد (زجاج) ۳۱۶ھ — ابوبکر سجستانی ۴۱۶ھ
	امام ماتریدی ۳۳۳ھ — ابن نحاس ۳۳۷ھ — نقاش ۳۵۱ھ — محمد بن القاسم ۳۵۵ھ — امام طبرانی ۳۶۵ھ

اسمائے گرامی

صدی	اسمائے گرامی
چوتھی صدی	قفال شاشی ۳۶۵ھ — امام جصاص رازی ۳۷۰ھ — ابواللیث سمرقندی ۳۹۳ھ
پانچویں صدی	احمد بن علی احمد ۴۰۱ھ — محمد بن الحسن بن فورک ۴۰۶ھ — محمد بن الحسین ۴۱۲ھ — قنازی ۴۱۳ھ — ثعالبی ۴۲۷ھ — الحوفی ۴۳۰ھ
	جوینی ۴۳۷ھ — امام صابونی ۴۴۹ھ — ماوردی ۴۵۰ھ — طوسی ۴۶۰ھ — ابوالقاسم عبدالکریم ۴۶۵ھ — الواحدی ۴۶۸ھ
	شہفور ۴۷۱ھ — ناصر خسرو ۴۸۱ھ — ابوالقاسم ۴۸۹ھ
چھٹی صدی	ابوالقاسم اصفہانی ۵۰۲ھ — خطیب ۵۰۲ھ — امام غزالی ۵۰۵ھ — فراد بغوی ۵۱۶ھ — زمخشری ۵۲۸ھ — اسماعیل طلعی قرشی ۵۳۵ھ
	عالی بن غزنوی ۵۳۷ھ — عمر بن محمد نسفی ۵۳۸ھ — ابن العربی ۵۴۳ھ — امام بیہقی ۵۴۴ھ — شہرستانی ۵۴۷ھ — زین المشائخ ۵۶۲ھ
	حجۃ الدین ۵۶۷ھ — نیشاپوری ۵۷۷ھ — ابن الجوزی ۵۹۷ھ — خزرجی ۵۹۹ھ
ساتویں صدی	شیخ ابومحمد روزبہان ۶۰۶ھ — طبرستانی ۶۰۶ھ — مبارک شیبانی ۶۰۶ھ — عبداللہ بن الحسن العکبری ۶۱۶ھ — قطب مغربی ۶۱۸ھ
	ابوبکر یحییٰ بن احمد ۶۲۶ھ — شیخ حسام الدین سمرقندی — شیخ اکبر ۶۳۸ھ — زملکانی ۶۵۱ھ — ابن النقیب ۶۶۸ھ — ابن فرحون ۶۶۹ھ
	امام کواشی ۶۸۰ھ — ابن المنیر ۶۸۳ھ — امام بیضاوی ۶۸۵ھ — برہان نسفی ۶۸۷ھ — عبدالعزیز دیرینی ۶۹۴ھ

صدی	اسمائے گرامی
آٹھویں صدی	ابوالبرکات نسفی ۷۰۱ھ — امام بدرالدین حلبی ۷۰۵ھ — ابوجعفر غرناطی ۷۰۸ھ — قطب الدین شیرازی ۷۱۰ھ — عماد الکندی ۷۲۰ھ
	احمد بن محمد بن جبارہ ۷۲۷ھ — امام ابن تیمیہ ۷۲۸ھ — علی بن عثمان ۷۳۹ھ — اسکندری ۷۴۱ھ — علامہ طیبی ۷۴۳ھ — ابن حیان ۷۴۵ھ
	جاربردی ۷۴۶ھ — ابن نقاش ۷۶۳ھ — محمد بن محمد الرازی ۷۶۶ھ — محمود بن احمد قونوی ۷۷۱ھ — علامہ تفتازانی ۷۹۲ھ — اکمل [illegible] ۷۹۴ھ
نویں صدی	احمد بن مسعود ۸۰۳ھ — ابوزرعہ عراقی ۸۰۶ھ — فیروزآبادی ۸۱۷ھ — گیسودراز ۸۲۵ھ — شیخ علی مہائمی ۸۳۵ھ — شہاب الدین دولت آبادی ۸۴۰ھ
	ابن حجر عسقلانی ۸۵۲ھ — علاء الدین سمرقندی ۸۶۰ھ — جلال محلی ۸۶۴ھ — ثنی لبی ۸۷۵ھ — قاسم بن قطلوبغا ۸۷۹ھ
	ملا خسرو ۸۸۳ھ — امام بقاعی ۸۸۵ھ — اخی زادہ ۸۸۶ھ — مولانا عبدالرحمن جامی ۸۹۸ھ
دسویں صدی	حسین کاشفی ۹۰۶ھ — جلال الدین سیوطی ۹۱۱ھ — شیخ زادہ ۹۵۱ھ — امام ابوالسعود ۹۸۲ھ
	بدرالدین ۹۸۵ھ — زنجانی ۹۹۳ھ
گیارہویں صدی	شیخ مبارک ناگوری ۱۰۰۱ھ — ابوالفیض ۱۰۰۴ھ — طاہر سندھی ۱۰۰۴ھ — منورالدین لاہوری ۱۰۱۱ھ — ملا علی قاری ۱۰۱۴ھ
	نظام الدین ۱۰۳۶ھ — عبدالحکیم سیالکوٹی ۱۰۶۷ھ — خفاجی ۱۰۷۰ھ — معین الدین ۱۰۸۵ھ

صدی	اسمائے گرامی
بارہویں صدی	امام زاندی ۱۱۰۱ھ — رستم علی قنوجی ۱۱۱۵ھ — ملا جیون ۱۱۳۰ھ — امان اللہ بنارسی ۱۱۳۲ھ — محمد عابد لاہور ۱۱۶۰ھ
	شاہ محمد غوث پشاوری ۱۱۵۲ھ — شاہ ولی اللہ دہلوی ۱۱۷۶ھ
تیرہویں صدی	سید علی بن ابراہیم ۱۲۱۳ھ — قاضی ثناء اللہ پانی پتی ۱۲۲۵ھ — شاہ عبدالعزیز ۱۲۳۹ھ — شاہ عبدالقادر ۱۲۳۰ھ
	محمد سعید مدراسی ۱۲۷۲ھ — نواب قطب الدین خان ۱۲۸۹ھ — محمد بن عبداللہ غزنوی ۱۲۹۶ھ
چودہویں صدی	علامہ آلوسی ۱۳۰۴ھ — نواب صدیق حسن ۱۳۰۷ھ — فتح محمد تائب ۱۳۰۹ھ — بارک اللہ ۱۳۱۱ھ — مفتی محمد عبدہٗ ۱۳۲۳ھ
	شاہ عبدالحق (شیخ الدلائل) ۱۳۳۳ھ — عبدالحق حقانی ۱۳۳۵ھ — حضرت شیخ الہندؒ ۱۳۳۹ھ
	حضرت تھانوی ۱۳۶۲ھ — مولانا احمد علی لاہوری ۱۳۸۱ھ

(ماخوذ از معارف القرآن ص ۳۳ تا ص ۳۶ مؤلفہ جناب مولانا قاضی زاہد الحسینی صاحب دامت برکاتہم)

چند مشہور عربی تفاسیر کا اجمالی تعارف

۱۔ تفسیر جامع البیان یا تفسیر ابن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ) یہ ایک مبسوط مفصل اور محققانہ تفسیر ہے۔

ابن جریر کی تفسیر کا زمانہ تصنیف ۲۸۳ھ سے لے کر ۲۹۰ھ تک ہے (خطیب ص۱۶۳ ج۲) اس کو انھوں نے پہلے تیس ہزار صفحات پر لکھنا چاہا لیکن تلامذہ کی درخواست پر مختصر کر دیا۔ اور تین ہزار صفحات میں لکھا (خطیب بغدادی) مفسر علام تفسیر میں خود جا بجا لکھتے ہیں کہ طوالت سے بچنے کے لیے اختصار سے کام لے رہا ہوں۔ (تفسیر طبری ص۲۸ ج۵) ابن جریر کی تفسیر کو اللہ تعالٰے نے وہ حُسن قبول دیا ہے۔ جس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔ ابو حامد احمد بن ابی طاہر اسفرائنیؒ کہتے ہیں کہ اگر کوئی محض ابن جریر کی تفسیر کے لیے چین کا سفر کرے تو یہ کچھ زیادہ نہیں (خطیب) ابن خزیمہ نے اس تفسیر کو کئی سال تک مکمل دیکھا پھر کہا کہ رُوئے زمین پر ابن جریر سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں (خطیب) حافظ جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ اگر تم مجھ سے پُوچھو کہ کس تفسیر پر اعتماد کیا جائے اور اس کو دیکھا جائے تو میں کہوں گا کہ تفسیر ابن جریر طبری جس پر علماء کا اتفاق ہے کہ اس کے مثل کوئی تفسیر نہیں لکھی گئی۔

خود ابن جریر کہتے ہیں کہ میں نے تفسیر لکھنے سے پیشتر تین برس تک خدا تعالےٰ سے درخواست کی اور تفسیر کے لیے اعانت کا خواستگار رہا۔ خدا تعالےٰ نے یہ دُعا قبول کی۔

ابن جریر کی بڑی خدمت یہ ہے کہ ہر آیت کی تفسیر میں صحابہ کرامؓ اور تابعین کے آثار و اقوال ذکر کرنے کے علاوہ قرآن مجید سے متعلق اپنے عہد تک تمام پیدا شدہ مباحث کو اُنھوں نے اپنی تفسیر میں جمع کر دیا ہے۔ چنانچہ تجوید، صرف، نحو، لغت، فقہ، عقائد، کلام، ملاحدہ اور فرق باطلہ کی تردید اور علوم طبعیہ کے متعلق مسائل ان کی تفاسیر میں صاف

طور سے ملتے ہیں، جن کے پڑھنے سے اس عہد تک کے اندازِ فکر کی پُوری تصویر سامنے آجاتی ہے۔

۲۔ تفسیر کبیر یا مفاتیح الغیب از امام فخر الدین رازیؒ المتوفی ۶۰۶ھ جو معقول و منقول دونوں کے امام تھے۔ ان کی تفسیر حقیقتہً تفسیر کبیر یا تفسیر اعظم کہلانے کی مستحق ہے۔ لسانی، روایتی، کلامی فقہی کہنا چاہیئے کہ سارے ہی پہلو اس میں آگئے ہیں اور کلامی مباحث کے تو گویا رازی بادشاہ ہیں۔ مفسر کا کمال یہ ہے کہ اپنے زمانے کے سارے علوم و فنون کو قرآن کے خادم کی حیثیت سے لا کھڑا کر دیا ہے۔

۳۔ الجامع الاحکام القرآن یا تفسیر قرطبی امام عبداللہ محمد بن احمد انصاری قرطبی متوفی ۶۷۱ھ کی تصنیف ہے۔ نام سے دھوکہ ہوتا ہے کہ شاید صرف فقہی احکام پر محدود ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہے بلکہ مکمل تفسیر ہے۔ محققانہ بھی اور جامع بھی جو مصر سے عمدہ کاغذ پر طبع ہو کر آرہی ہے۔

۴۔ تفسیر الکشاف لغت و ادب کے مشہور امام علامہ جار اللہ محمود بن عمر زمخشری متوفی ۵۱۸ھ کی مشہور تفسیر ہے۔ زمخشری حنفی المسلک تھے مگر عقائد میں معتزلی تھے۔ لیکن جہاں تک ادب و بلاغت کے پہلوؤں کا تعلق ہے، اہل سُنت بھی ان کی نکتہ سنجیوں کے پُوری طرح قائل و معترف ہیں۔

۵۔ معالم التنزیل یا مختصرؐ تفسیر معالم امام محی السُّنۃ حسین بن مسعود ابو محمد بغوی شافعی متوفی ۵۱۶ھ کی تصنیف ہے جو مشہور محدّث گزرے ہیں۔

۶۔ تفسیر مدارک التنزیل امام ابو البرکات عبداللہ بن احمد محمود نسفی (متوفی ۶۸۶ھ) صاحب عقائد نسفی اہل سُنت کے مسلّم امام حنفی المسلک تھے،

اصولِ فقہ میں اپنے دور کے یکتا امام اور محقق شمار ہوتے تھے ۔ اُن کی یہ تفسیر اگرچہ مختصر ہے لیکن نہایت مفید اور عمدہ تفسیر ہے ۔ عقائد و احکام کے باب میں اعتماد سب سے زیادہ اسی پر رہا ہے ۔ شیخ عبدالحق شیخ الدلائل مہاجر مکی کا اس پر بہت طویل حاشیہ ہے جو الاکلیل کے نام سے سات لمبی چوڑی جلدوں میں شائع ہوا ہے ۔

۷ ۔ انوار التنزیل یا تفسیر بیضاوی از قاضی ناصر الدین ابوسعید عبداللہ بن عمر بیضاوی مشہور و متداول اور جامع تفسیر ہے ۔ اس کے فوائد و لطائف احاطۂ بیان سے باہر ہیں ۔ عنوان کے اعتبار سے بظاہر ایک کتاب ہے ۔ لیکن درحقیقت یہ بہت سی عظیم الشان تفاسیر کا لباب اور جوہر ہے ۔ قواعد عربیہ اور معانی و بیان سے تعلق رکھنے والے حقائق و معارف تفسیر کشاف زمخشری سے ماخوذ ہیں ۔ علوم عقلیہ اور حکمت و کلام و اسرار کلام اللہ سے متعلق مباحث تفسیر کبیر سے ماخوذ ہیں اور لغاتِ قرآن کی تحقیق میں ان کی یہ تفسیر مفردات القرآن امام راغب اصفہانی کا جوہر ہے ۔ خود اپنی طبعی اور ذہنی پروانہ اور فن کلام میں مہارت کے باعث تفسیر قرآن میں جن محاسن اور خوبیوں کا جگہ جگہ اضافہ فرماتے ہیں وہ اپنی جگہ دُرِ یکتا ہوتے ہیں ۔ پھر ان لطیف اور دقیق مباحث کو جس اختصار اور جامعیت کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے اُس پر اہلِ نظر و فکر متحیر و معترف ہیں ۔ تفسیر بیضاوی بے مثال تفسیر ہے جو صدیوں سے درس تفسیر میں بنیادی حیثیت رکھتی ہے ۔ اور ہر قرن اور ہر دور میں علماء اُمت اس کے شروح و حواشی لکھتے رہے ۔ چنانچہ شیخ زادہ اور خفاجی اس کے مشہور شروح ہیں ۔ البتہ روایتی حیثیت سے محدثانہ اصول کے تحت اتنا اونچا اس کا مقام نہیں ۔ فضائل سور میں بعض مقامات پر روایات ضعیف اور موضوع بھی آگئی ہیں ۔

۸ ۔ تفسیر ابن کثیر از حافظ عماد الدین ابوالفداء اسمٰعیل ابن کثیر دمشقی (متوفی ۷۷۴ھ) جو شافعی المسلک اور امام ابن تیمیہؒ کے شاگردوں میں سے ہیں ۔ ان کی یہ تفسیر ابن جریر کی تفسیر کا خلاصہ اور لباب ہے ۔ روایاتِ تفسیر کا نہایت ہی معتمد ذخیرہ ہے اور روایات و درایت کی جامعیت میں وہ شان حاصل ہے کہ محدثین کی تفاسیر میں اس کی کوئی نظیر نہیں اور حضرت محدث عصر مولانا سید انور شاہ صاحب کا مقولہ ہے کہ اگر کوئی کتاب کسی دوسری کتاب سے مستغنی کر سکتی ہے تو وہ صرف تفسیر ابن کثیر ہے جو تفسیر ابن جریر سے بے نیاز کر دینے والی ہے ۔

۹ ۔ البحر المحیط از اثیر الدین ابوعبداللہ محمد بن یوسف بن حیان اندلسی متوفی ۶۵۴ھ ابن حیان محدث بھی ہیں اور ادیب و متکلم بھی ۔ تفسیر میں سب پہلوؤں کی رعایت رکھی ہے ۔ جو ضعیف بلکہ موضوع روایات بعض مفسرین محض افراط خوش عقیدگی کی بنا پر ایک دُوسرے سے نقل کرتے چلے آتے تھے ۔ اُنھوں نے جرأت کر کے ان میں سے اکثر کا انکار کر دیا ہے ۔

۱۰ ۔ تفسیر جلالین اس تفسیر کو پہلے شیخ جلال الدین محمد بن احمد محلی شافعی (متوفی ۸۶۴ھ) نے نصف آخر مع سورۃ فاتحہ یعنی سورۃ اسراء سے ختم قرآن تک لکھا ۔ عمر نے وفا نہ کی اس لیے اس کی تکمیل نہ کر سکے ۔ ان کی وفات کے چھ سال بعد شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے نصف اوّل (جو باقی رہ گیا تھا) کی تفسیر لکھی ۔ اللہ تعالےٰ نے اس تفسیر کو عجیب حسن قبول نصیب فرمایا کہ درس کے نصاب میں عرصہ دراز سے داخل ہے ۔ اور بکثرت اس کے شروح و حواشی لکھے گئے ہیں ۔ جمل، ساوی وغیرہ ۔ محمد سلیمان جمل حنفی نے اس کا حاشیہ مفصل لکھا ہے جو مدرسانہ نقطۂ نظر سے بڑی مفید ہے ۔

۱۱ ۔ تفسیر الدر المنثور للسیوطیؒ یہ روایتی تفسیر کا وہ اہم ذخیرہ ہے جس کے متعلق صاحب اکسیر نواب صدیق حسن خان صاحب کا بیان ہے کہ اگر اس میں تنقیح روایات کا التزام بھی ہوتا تو بے نظیر چیز ہوتی ۔
(اکسیر ص ۹)

۱۲- تفسیر ابی السعود جس کا اصل نام ارشاد العقل السلیم الی مزایا الکتاب الکریم ہے۔ جس کے مصنف شیخ ابوالسعود محمد بن عمادی متوفی ۹۸۲ھ ہیں۔ یہ تفسیر اپنی شانِ افادیت میں تفسیر کشاف اور بیضاوی کے قریب اور ہم پلہ شمار ہوتی ہے۔

۱۳- تفسیر غرائب القرآن یا تفسیر نیشاپوری جس کو علامہ نظام الدین حسن بن محمد النیشاپوری نے لکھا ہے تفسیر کبیر کا جوہر و لباب ہے۔

۱۴- تفسیر سراج المنیر شمس الدین محمد بن احمد الشربینی الخطیب (متوفی ۹۷۷ھ) کی تصنیف ہے اس کا ماخذ بھی تفسیر کبیر ہے۔

۱۵- تفسیر خازن جس کا پورا نام لباب التاویل فی معانی التنزیل ہے۔ اس کے مصنف علامہ علاء الدین بن محمد البغدادی (متوفی ۷۴۱ھ) ہیں۔ یہ گویا معالم التنزیل کی شرح ہے۔

۱۶- تفسیر تبصیر الرحمٰن یہ تفسیر چار جلدوں میں ہے جس کے مصنف شیخ علاؤالدین ابن علی مخدوم مہائمی (متوفی ۸۳۵ھ) ہیں۔ یہ تفسیر آیات کے باہمی ربط، دلچسپ پیرایۂ بیان اور نکتہ آفرینی میں بے مثل ہے۔ صوفیانہ معارف و لطائف بھی بکثرت اس میں موجود ہیں۔ قرآن کریم کی معجزانہ شان کے لیے ایک آئینہ ہے۔ مشہور ہے کہ انہوں نے روحانی طور پر حضرت خضر علیہ السلام سے علوم حاصل کئے جو اسرارِ تکوینیہ کی تفہیم کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے معلم بنائے گئے تھے۔

۱۷- تفسیر المنار بارہ جلدوں میں ہے یہ علامہ رشید رضا مصری کی قابلِ استفادہ تفسیر ہے اس سے بھی جدید مباحث میں مدد مل سکتی ہے۔

۱۸- تفسیر روح المعانی علامہ شہاب الدین سید محمود آلوسی (متوفی ۱۲۹۱ھ) متاخرین میں ایک بے مثل شخص ہوئے ہیں۔ نظر میں وسعت بھی تھی اور عمق بھی۔

ان کی یہ جامع و مفصل تفسیر ایک بڑی حد تک قدیم تفسیروں سے غنی کر دینے والی ہے۔ لغوی، روایتی، کلامی، فقہی حیثیت سے کہنا چاہیئے کہ سب ہی کچھ اس میں موجود ہے اور سلوک و تصوف سے متعلق اشارات ان پر مستزاد۔ اس تفسیر کی تالیف ۱۲۵۲ھ میں جبکہ مصنف کی عمر ۳۴ برس کی تھی شروع ہوئی اور ۱۲۶۷ھ میں اختتام کو پہنچی۔

تفسیر کے شروع میں مصنف علامؒ نے لکھا ہے کہ نوجوانی ہی میں قرآن کے بہت سے حقائق و معارف ان پر منکشف ہونے لگے اور بہت سے دقائق ان کے ذہن میں ایسے آئے جو متداول تفسیروں میں نہیں ملتے۔ چنانچہ ان کو ان دقائق و معارف کے قلمبند کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ ابھی وہ اسی ادھیڑ بن میں تھے کہ ایک رات خواب میں دیکھا کہ اللہ تعالےٰ ان کو زمین و آسمان کے لپیٹنے اور اس میں جو خلاء پیدا ہو گیا ہے اُس کو پُر کرنے کا حکم دے رہے ہیں۔ اسی حالت میں اُنھوں نے اپنا ایک ہاتھ آسمان کی طرف اور دُوسرا پانی کی طرف بڑھایا، اس کے بعد آنکھ کُھل گئی اور تفسیر لکھنے میں جو تامل و تردد تھا وہ دُور ہو گیا اور اُنھوں نے تفسیر کا کام شروع کر دیا۔ اس شہرہ آفاق تفسیر میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے تحفہ اثنا عشریہ سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

۱۹- تفسیر مظہری محدث جلیل اور مفسر بے عدیل علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمۃ خلیفہ اجل حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہید علیہ الرحمۃ و شاگرد حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے۔ یہ ایک ایسی کامل شخصیت کا کارنامہ ہے جو بیک وقت فنِ حدیث اور فنِ تفسیر دونوں پر یکساں عبور رکھتا ہے۔ آپ ہر آیت کے مضمون کو احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اقوالِ سلف سے واضح فرماتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ مذاہب فقہیہ کی تحقیق و تفصیل اور اُن کے دلائل اور علماء احناف کی تحقیق کے بیان سے اس کی افادیت میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا ہے۔ واقعی بے نظیر تفسیر

ہے۔ ندوۃ المصنفین دہلی نے دس جلدوں میں شائع کیا ہے۔

۲۰۔ تفسیر فتح القدیر از علامہ محمد بن علی محمد یمنی شوکانی (متوفی ۱۲۵۵ھ) کی ایک گرانقدر تالیف ہے۔ محدثانہ طرز پر علوم کلام اللہ کو واضح فرمایا ہے۔ نقلیات میں بہت احتیاط کی ہے۔ نواب صدیق حسن خان مرحوم (متوفی ۱۳۰۷ھ) کی تفسیر فتح البیان کا یہی مأخذ ہے۔

۲۱۔ احکام القرآن تین جلدوں میں مطبوعہ بیروت۔ از امام ابو بکر احمد بن علی جصاص رازی حنفیؒ (متوفی ۳۷۰ھ) حنفیہ میں بڑے پایہ کی کتاب ہے۔ مسائل کے ساتھ اُن کے دلائل بھی ذکر کیے گئے ہیں۔

۲۲۔ احکام القرآن دو جلدوں میں مطبوعہ مصر۔ از علامہ قاضی ابو بکر محمد بن العربی المالکی الاندلسی (متوفی ۵۴۳ھ) ہر مسئلہ سے متعلق چاروں ائمہ فقہ کے مذہب نقل کر دیئے ہیں۔ بڑے کام کی کتاب ہے۔

چند اُردو تفاسیر کا اجمالی تعارف

(۱) تفسیر فتح المنان یا تفسیر حقانی از فخر المفسرین عمدۃ المتکلمین مولانا عبد الحق حقانی دہلویؒ۔ اردو زبان میں بے نظیر تفسیر ہے۔ جس میں حل لغات، اعراب، فصاحت و بلاغت کے نکات۔ مطالب قرآن اور ان کی تشریح مخالفین کے اعتراضات کے جواب کا خاص اہتمام ہے۔ گویا متقدمین کے علوم کو اس تفسیر میں بڑی خوبی کے ساتھ جمع کر دیا ہے۔ زیادہ تر تفسیر کا مأخذ تفسیر امام رازی تفسیر بیضاوی اور کشاف ہے۔ ان خوبیوں کے علاوہ اس تفسیر کی امتیازی شان یہ ہے کہ زمانہ حال کے فلسفہ اور یورپ کے مستشرقین کے مقابلہ میں اصولِ اسلام کا ایک مدلّل مجموعہ ہے۔ مذاہب غیر سے مناظرہ کرنے والوں کے لیے خاص طور پر مفید ہے۔

۲۔ تفسیر مواہب الرحمٰن از مولانا امیر علی ملیح آبادی مرحوم (مترجم فتاویٰ عالمگیری و مؤلف عین الہدایہ) یہ بہت جامع اور مفصل تفسیر ہے۔ عربی کی مشہور متداول تفسیروں کا عطر اس میں آگیا ہے گو زبان پرانی ہے۔ حال ہی میں مکتبہ رشیدیہ شاہ عالم مارکیٹ لاہور اس کو دس جلدوں میں شائع کر رہا ہے۔

۳۔ خلاصۃ التفسیر (۵ جلدوں میں مع مقدمہ) از مولانا فتح محمد تائب لکھنوی تلمیذ حضرت ابو الحسنات مولانا عبد الحی صاحب لکھنویؒ۔ یہ تفسیر متعدد حیثیتوں سے قابلِ قدر ہے۔ عجیب نکات بیان کئے گئے ہیں۔ گو زبان پُرانی ہے۔

۴۔ تفسیر بیان القرآن از حکیم الامت مجدد الملّت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرّہٗ یہ تفسیر اردو زبان میں اپنی نظیر آپ ہے۔ علوم و معارف سے لبریز ہے۔ نہایت ہی پاکیزہ اسلوب سے معانی کلام اللہ کی توضیح و تفصیل کی گئی ہے۔ آیات کا شانِ نزول اور مسائل فقہیہ اور لطائف و معارف کے بیان کا اہتمام و التزام فرمایا گیا ہے۔ متقدمین کے علوم کا لباب و جوہر ہے۔ تفسیر درِ منثور، تفسیر کبیر، کشاف، بیضاوی اور بالخصوص تفسیر روح المعانی اس کا مأخذ ہیں۔

۵۔ حواشی تفسیری از محقق عصر شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی قدس اللہ سرّہٗ۔ یہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن الدیوبندی (متوفی ۱۳۳۹ھ) کے ترجمۂ قرآن کے اکثر یعنی ۲۶ پاروں پر تفسیری حواشی میں حضرت شیخ الاسلام نے بڑے ہی محققانہ انداز میں مطالب کلام اللہ کی تشریح کی ہے۔ لطائف و معارف کا ایک سمندر ان فوائد میں جمع کر دیا ہے۔ بہت سے اشکالات جن کے حل کے لیے بڑے بڑے دفتر بھی شاید کفایت نہ کر سکیں۔ ان کا حل نہایت سہل اور لطیف انداز میں موتیوں کی طرح چند پاکیزہ کلمات میں کر دیا ہے۔ بالخصوص اہلِ باطل اور ملحدین نے اپنی تفاسیر میں جو تحریفات کی تھیں۔ ان کا اس حسنِ اسلوب سے ردّ فرمایا کہ دیکھنے والے کو اُس کے

مطالعہ کے بعد ادنیٰ تردد اور التباس نہیں رہتا۔

حقیقت یہ ہے کہ شیخ الاسلام علامہ مرحوم نے ضخیم مجلدات تفسیر کو سمندر کو زہ ہی میں نہیں بلکہ سلاستِ زبان و لطافتِ بیان کے ساغرِ بلورین میں بھر دیا ہے۔

۶۔ تفسیر معارفُ القرآن از حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی۔ اس تفسیر میں سلف صالحین کی تفسیروں پر اعتماد کیا گیا ہے جو صحابہ کرامؓ و تابعین سے منقول و ماثور اور مستند کُتبِ حدیث و تفسیر میں موجود ہیں۔ ہر موقع پر مآخذ کا حوالہ بھی دے دیا گیا ہے۔ لطائف و معارف کے درجہ میں متاخرین میں سے مستند اہلِ تفسیر کے مضامین بھی لیے گئے ہیں۔ متن قرآن کے ترجمے میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ اور شیخ العرب والعجم حضرت شیخ الہند قدس سرہما کے ترجموں پہ اعتماد کیا گیا ہے۔

خاص خاص لغات و مفردات کا حل بھی معتمد علیہ کُتب لغت اور تفاسیر سے اخذ کر کے لکھا گیا ہے۔ ترجمے کے بعد مکمل تفسیر و تشریح سے پہلے آیات کا خلاصہ مضمون لکھ دیا گیا ہے جو بجائے خود ایک مختصر تفسیر کا کام دیتا ہے کہ مشغول آدمی اتنا ہی دیکھ لے تو فہم قرآن کے لیے ایک حد تک کافی ہو جائے۔ آخر میں آیاتِ مندرجہ سے متعلق احکام و مسائل لکھے گئے ہیں۔ اس میں اس کا التزام کیا گیا ہے کہ وہ احکام و مسائل لیے جائیں جن پر الفاظ قرآن کی دلالت واضح ہو۔ احکام و مسائل کا بڑا حصہ تفسیر قرطبی، احکام القرآن جصاص، احکام القرآن ابن عربی، تفسیرات احمدیہ، بحر محیط لابن حیان، روح المعانی، روح البیان، بیان القرآن مؤلفہ حکیم الامت مولانا تھانوی وغیرہ سے لیا گیا ہے۔ میرے خیال میں یہ تفسیر بیان القرآن کی شرح ہے۔ اور نہایت جامع و بے نظیر تفسیر ہے۔ آٹھ جلدوں میں مکمل طبع ہو چکی ہے۔

۷۔ تفسیر معارف القرآن۔ از حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی۔ یہ تفسیر علومِ قرآن کا

ایک جامع ذخیرہ ہے اور متقدمین و متاخرین کی کتب تفسیر کا جواہر و لباب ہے۔ حقائق و معارف قرآن میں یہ تفسیر خصوصاً امام رازی کی تفسیر کبیر، علامہ ابو حیان کی تفسیر البحر المحیط علامہ سیّد محمود آلوسی کی تفسیر روح المعانی اور قاضی ابو بکر بن العربی کی احکام القرآن اور تفسیر ابو السعود کا انتخاب ہے۔ عارفانہ اسرار و باطنی لطائف میں ملا مخدوم مہائمی کی تفسیر تبصیر الرحمٰن اور بلاغت و عربیت کے نکات میں علامہ زمخشری کی تفسیر کشاف اور تفسیر قاضی بیناوی کی تلخیص ہے۔ بیانِ احکام میں احکام القرآن للجصاص اور تفسیر مظہری مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتی اس کی بنیاد ہے۔ تحقیقِ مفردات میں امام راغب کی مفردات القرآن اس کا اہم ترین مآخذ ہے۔ تفسیر ابھی زیرِ تالیف ہے۔ غالباً اس کے چھ حصے طبع ہو چکے ہیں۔ کاغذ اور طباعت معیاری نہیں ہے۔

۸۔ تفسیر ماجدی یہ تفسیر بہت سی تحقیقاتِ مفیدہ پر مشتمل ہے۔ مغربی مصنفین کے حوالہ جات اور یورپین معترضین کے جوابات اس تفسیر کے امتیازی ابواب ہیں۔ یہ مشہور اور متداول تفاسیر کا بہترین انتخاب ہے۔ میرے خیال میں یہ لباب التفاسیر ہے۔

۹۔ تفسیر بیان السبحان جسے مفسرِ قرآن حضرت مولانا سیّد عبدالدائم جلالی نے چالیس سال کی محنت شاقہ کے بعد مرتب و مکمل کیا ہے۔ اس تفسیر میں آیات کا ترجمہ اتنا صاف و سلیس، بامحاورہ اور عام فہم ہے کہ ہر شخص ہر آیت کا مطلب و مفہوم بہت آسانی سے سمجھ لیتا ہے۔ ترجمہ کے بعد آیتوں کا باہمی ربط، شانِ نزول اور معنیٰ و مفہوم اتنی وضاحت و سلاست سے بیان کیا گیا ہے کہ قرآن کریم کے معانی و مطالب انتہائی سہولت سے ذہن نشین ہو جاتے ہیں۔ اس بے نظیر تفسیر کے ماخذ بھی نہایت مستند ہیں۔

۱۰۔ تفسیر تسہیل القرآن بین السطور ترجمہ جس کا نام کشف الرحمٰن ہے، یہ وہ ترجمہ ہے جس کو سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید صاحب دہلوی نے

علماء کی ایک موقر جماعت کے مشورہ سے کیا ہے اور جس کو حضرت علامہ مفتی اعظم مولانا محمد کفایت اللہ صاحب کی سرپرستی اور نگرانی حاصل ہے۔ حاشیہ پر تیسیر القرآن ہے جو بین السطور ترجمے کا خلاصہ اور ایک مختصر تفسیر ہے۔ تیسیر القرآن کے بعد تسہیل القرآن جو مفصل تفسیر ہے۔ ۱۹۴۷ء کی ہنگامہ آرائی کے بعد اس تسہیل القرآن کی وہ تفصیل باقی نہ رہ سکی۔ بلکہ وہ تفصیل قدرے کم کر دی گئی۔ یہ تمام مجموعہ حضرت سحبان الہند مولانا احمد سعید صاحب کی اٹھارہ سالہ محنت اور عرق ریزی کا نتیجہ ہے۔ مفسّر علّام نے اس ترجمہ اور تفسیر کی تالیف میں بہت بڑی محنت اُٹھائی ہے اور بڑی بڑی معتبر کتابوں کی زمانۂ دراز تک ورق گردانی کر کے یہ ذخیرہ جمع کیا ہے۔ تفسیر و ترجمہ اختصار اور تھوڑی سی تفصیل کے ساتھ اس قدر جامع ہے کہ بہت سے شبہات جو آج کل آیاتِ قرآنی کے متعلق کئے جاتے ہیں، ترجمہ ہی سے دُور ہو جاتے ہیں اور تفسیر دیکھنے کے بعد تو کوئی شُبہ باقی ہی نہیں رہتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ایک حضرت مولانا ممدوح کی نظر قرآن کریم کی سابق تفاسیر پر بہت گہری ہے اور دوسری طرف وہ دورِ حاضر کے تقاضوں اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے ذہنی خلجان سے پوُری طرح واقف ہیں۔ اور انُھوں نے تفسیر قرآن میں ان دونوں چیزوں کا کامیاب امتزاج پیش فرمایا ہے۔ حضرت حکیم الامت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند کشف الرحمٰن کے متعلق فرماتے ہیں۔ یہ واقعہ ہے کہ مَیں اس ترجمہ سے بہت ہی منشرح ہوُا۔ مجھے تمام تراجم میں بوجہ بلاغت حضرت تھانوی قدس سرہٗ کا ترجمہ پسند تھا۔ لیکن یہ ترجمہ شگفتگی میں اس سے بھی کچھ سوا ہی نظر آتا ہے۔ ارادہ کرتا ہوں کہ اپنی تحریرات میں جہاں آیات کے ترجمے درکار ہونگے تو اس ترجمہ کی نقل پر قناعت کر سکوں گا۔

۱۱۔ تفسیر موضح القرآن قرآن عزیز کی تفاسیر اور اُس کے تراجم مستند اُردو زبان میں بکثرت ہیں، جن میں اوّلیت حضرت شاہ عبد القادر محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ کو حاصل ہے۔ جس کو حضرت شاہ صاحب موصوف نے بارہ سالہ طویل اعتکاف کی حالت

میں کامل مراقبہ اور کامل غور و خوض کے بعد تحریر فرمایا تھا جس کے متعلق علماءِ ہند کا متفقہ عقیدہ ہے کہ یہ ترجمہ الہامی ہے اور بقول حضرت مولانا مفتی سیّد مہدی حسن صاحب، مفتی دار العلوم دیوبند، حضرت محدّثِ عصر مولانا انور شاہ صاحب قدس سرہٗ فرماتے تھے علماء کو اس کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیئے اور اس کیساتھ ساتھ موضح القرآن کا بھی مطالعہ کیا جائے۔ کیونکہ اس میں بعض مشکل مضامین کو چند لفظوں میں حل کر دیا گیا ہے اور اس کے دو چار لفظ بڑے بڑے شُبہ کو دُور کر دیتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو مقدمہ کشف الرحمٰن)

مولانا سیّد ابو الحسن ندوی فرماتے ہیں کہ ہمارے اُستاد مولانا حیدر حسن خان فرماتے تھے کہ مظاہر العلوم سہارنپور کے بانی مولانا محمد مظہر صاحب نانوتویؒ سب تفسیریں پڑھانے کے بعد آخر میں شاہ صاحب کا ترجمہ پڑھاتے تھے۔

۱۲۔ تفسیری حواشی از قطبِ وقت شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری نور اللہ مرقدہٗ کا تفسیری حاشیہ ربطِ آیاتِ قرآنی اور قرآنی مطالب کے خلاصہ کے لیے بڑا ہی مُفید ہے۔ بعض علمائے کرام اس پر درسِ قرآن دینے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

۱۳۔ تفسیر تفہیمُ القرآن مجھے تو اس تفسیر کے مطالعہ کا بذاتِ خود موقعہ نہیں مل سکا۔ البتہ مولانا عبد الماجد دریا آبادی مؤلف تفسیر ماجدی دیباچۂ تفسیر میں اس کے متعلق یوں رقمطراز ہیں: "تفہیم القرآن از مولانا ابو الاعلیٰ مودودی، یہ تفسیر جیسے تفسیر کہنا مُشکل ہی ہے، بہ اقساط نکل رہی ہے، ابھی تک آٹھ پاروں کی نکلی ہے، بعض نکتے اس میں خُوب آ گئے ہیں۔

۱۴۔ تفسیر ترجمانُ القرآن (مؤلفہ مولانا ابو الکلام آزادؔ) یہ تفسیر ادبی اور تاریخی پہلو میں بہت ممتاز ہے۔ فکر اور شعور کو بیدار کرتی ہے۔ البتہ اس کے بعض مقامات جمہور علماء کے نزدیک محل کلام ہیں۔ انتہٰی

ادب نمبر ۲۹

عجمی زبان میں تلاوتِ قرآن کی ممانعت

لَا یَجُوْزُ قِرَاۃُ الْقُرْاٰنِ بِالْعَجَمِیَّۃِ مُطْلَقًا۔ سَوَاءٌ اَحْسَنَ الْعَرَبِیَّۃِ اَمْ لَا۔ فِی الصَّلٰوۃِ اَمْ خَارِجِھَا لِاَنَّ ذٰلِكَ یَذْھَبُ اِعْجَازَہٗ۔ وَمَا رُوِیَ عَنْ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ ؒ مِنْ تَجْوِیْزِہٖ فَقَدْ حُکِیَ عَنْہُ الرُّجُوْعُ عَنْ ذٰلِكَ (مفتاح السعادۃ ص ۳۰۵ ج ۲ بحوالہ تبیان للنووی وتفسیر اتقان ص ج ۱)

ترجمہ:۔ غیر عربی زبان میں قرآن کا خالص ترجمہ پڑھنا مطلقاً ناجائز ہے۔ خواہ آدمی کو عربی زبان اچھی طرح آتی ہو یا نہ آتی ہو۔ نماز میں یا خارج از نماز (دونوں حالتوں میں ناجائز ہے) کیونکہ غیر زبان میں قرآن (کا ترجمہ) پڑھنے سے قرآن کا وہ اعجاز باقی نہیں رہتا۔ اور امام ابو حنیفہؒ سے جو منقول ہے کہ آپ اس کے جواز کے قائل ہیں تو آپ کا اس قول سے رجوع فرما لینا (کتب فقہ میں صراحۃً) منقول ہے۔

قرآن مجید کی زبان اور اس کی فضیلت

عربی جو تمام زبانوں میں زیادہ فصیح اور وسیع اور پُرشوکت زبان ہے۔ نزولِ قرآن کے لئے منتخب کی گئی ہے، جب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم عربی ہیں۔ حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں: انزل اشرف الکتاب باشرف اللغات علی اشرف الرسل بسفارۃ اشرف الملائکۃ۔ وکان ذالک فی اشرف بقاع الارض وابتداء نزولہ فی اشرف شھور السنۃ وھو رمضان فکمل من کل الوجوہ۔

ترجمہ:۔ پاکیزہ تر کتاب اس بہترین زبان میں، افضل ترین رسول پر، فرشتوں کے سردار فرشتے کی سفارت میں تمام روئے زمین کے بہترین مقام میں۔ وقتوں کے بہترین وقت نازل ہو کر ہر اعتبار سے درجۂ کمال کو پہنچی۔ (فوائد تفسیریہ از شیخ الاسلام عثمانی مرحوم ص ۳۰۵)

امام زرکشی رحمۃ اللہ علیہ البرہان فی علوم القرآن ص ۴۶۱ ج ۱ پر اس ادب کی مذکورہ بالا عبارت ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اس بات پر اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ قرآن کو

اپنی مخصوص زبان میں ان ہی الفاظ کے ساتھ پڑھنا واجب ہے۔ کیونکہ اعجازِ قرآن کا تعلق اُس کی اپنی نظم وعبارت سے متعلق ہے اور قرآن کی عبارت کو دُوسری زبانوں میں منتقل کرنے سے نہ تو متکلم کی مراد کی علی وجہ الکمال ترجمانی ہو سکتی ہے اور نہ وہ اعجاز قرآنی باقی رہ سکتا ہے جس کی تعدی اور چیلنج وہ صدیوں سے کرتا چلا آرہا ہے۔ انتہیٰ

روشن چراغ کی بے نوری

آج کل جو جدت پسند لوگوں نے قرآن مجید کی اعجازی نظم وعبارت کو چھوڑ کر اردو زبان میں قرآن کو روشن چراغ کے نام سے شائع کیا ہے۔ جس میں قرآن شریف کا اردو ترجمہ بغیر متن عربی کے ہے۔ ایسے نسخے کا خریدنا حرام ہے۔ یہ لوگ معاذ اللہ الفاظ قرآن کو بیکار سمجھتے ہیں۔ لیکن ان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلام سے ثابت ہے کہ خالی الفاظ کے پڑھنے سے بھی ایک ایک حرف پر دس دس نیکیاں ملتی ہیں اور خالی الفاظ کا پڑھنا بدوں فہم معانی بھی حق تعالیٰ کی توجہ و قرب کا بڑا سبب ہے۔ ہاں اگر کوئی کم بخت کور باطن ان نیکیوں اور حق تعالےٰ کے قرب کو ہی فضول سمجھے تو یہاں اس سے گفتگو ہی نہیں۔

اعجاز نظم قرآن

(۱) قرآنِ عزیز اپنی نظم عربی کے ساتھ معجز ہے۔ اسی لیے قرآن نے تحدی کے ساتھ اعلان کیا کہ میری مثل لاؤ یا مجھ جیسی دس آیت بنا کر لاؤ۔ اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو پھر ایک ہی آیت میرے جیسی لاؤ۔ اہلِ زبان اس سے عاجز ہو گئے اور اس کا مطالبہ پُورا نہ کر سکے۔ عربی نظم قرآن ہی نے دُنیا کو عاجز کر دیا۔ اس کی فصاحت و بلاغت اور حوادث ماضیہ قصص اور اخبار مستقبل نے اپنے معجزانہ طریق سے دُنیا کو مسحور کر دیا۔ اس کے اعجاز نظم کا دُنیا لوہا مان گئی۔ اس کے سامنے جُھک گئی اور مشرف بہ اسلام ہو گئی۔ اگر آج صرف قرآن کا ترجمہ بغیر متن شائع کیا جائے تو اس سے اس کا اعجازی پہلو ختم ہو جاتا ہے جس کو دُنیا دیکھ کر دُنیا مُسلمان ہو جاتی تھی۔ قرآن مجید کا معجز ہونا صفت الفاظ کی ہے نہ کہ معانی کی۔ الفاظ کا

معجز ہونا دلالت کرتا ہے قرآن کے کلام اللہ ہونے پر اور یہ کلام دلالت کرتا ہے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر۔ چنانچہ علامہ بدر الدین عینیؒ عمدۃ القاری ص۳ ج ۹ پر فرماتے ہیں:۔ لیس نبی الا قد اعطاہ اللہ من المعجزات الشئ الذی صفتہ انہ اذا شوہد اضطر الشاہد الی الایمان بہ وتحریرہ ان کل نبی اختص بما ثبت دعواہ من خارق العادات بحسب زمانہ کقلب العصا ثعبانا لان الغلبۃ فی زمان موسیٰ علیہ السلام للسحر فاتاھم بما فوق السحر فاضطرھم الی الایمان بہ۔ وفی زمان عیسیٰ علیہ السلام الطب فجاء بما ھو اعلیٰ من الطب وھو احیاء الموتیٰ وزمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم البلاغۃ فجاءھم بالقرآن ۔اھ۔

ترجمہ:۔ اللہ تعالےٰ نے ہر نبی کو ایسے معجزات عطا کئے ہیں جن کو مشاہدہ کرنے والا ایمان لانے پر مجبور ہو جاتا ہے اور اس کی وضاحت یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ہر نبی کو اس کے زمانے کے مطابق خرقِ عادت کے طور پر معجزات دیئے ہیں۔ جس طرح موسےٰ علیہ السلام کے زمانے میں جادو کا دور دورا تھا۔ اسی کے مطابق حضرت موسیٰ کلیمؑ کو اژدھا بننے والا عصا بطور معجزہ دیا۔ چنانچہ بوقت مقابلہ تمام جادوگر اس معجزہ کو دیکھ کر ایمان لانے پر مجبور ہو گئے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں فنِ طب عروج پر تھا۔ اللہ تعالےٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مُردوں کو زندہ کرنے کا بے مثال معجزہ دے کر طبی دُنیا کو محوِ حیرت کر دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور میں فصاحت و بلاغت کا چرچا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن مجید جیسی معجز نما کتاب عنایت فرما کر رہتی دُنیا تک تمام جن و انس کو مقابلہ سے عاجز کر دیا۔

پس اگر الفاظ بے کار ٹھہریں تو پھر قرآن کے کلامِ خدا ہونے پر اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر کوئی دلیل نہیں۔

روشن چراغ کے دیگر چند مفاسد

(۲) نیز بغیر متن عربی کے اگر خالص ترجمہ کتابی شکل میں شائع کیا جائے تو اس کی قرآنی

حیثیت باطل ہو کر معمولی کتابوں کی طرح اس کو ایک کتاب سمجھا جائے گا اور جو اعزاز و احترام مسلمانوں کے دلوں میں قرآن کریم عربی کا ہے وہ مٹ جائے گا۔ ہر شخص باوضو و بے وضو، پاکی اور ناپاکی کی حالت میں اردو کی ایک کتاب سمجھ کر اُس کے ساتھ معاملہ کرے گا۔ پھر وہ آسمانی کتاب نہ ہو گی جس کو حضرت جبریل علیہ السلام خدا کے ہاں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے تھے، بلکہ اردو کی کتاب ہے جو لوگوں کی بنائی ہوئی ہے۔

(۳) ہر دور، ہر زمانے میں کچھ عرصہ گزرنے کے بعد زبان بدلتی ہے۔ محاورات بدلتے ہیں۔ الفاظ لسانی میں کثیر بیونت ہوتی ہے۔ تغیّر و تبدل ایسا ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے مفہوم اور معانی میں تغیّر فاحش پیدا ہو جاتا ہے، عرف بدل جاتا ہے۔ عرف عام کچھ ہوتا ہے اور عرف خاص کچھ۔ اصطلاحات عرف کے لحاظ سے بدل جاتی ہیں۔ اگر قرآن کریم کا خالص ترجمہ شائع کیا جائے اور اس کے ساتھ متن عربی نہ ہو تو پھر مفاسد کے پیدا ہونے کا امکان ہی نہیں بلکہ وقوع ہو گا، جس کا دور کرنا دشوار تر ہو جائے گا۔

(۴) نیز اگر قرآن کریم کا صرف ترجمہ شائع کیا جائے اور متن عربی اس کے ساتھ نہ ہو۔ مسلمانوں کے پاس صرف ترجمہ ہی رہ جائے اور اصل کتاب غائب ہو جائے تو پھر اس کا حشر وہی ہو گا جو آسمانی کتاب تورات، زبور، انجیل کا ہُوا ہے۔ کوئی کتاب تحریف سے خالی نہ رہی۔ ان کے مفہوم و معانی بدل گئے۔ آیات میں تبدیلی آگئی۔ تراجم باہم متعارض ہو گئے۔ اُن کا آسمانی کتابیں ہونا مشتبہ ہو گیا۔ نہیں کہا جا سکتا کہ کون سی آیت آسمانی ہے اور کون سی مترجم کی بنائی ہوئی ہے۔ حتیٰ کہ جو ان کے ماننے والے ہیں وہ متحیر ہیں کہ اس کی اصلاح کس طرح سے ہو اور تحریف کو کس طرح دور کیا جائے تاکہ لوگوں کے اعتراضات سے سبکدوشی ہو۔ یہی حال مرورِ زمانے کے بعد قرآن کے خالص تراجم کا ہو گا۔ جس سے دشمنانِ دین کو بآسانی ترمیم و تنسیخ و کمی و بیشی و تحریف کا موقعہ مل سکے گا۔ قرآن کریم کے آسمانی کتاب ہونے میں شبہ پیدا ہو جائے گا اور دُنیا کو اس کو اصل کتاب ماننے کے

لیے تیار نہ ہوگی۔ ایمان لانا یا نہ لانا دور کی بات ہے۔

(۵) یہ جو زبان زد خاص و عام ہے کہ قرآن کریم کے عجائبات قیامت تک ختم نہ ہوں گے۔ ہر دور ہر زمانہ میں قرآن رہبری و رہنمائی کرے گا اور یہ کہ خدا تعالٰی کی یہ آخری کتاب اس متن عربی کے ساتھ خاص ہے، ترجمہ اس مقصد کو پورا نہ کرے گا۔ پس ان وجوہ کی بنا پر آج قرآن کریم کا صرف اردو ترجمہ جو روشن چراغ کے نام شائع ہوا ہے۔ عربی قرآن کے مٹانے کا ذریعہ اور بہت سے مفاسد کا پیش خیمہ ہے۔ اس سے قرآن کریم میں تغیر و تبدل و تحریف آیات و تبدیلی معانی و مفاہیم کا دروازہ کھل جاتا ہے، جس کا بند کرنا مسلمانوں کا فریضہ ہے۔ لہٰذا اس کی طباعت اور خرید و فروخت سے مکمل اجتناب کرنا۔ دما علینا الا البلاغ

فقہاء و علماء امت

قاضی ثناء اللہ پانی پتی بیہقی وقت اپنی تفسیر مظہری صہ ۹۴ ج ۷ پر سورۃ شعراء کی آیت ۱۹۶ - وَاِنَّهٗ لَفِیۡ زُبُرِ الۡاَوَّلِیۡنَ کے تحت لکھتے ہیں:۔ القرآن اسم للنظم والمعنیٰ جمیعا حیث قال اللہ تعالیٰ قرآنا عربیا۔ فان العربی صفۃ للنظم ولان القرآن معجز و العجاز من خواص النظم ومن اجل ذالک جاز للجنب ان یقراء ترجمۃ القرآن بالفارسی۔ اھ۔

اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب معارف القرآن صہ ۲۰ جلد ۶ پر قرآن کے اردو ترجمہ کو اردو قرآن کہنا جائز نہیں کے عنوان کے تحت خامہ فرسا ہیں"؛ اسی طرح قرآن کا صرف ترجمہ کسی زبان میں بغیر عربی متن کے لکھا جائے تو اس کو اس زبان کا قرآن کہنا جائز نہیں۔ جیسے آج کل بہت سے لوگ صرف اُردو ترجمہ قرآن کو اردو کا قرآن اور انگریزی کو انگریزی کا قرآن کہہ دیتے ہیں۔ یہ ناجائز اور بے ادبی ہے۔ قرآن کو بغیر متن عربی کے کسی دوسری زبان میں بنام قرآن شائع کرنا اور اس کی خرید و فروخت سب ناجائز ہے۔ اس مسئلہ کی پوری تفصیل احقر کے رسالہ تحذیر الاخوان عن تغییر رسم القرآن میں مذکور ہے۔

اور حضرت مولانا ابوالحسنات لکھنوی اپنی کتاب اکام النفائس صہ ۳ پر فرماتے ہیں:۔

ویمنع من کتابۃ القرآن بالفارسیۃ بالاجماع لانہ یودی الی الاخلال بحفظ القرآن لانا امرنا بحفظ النظم والمعنیٰ ولانہ ربما یودی الی التہاون کذا فی التجنیس و المزید لصاحب الھدایۃ۔

ترجمہ:۔ فقیہ شہیر علامہ برہان الدین صاحب الہدایہ نے اپنی کتاب التجنیس اور المزید میں تصریح کی ہے کہ قرآن مجید کا فارسی زبان میں (خالص ترجمہ بدون متن عربی کے) لکھنے سے منع کیا جائے کیونکہ یہ فارسی ترجمہ حفظ قرآن میں خلل انداز ہے اور ہم کو قرآن کی نظم (الفاظ) اور معنے ہر دو کی حفاظت کا حکم دیا گیا ہے۔ نیز صرف ترجمہ قرآن مجید کے اہانت کا باعث ہوگا۔

وفی معراج الدرایۃ: یمنع من کتابۃ المصحف بالفارسیۃ اشد المنع وانہ یکون عامدۃ زندیقا۔

ترجمہ:۔ قرآن کریم کا بدون متن عربی کے فارسی زبان میں خالص ترجمہ کرنے سے سختی کے ساتھ روکا جائے اور قصداً ایسا کرنے والا زندیق ہے۔ (اکام النفائس صہ بحوالہ معراج الدرایہ شرح الہدایہ)

وفی الکافی شرح الوافی۔ یمنع من کتابۃ مصحفا بالفارسیۃ یمنع وفی المحیط البرھانی ان اعتاد القراءۃ بالفارسیۃ او اراد ان یکتب المصحف بالفارسیۃ منع من ذالک اشد المنع ذکرہ شمس الائمۃ السرخسی فی شرح الجامع الصغیر (اکام النفائس صہ)

ترجمہ:۔ کافی شرح الوافی اور محیط برہانی میں بحوالہ مبسوط سرخسی مذکور ہے کہ جو شخص (بدون متن عربی کے) صرف فارسی ترجمے کا پڑھنے کا عادی ہو یا فارسی میں (بدون متن عربی کے) قرآن لکھنے کا ارادہ کرتا ہو۔ تو اس کو سختی سے روکا جائے۔

وفی فتح القدیر: ذکر فی الکافی۔ انہ ان اعتاد القراءۃ بالفارسیۃ او اراد ان یکتب مصحفا بھا یمنع فان کتب القرآن وتفسیر کل حرف وترجمۃ جاز۔ اھ (اکام النفائس)

اور فتح القدیر شرح ہدایہ میں محقق ابن الہمامؒ لکھتے ہیں کہ جو شخص صرف فارسی ترجمہ پڑھنے کا

عادی ہو یا فارسی میں (بدوں متن عربی کے) قرآن لکھنے کا ارادہ کرے تو اس کو روکا جائے۔ ہاں اگر قرآن مجید کا متن لکھ کر اس کے ساتھ ہی ہر حرف کی تفسیر و ترجمہ لکھے تو یہ درست اور جائز ہے۔ (مزید تحقیق کے لیے ردالمختار ابن عابدین ص۴۸۶ ج۱ بطبع جدید مصری اور فتح القدیر مصری ص۲۰۱ ج۱ اور کفایہ شرح ہدایہ بہامش الفتح ص۲۴۹ ج۱ اور مبسوط للسرخسی ص۳۷ ج۱ اور مغنی لابن قدامہ ص۵۳۰ ج۱ اور بدائع الصنائع للکاسانی ج۱ و بحرالرائق ابن نجیم ص ج۱ وغیرہ ذالک ۔کتب فقہ کی طرف مراجعت کی جاوے۔

(نوٹ :۔ اس قسم کا قرآن طبع کرنے والے، لکھنے والے، کاپی نویس، فروخت کرنیوالے اور خریدنے والے سب گناہ گار ہیں۔)

فائدہ : نماز میں ترجمہ قرآن پڑھنا باجماع اُمت ناجائز ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب تفسیر معارف القرآن ص۴۹۵ ج۶ پر فرماتے ہیں :۔

" اسی وجہ سے اُمت کا اس پر اتفاق ہے کہ نماز میں فرض تلاوت کی جگہ قرآن کے الفاظ کا ترجمہ کسی زبان فارسی، اردو، انگریزی میں پڑھ لینا بدوں اضطرار کے کافی نہیں۔ بعض ائمہ سے جو اس میں توسع کا قول منقول ہے ان سے بھی اپنے اس قول سے رجوع ثابت ہے۔ انتہٰی

باقی حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ سے جو یہ منقول ہے کہ آپ نماز میں فارسی ترجمہ پڑھنے کے جواز کے قائل تھے۔ امام ابوحنیفہؒ واقعی کسی زمانے میں اس بات کے قائل تھے۔ مگر جب ان کو اس قول کا کمزور ہونا معلوم ہوا تو آپ نے اس سے رجوع کر لیا۔ چنانچہ علامہ آلوسی تفسیر روح المعانی ص۱۲۶ ج۱۹ پر فرماتے ہیں : وقد صحیح رجوعہ عن القول بجواز القراۃ بغیر العربیۃ مطلقا جمع من الثقات المحققین اھ۔ اور نیز فرماتے ہیں :۔ وکان رجوع الامام علیہ الرحمۃ عما اشتہر عنہ لضعف الاستدلال بہذہ الایۃ علیہ۔ اھ

اور تفسیر احمدی میں ہے۔ وقد صح رجوعہ الیٰ قولہما وعلیہ الاعتماد۔

اور علامہ شہاب خفاجی حاشیہ بیضاوی پر فرماتے ہیں : وقد قیل ان الصحیح من مذہبہ ان القراٰن ھو النظم والمعنیٰ۔

اور ہدایہ میں ص پر ہے : رجوعہ فی اصل المسئلہ الیٰ قولہما وعلیہ الاعتماد اور تلویح ص اور شرح منار لابن ملک ص میں ہے۔ الاصح انہ رجع عن ھذا القول کما رواہ نوح ابن ابی مریم۔

پس ان معتبر روایات سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے اس مسئلہ میں اپنی رائے سے رجوع کر کے امام ابویوسف اور امام محمد کی رائے قبول کر لی تھی۔

صاحبینؒ کا مسلک

آپ فرماتے ہیں جو شخص عربی زبان میں قرأت پر قادر نہ ہو، وہ اس وقت تک نماز میں قرآن کا ترجمہ پڑھ سکتا ہے۔ جب تک اُس کی زبان عربی الفاظ کے تلفظ کے قابل نہ ہو جائے۔ لیکن جو شخص عربی میں قرآن پڑھ سکتا ہو وہ اگر قرآن کا ترجمہ پڑھے گا تو اس کی نماز نہ ہو گی۔ حقیقت یہ ہے کہ صاحبین نے یہ رعایت دراصل ان عجمی نومسلموں کے لیے تجویز کی تھی جو اسلام قبول کرتے ہی فوراً عربی زبان میں نماز ادا کرنے کے قابل نہ ہو سکتے تھے اور اس میں بناء استدلال یہ نہ تھی کہ قرآن کا ترجمہ بھی قرآن ہے۔ بلکہ ان کا استدلال یہ تھا کہ جس طرح اشارے سے رکوع و سجود کرنا اس شخص کے لیے جائز ہے جو رکوع اور سجدہ کرنے سے عاجز ہو۔ اسی طرح غیر عربی میں نماز پڑھنا اس شخص کے لیے جائز ہے جو عربی تلفظ پر قادر نہ ہو اور علیٰ ہذہ القیاس جس طرح عجز رفع ہو جانے کے بعد اشارے سے رکوع و سجود کرنے والے کی نماز نہ ہو گی۔ اسی طرح قرآن کے تلفظ پر قادر ہو جانے کے بعد ترجمہ پڑھنے والے کی نماز بھی نہ ہو گی۔ اس مسئلہ پر مزید تحقیق کے لیے مبسوط سرخسی ص۳۷ ج۱ ملاحظہ فرمائیں۔

ادب نمبر ۳

قرآن مجید کی بکثرت تلاوت

وَيُسْتَحَبُّ الْاِكْثَارُ مِنْ قِرَاءَةِ الْقُرْاٰنِ وَتِلَاوَتِهٖ

ترجمہ :- اور قرآن مجید کا پڑھنا اور کثرت سے تلاوت کرنا مستحب ہے۔

تشریح : **فضائل تلاوت در حدیث**

۱- حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رشک صرف دو شخصوں پر کیا جا سکتا ہے۔ ایک وہ شخص جس کو اللہ تعالےٰ نے قرآن دیا ہو اور وہ اس کی شبانہ روز تلاوت کرتا ہو۔ دوسرا وہ شخص جس کو اللہ نے مال دیا ہو اور وہ اس کو رات دن خرچ کرتا ہو۔ (بخاری)

۲- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے جس نے اللہ تعالےٰ کی کتاب کا ایک حرف بھی پڑھا اس کو ہر حرف پر ایک نیکی ایسی ملے گی جو دس نیکیوں کے برابر ہو گی۔

۳- حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں جس کو قرآن نے مجھ سے سوال کرنے سے روکے رکھا (یعنی حفظ قرآن یا تلاوت میں مشغول رہا) میں سوال کرنے والوں سے اس کو زیادہ دوں گا۔ (ترمذی)

۴- حضرت ابوامامہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن پڑھو کہ وہ قیامت کے روز اپنے پڑھنے والوں کا شفیع بن کر آئے گا۔ (مسلم)

۵- حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جن گھروں میں قرآن پڑھا جاتا ہے۔ وہ آسمان والوں کو اس طرح نظر آتے ہیں جس طرح زمین والوں کو تارے نظر آتے ہیں۔ (بیہقی)

۶- حضرت انسؓ فرماتے ہیں اپنے گھروں کو نماز اور تلاوت قرآن مجید سے منور کرو۔ (بیہقی)

۷- حضرت نعمان بن بشیرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کی افضل عبادت تلاوتِ قرآن مجید ہے۔ (بیہقی)

۸- حضرت عبیدہؓ ملکی سے مرفوعاً و موقوفاً روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ اے اہلِ قرآن تم لوگ قرآن کو تکیہ نہ بناؤ (یعنی اس سے غفلت نہ کرو) شبانہ روز اس کی تلاوت اس طرح کرو، جیسا تلاوت کرنے کا حق ہے۔ اس کو پھیلاؤ۔ اس میں جو کچھ ہے اس پر غور و خوض کیا کرو شاید تم اس سے بہتری پاؤ۔ (مشکوٰۃ بحوالہ بیہقی)

تلاوت کے متعلق اسلاف کبارؒ کی مختلف عادات

۱- زیادہ سے زیادہ جو ثابت ہوا۔ رات دن میں آٹھ ختم - چار دن میں چار رات میں۔ چنانچہ علینیؒ عمدۃ القاری ص۳۴۹ ج۹ پر فرماتے ہیں :- وقال صاحب التوضیح اکثر مابلغنا قرأۃ ثمان ختمات فی الیوم واللیلۃ وقال السلمی سمعت الشیخ اباعثمان المغربی یقول ان ابن الکاتب یختم بالنہار اربع ختمات و باللیل اربع ختمات اھ۔ ترجمہ :- سلمی فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ ابوعثمان مغربیؒ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ابن کاتب دن میں چار ختم اور رات میں چار ختم کیا کرتے تھے۔

اور ملا علی قاریؒ مرقات ص۱۰ ج۵ پر ہے : قال النووی کان السید الجلیل ابن کاتب الصوفی یختم بالنہار اربعًا و باللیل اربعًا - اقول یمکن حملہ علی مبادی طی اللسان وبسط الزمان - اھ

۲- شبانہ روز میں چار ختم - دو دن کے وقت اور دو ختم رات کے وقت۔

۳- شبانہ روز میں تین ختم۔

۴- شبانہ روز میں دو ختم۔

۵- شبانہ روز میں ایک ختم۔

چنانچہ امام سیوطیؒ اتقان ص۱۰۴ ج۱ پر فرماتے ہیں :- ویلیہ من کان یختم

فی الیوم واللیلۃ اربعًا ویلیہ ثلاثا ویلیہ ختمتین ویلیہ ختمۃ - اھ

اور ملا علی قاریؒ مرقات صـ۱ ج ۵ پر فرماتے ہیں: فختمہ جماعۃ فی یوم ولیلۃ مرۃ - وآخرون مرتین وآخرون ثلاث مرات وختمہ فی رکعۃ من لایحصون کثرۃ وزاد آخرون علی الثلاث - اھ

حضرت عائشہ صدیقہؓ کا ارشاد

امام سیوطیؒ اتقان صـ۱۰۴ ج ۱ پر نقل فرماتے ہیں کہ ابن ابوداؤد نے مسلم بن مخراق سے روایت کیا ہے کہ اس کا بیان ہے کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے عرض کیا کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو ایک رات میں دو یا تین قرآن ختم کرتے ہیں۔ تو انہوں نے فرمایا وہ پڑھیں یا نہ پڑھیں، میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پوری رات نماز میں قیام کیا کرتی تھی اور آپ سورۃ بقرہ۔ آل عمران اور سورۃ نساء پڑھتے تھے۔ مگر اس طرح کہ جہاں کسی بشارت کی آیت پر گذرتے تو دعا فرماتے اور اس سے بہرہ ور ہونے کی اُمید کرتے اور جب کوئی عذاب اور خوف کی آیت پڑھتے اور پناہ مانگتے۔

۶۔ بعض حضرات دو دن میں ایک ختم کرتے تھے۔

۷۔ بعض حضرات تین دن میں ایک ختم کیا کرتے تھے اور یہی صورت بہتر اور عمدہ ہے۔

چنانچہ امام سیوطیؒ اتقان صـ ج ۱ پر فرماتے ہیں کہ بہت سے علماء نے تین دن سے کم میں ختم کرنے کو مکروہ کہا ہے اور دلیل ان کی یہ حدیث ہے جو ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص تین دن سے کم میں پورا قرآن پڑھتا ہے وہ اس کو کبھی سمجھ نہیں سکتا۔

اور ابن ابوداؤد اور سعید بن منصور نے روایت کی ہے کہ وہ تین دن سے کم عرصہ میں قرآن کا پڑھنا مکروہ سمجھتے تھے۔ احمدؒ اور ابو عُبید نے معاذ بن جبلؓ سے روایت کی ہے کہ وہ تین دن سے کم عرصہ میں قرآن کا پڑھنا مکروہ سمجھتے تھے اور احمد اور ابو عبید نے سعید بن المنذرؓ

(جو اس حدیث کے راوی ہیں) سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آیا میں تین دن میں ایک پورا قرآن پڑھ لوں؟ تو آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ ہاں اگر تو اتنی طاقت رکھتا ہے۔ (انتہیٰ)

اور عین العلم میں ہے:- ولایختم فی اقل من ثلاثۃ ایام فرد انہ یمنع التفقہ۔ اھ

۸۔ اور بعض حضرات چار دن میں بعض پانچ دن میں اور بعض چھ دن میں ایک ختم کر لیا کرتے تھے۔ (اتقان صـ ج ۱) چنانچہ علامہ عینیؒ عمدۃ القاری صـ۲۴۹ ج ۹ پر فرماتے ہیں:

وکان الاسود یختمہ فی ست وعلقمۃ فی خمس۔ اھ یعنی اسودؒ چھ دن میں اور علقمہؒ پانچ دن میں ایک ختم کیا کرتے تھے۔

۹۔ اور بعض حضرات سات دن میں ایک ختم کیا کرتے تھے اور یہ درمیانہ درجہ اور بہترین طریقہ ہے اور اکثر صحابہ کرام اور تابعین وغیرہ کا یہی معمول رہا ہے۔ چنانچہ ملا علی قاریؒ زین الحلم صـ۸۱ ج ۱ پر فرماتے ہیں: وکان جماعۃ من الصحابۃ یختمون القرآن فی کل جمعۃ کعثمان وزید بن ثابت وابن مسعود وابی بن کعب رضی اللہ عنہم۔ یعنی صحابہ کرام کی ایک جماعت مثلاً حضرت عثمانؓ اور زید بن ثابتؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ اور ابی بن کعبؓ ہفتہ میں ایک ختم کیا کرتے تھے۔

اور امام سیوطیؒ اتقان صـ ج ۱ پر فرماتے ہیں کہ شیخین (بخاری ومسلم) نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم ایک مہینہ میں قرآن کا ایک ختم کیا کرو۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ میں اس سے زیادہ قوت ہے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا تو دس دن میں پڑھ لیا کرو میں نے پھر عرض کیا مجھ میں اس سے بھی زیادہ قوت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو پھر سات دن میں ایک قرآن ختم کیا کرو اور اس سے زیادہ نہ پڑھنا۔

اور ابو عبید وغیرہ نے واسع بن حبان کے طریق پر قیس بن ابی صعصعہؓ سے روایت

کی ہے کہ اُس نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کتنے دنوں میں ایک قرآن پڑھا کروں ؟ آپؐ نے فرمایا پندرہ دن میں۔ ابن ابی صعصعہؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ مجھ میں اس سے زیادہ پڑھنے کی طاقت ہے۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ ایک ہفتہ میں پڑھا کرو۔ (اتقان)

اور مُلا علی قاری زین الحلم صـ۸۱ ج ا پر فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کے ختم کے چار درجے ہیں (۱) مہینہ میں ایک ختم۔

(۲) شبانہ روز ایک ختم۔ اور ان دونوں کے درمیان دو درجے ہیں جو ابرار اور صلحاء کے ہاں پسندیدہ ہیں۔

(۱) ہفتہ میں ایک ختم اور یہی افضل اور قابلِ عمل ہے۔

(۲) ہفتہ میں دو ختم جو تین دن کے ختم کے لگ بھگ ہے اور کثرتِ تلاوت میں اس کی بھی رخصت ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں :- ففی الختم اربع درجات الختم فی کل شھر والختم فی کل یوم ولیلۃ وکذکرھۃ جماعۃ وکان مبالغۃ فی الاقتصار کما ان الاول مبالغۃ فی الاستکثار وبینھما درجتان معتدلان اختارھما الابرار۔ احداھما فی الاسبوع مرۃ وھی الاولی والاخری والثانیۃ فی الاسبوع مرتین تقریبا من الثلاث۔ وھو الرخصۃ فی الکثرۃ۔ اھ۔

فائدہ :- یاد رہے کہ قرآن مجید کی سات منزلیں ہیں :-

منزل اول :- فاتحہ کے بعد تین سورتیں (بقرہ۔ آل عمران۔ نساء) ہیں۔

منزل دوم :- پانچ سورتیں ہیں (مائدہ۔ انعام۔ اعراف۔ انفال۔ توبہ)۔

منزل سوم :- سات سورتیں ہیں (یونس۔ ہود۔ یوسف۔ رعد۔ ابراہیم، حجر، نحل)

منزل چہارم :- نو سورتیں ہیں (بنی اسرائیل، کہف، مریم، طٰہٰ، انبیاء، حج، مومنون، نور، فرقان)۔

منزل پنجم :- گیارہ سورتیں ہیں (شعراء، نمل، قصص، عنکبوت، روم، لقمان، سجدہ،

احزاب، سبا، فاطر، یٰس)

منزل ششم :- تیرہ سورتیں ہیں (صافات۔ صٓ۔ زمر۔ مومن۔ حم سجدہ۔ شوریٰ۔ زخرف۔ دخان۔ جاثیہ۔ احقاف۔ محمد۔ فتح۔ حجرات)

منزل ہفتم :- سورۃ قٓ سے لے کر والناس تک۔

چنانچہ عین العلم میں ہے :- والاحزاب المرویۃ سبعۃ۔ ثلاث سور ثم خمس ثم سبع ثم تسع ثم احدیٰ عشرۃ ثم ثلاث عشرۃ ثم الباقی۔ اھ

اور مُلا علی قاریؒ زین الحلم صـ۸۲ ج ا پر فرماتے ہیں :- وینسب الی علی کرم اللہ وجہہ انہ اشار الی ھٰذا الترتیب بطریق الرمز والایماء حیث قال فمی بشوق فالفاء فاتحۃ والمیم مائدۃ والیاء یونس والشین الشعراء والواؤ والصافات والقاف قٓ اھ۔ یعنی قرآن کریم کی سات منزلیں سات دن میں اس طرح پڑھی جائیں کہ اُن کے شروع میں فمی بشوق کے حروف واقع ہوں۔ یعنی فؔ سے سورۃ فاتحہ کی طرف اور میم سے سورۃ مائدہ کی طرف اور یؔ سے سورۃ یونس کی طرف اور بؔ سے سورۃ بنی اسرائیل کی طرف اور شؔ سے سورۃ شعراء کی طرف اور وؔ سے سورۃ والصافات کی طرف اور قؔ سے سورۃ قٓ کی طرف اشارہ ہے۔ اس طرح ان حروف کے مجموعہ کا نام "فمی بشوق" ہے۔ اور قرآن ختم کرنے کی یہ ترتیب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف منسوب ہے کہ وہ اسی ترتیب سے قرآن ختم کیا کرتے تھے۔

ختم الاحزاب کی دوسری ترتیب

علامہ اسماعیل حقی آفندی نے تفسیر روح البیان صـ۱۰۸ ج ۹ بتقطیع کبیر میں ختم الاحزاب کی ایک دوسری ترتیب نقل فرمائی ہے :-

جمعہ کے روز ابتداء قرآن سے سورۃ مائدہ کے آخر تک پڑھا جائے۔

ہفتہ کے روز سورۃ انعام سے سورۃ توبہ کے آخر تک۔

اتوار کے روز سورۃ یونس سے سورۃ مریم کے آخر تک

سوموار کے روز سورۃ طٰہٰ سے سورۃ قصص کے آخر تک

منگل کے روز سورۃ عنکبوت سے سورۃ صٓ کے آخر تک

بدھ کے روز سورۃ زمر سے سورۃ رحمان کے آخر تک ۔

جمعرات کو سورۃ واقعہ سے آخر قرآن تک

مگر ملا علی قاری مرقات شرح مشکوٰۃ صنا ج۵ مطبوعہ امدادیہ ملتان میں فرماتے ہیں کہ سات دن میں قرآن ختم کرنے کو ختم الاحزاب کہتے ہیں اور ختم الاحزاب کی سب سے زیادہ صحیح ترتیب فمی بشوق ہے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف منسوب ہے ۔ وہ فرماتے ہیں:

ویسمی ختم الاحزاب وترتیب الاصح بل الوارد فی الاثر ما یؤخذ من قول منسوب الی علی کرم اللہ وجہہ فمی بشوق ۔ اھ ۔

فائدہ :۔ حضرت مولانا نواب قطب الدین قدس سرہٗ مظاہر حق جدید مطبوعہ دیوبند جلد دوم قسط ۶ صـ ۲۲ پر فرماتے ہیں کہ ختم الاحزاب فمی بشوق کی ترتیب کے مطابق کشائش رزق اور دیگر حاجات کی تکمیل کے لیے مجرب بتایا گیا ہے اور دوسری ترتیب کے مطابق ختم الاحزاب کو اکثر حاجات کی تکمیل کے لیے مجرب کہا گیا ہے ۔

مسئلہ :۔ ختم الاحزاب کا آغاز شب جمعہ سے ہونا چاہیئے ۔ کیونکہ راتوں میں یہ افضل ترین رات ہے اور نیز رات کو تلاوت کرنا ۔

چنانچہ ملا علی قاری زین الحلم صـ ۹۲ ج ۱ پر فرماتے ہیں : وکان عثمان رضی اللہ عنہ یبتدی لیلۃ الجمعۃ فانہا فی اللیالی افضل والقرأۃ باللیل امثل ۔ اھ

۱۰۔ بعض حضرات آٹھ دن میں اور بعض دس دن میں اور بعض ایک ماہ میں اور بعض دو ماہ میں ختم کیا کرتے تھے ۔

ابن ابی داؤد نے مکحول سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا کہ صحابہ میں سے زیادہ

پڑھنے والے بھی قرآن کو سات دنوں میں پڑھا کرتے تھے اور بعض ایک مہینے میں ۔ بعض دو مہینوں میں اور بعض اس سے بھی زیادہ عرصہ میں ۔ (اتقان صـ ج ۱)

مسئلہ :۔ فقیہ ابو اللیث ثمرقندی بستان العارفین میں فرماتے ہیں ۔ اگر قاری سے زیادہ نہ ہو سکے تو وہ ایک سال میں قرآن کے دو ختم کرے ۔ کیونکہ حسن بن زیاد نے حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا جو شخص ایک سال میں دو مرتبہ قرآن کی قرأت کرے گا وہ اس کا حق ادا کر دے گا ۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سالِ وفات میں دو مرتبہ جبریل علیہ السلام کے ساتھ قرآن پاک کا دور کیا تھا ۔ (اتقان)

فائدہ :۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کا دور کرنا جیسا کہ حفاظ میں جاری ہے سماعۃً و قرأۃً مسنون ہے ۔

مسئلہ :۔ لیکن دیگر علماء میں کسی کا قول ہے کہ چالیس دن سے زیادہ قرآن کے ختم میں بلا عذر تاخیر کرنا مکروہ ہے ۔

(اذکار للنووی صـ ۸۲ ج ۔ اتقان صـ ج ۱)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اسی قول پر زور دیا ہے کیونکہ اس کی دلیل یہ حدیث ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دریافت کیا کہ قرآن کتنے دنوں میں ختم کیا جائے ؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چالیس دنوں میں ۔ اس حدیث کو ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے ۔

قولِ فیصل

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب الاذکار میں بیان کیا ہے ۔ قول مختار یہ ہے کہ ختم قرآن کی مدت مختلف لوگوں کے لیے الگ الگ ہے ۔ لہٰذا جن لوگوں

کو خوب غور و خوض کرنے سے نئی نئی باریکیاں اور لطائف و معارف حاصل ہوتے ہیں اُن کو چاہیئے کہ اسی قدر تلاوت کرنے پر اکتفا کریں، جس سے تلاوت والے حصّہ کو اچھی طرح سے سمجھ سکنا ممکن ہو۔

اسی طرح جو لوگ اشاعتِ علم دین، فیصلہ، مقدمات یا اور اسی قسم کے ضروری دینی کاموں میں مشغول اور عام دنیاوی کاروبار میں معروف رہتے ہیں، اُن کے لیے اتنا تلاوت کر لینا کافی ہے جو اُن کے فرائض منصبی اور حوائج ضروری میں خلل انداز نہ ہو۔ اور ان لوگوں کے علاوہ جنہیں فرصت رہتی ہے وہ جس قدر اُن سے ممکن ہو اتنی تلاوت کریں۔ مگر اسی حد تک کہ نہ تھکاوٹ ہو اور نہ زبان میں قرأت کرنے سے رکاوٹ پیدا ہو۔

(اتقان ص ج البرہان فی علوم القرآن ص۴۷۱ مرقات ج ص۵۶۲)

ادب نمبر ۳۱

نسیانِ قرآن مجید کی حُرمت

اَنْ یُّحَافِظَ عَلٰی اَنْ لَّا یَنْسٰی آیَۃً اُوْتِیَہَا مِنْہُ (روحانی المعانی)

ترجمہ:۔ اور قرآن مجید کے آداب میں ایک یہ ہے کہ اس بات کا خیال رکھے کہ کسی آیت کو یاد کرنے کے بعد نہ بھلائے۔

تشریح:۔ احادیث وعید

(۱) عن انس بن مالکؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرضت علی ذنوب امتی فلم ار ذنبا اعظم من سورۃ من القرآن او آیۃ اوتیہا رجل ثم نسیہا۔ (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

ترجمہ:۔ حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میرے سامنے میری امت کے گناہ پیش کیے گئے اور میں نے اس سے بڑا گناہ کوئی نہیں دیکھا کہ کسی شخص کو قرآن کی کوئی سورۃ یا آیت یاد رہی ہو اور پھر اس نے اسے فراموش کر دیا ہو۔

(۲) عن سعید بن عبادۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من امرئ یقرأ القرآن ثم ینساہ الا لقی اللہ اجذم۔ (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ:۔ حضرت سعید بن عبادہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا جس شخص نے قرآن پڑھ کر پھر اسے فراموش کر دیا تو وہ قیامت کے دن خدا تعالےٰ کے سامنے کوڑھی ہو کر آئیگا۔ (ابوداؤد)

(۳) عن ابو موسیٰ الاشعریؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال تعاھدوا القرآن فوالذی نفس محمد بیدہٖ لھو اشدُّ تفلتاً من الابل فی عقلھا۔ (مسلم)

ترجمہ:۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے آنحضرتؐ سے روایت کی ہے۔ آپ نے فرمایا قرآن کی حفاظت کرو۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ قرآن مجید جلد نکل جانیوالا سینوں سے بہ نسبت اُونٹ کے اپنی رسیوں سے۔ (بخاری و مسلم)

فائدہ :۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کے برابر پڑھنے اور مواظبت ودوام کے ساتھ بار بار تلاوت کرنے کو اس اونٹ کے باندھنے کے ساتھ تشبیہ دی ہے جس کے بھاگ کھڑا ہونے کا اندیشہ ہو۔ پس جب تک قرآن کی خبر گیری ہوتی رہے گی تو حفظ بھی موجود رہے گا۔ جیسے رسی سے باندھا ہوا اونٹ نکل بھاگنے سے محفوظ ہوتا ہے اور اونٹ کی مثال پیش کرنے میں خصوصیت یہ ہے کہ یہ تمام پالتو جانوروں میں زیادہ بدکنے اور بھاگنے والا جانور ہے اور بدکنے کے بعد اس کو پکڑنا اور سدھانا بہت مشکل ہوتا ہے۔

چنانچہ عمدۃ القاری ص ۳۶ ج ۹ پر ہے :۔ شبہ درس القرآن واستمرار تلاوتہ بربط البعیر الذی یخشی منہ الھرب فمادام التعاھد موجوداً فالحفظ موجود۔ کما ان البعیر مادام مشدوداً بالعقال فھو محفوظ وخص الابل بالذکر لانہ اشد الحیوان الانسی نفوراً وفی تحصیلھا بعد استمکان نفورھا صعوبۃ۔ اھ

ترجمہ :۔ یعنی اگر اونٹ کا نگہبان ومالک اپنے اونٹ کی طرف سے غفلت برتے تو اونٹ رسی سے نکل بھاگتا ہے۔ اسی طرح اگر قرآن کریم برابر نہ پڑھا جاتا رہے تو وہ اونٹ سے جلدی سینے سے نکل جاتا ہے۔ یعنی جلدی بھول جاتا ہے۔

فائدہ :۔ علامہ طیبیؒ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ قرآن مجید انسانی کلام نہیں بلکہ رب العالمین کا کلام ہے اور بندہ اور خالق دوجہاں کے درمیان مناسبت قریبہ نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات قدیم ہے اور بندہ حادث ہے اور اُس نے اپنے احسانِ عظیم ولطفِ عمیم سے ہم کو یہ نعمتِ عظمیٰ عنایت فرمائی کہ اپنے برگزیدہ پیغمبر علیہ السلام کے توسط سے ہم پر اپنا کلام نازل فرمایا۔ پس ہم کو مقدور بھر اس کے حفظ کی طرف مداومت اور مواظبت کے ساتھ متوجہ رہنا چاہیئے۔ (تعلیق الصبیح علی مشکوٰۃ المصابیح ص ج ، مرقات ص ج ۵)

مسئلہ :۔ قرآن مجید کا بھول جانا گناہِ کبیرہ ہے۔ عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری ص ۴۱ ج ۱۹ پر ہے وفی نسیان القرآن ذنبٌ عظیم ومن السلف من جعل ذالک من الکبائر۔ ترجمہ :۔ قرآن کریم کا

بھول جانا گناہِ عظیم ہے اور سلف نے اس کو کبیرہ گناہوں سے شمار کیا۔

اور بریقہ محمودیہ شرح طریقہ محمدیہ ص ۱۵۹ ج ۴ پر ہے :۔ وفیہ ان نسیان القرآن کبیرۃ ولو بعضاً منہ۔ یعنی قرآن مجید کا بھلا دینا کبیرہ گناہ ہے۔ اگرچہ اس کا کچھ حصہ ہی کیوں نہ ہو۔ (کذا فی الاتقان ص ۱۰۵ ج ۱)

گناہِ کبیرہ ہونے کی وجہ :۔ صاحب بریقہ محمودیہ ص ۱۹۵ ج ۴ پر اس کے کبیرہ گناہ ہونے کی وجہ بتلاتے ہوئے لکھتے ہیں :۔ لانہٗ انما ینشاء عن تشاغلہ عنھا بلھو اوفضول اولاستخفافہ بھا وتھاونہ بشأنھا وعدم احترامہ امرھا۔ فیعظم ذنبہ عند اللہ لاستھانۃ العبد لہٗ باعراضہ عن کلامہ۔ اھ ترجمہ :۔ نسیانِ قرآن لہو ولعب اور فضول کاموں میں مشغولیت کی بناء پر ہوتا ہے یا قرآن کی عظمتِ شان اور احترام واکرام ملحوظ نہ رکھنے اور اہانت کی وجہ سے ہوتا ہے اور اس قسم کا اقدام اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑا جرم ہے۔ کیونکہ اللہ پاک کے کلام پاک سے اعراض اس بات کی دلیل ہے کہ اس شخص کے دل میں عظمتِ خداوندی نہیں ہے۔

مسئلہ :۔ نسیانِ قرآن مجید سے کیا مراد ہے ؟

شیخ عبدالغنی النابلسیؒ حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ ص ۲۳۴ ج ۲ پر فرماتے ہیں :۔ قال فی الدرۃ المنیفۃ وشرحھا من تعلم القرآن ثم نسیہ یأثم۔ والنسیان ان لا یمکنہ القرأۃ من المصحف بان نسی استخراج الخط وھذہ فسحۃ عظیمۃ من الامام الشافعی النسیان ان لا یجریہ علی لسانہ کما کان یجریہ قبل النسیان من غیر استخراج خط۔ وفی شرح المنیۃ المصلی من تعلم القرآن ثم نسیہ یأثم والنسیان ان لا یمکنہ القرأۃ من المصحف اھ

ترجمہ :۔ درۃ منیفہ اور اس کی شرح میں ہے کہ جو شخص قرآن مجید سیکھنے کے بعد بھول جائے گا تو گنہگار ہوگا۔ اور بھول جانے سے مراد امام اعظمؒ کے نزدیک یہ ہے کہ قرآن مجید دیکھ کر بھی نہ پڑھ سکے۔ یعنی حروف کا ادا کرنا اور اُن کی پہچان بھول جائے اور مسلک احناف میں بہت بڑی گنجائش اور رعایت ہے۔ اور امام شافعیؒ کے ہاں اس کے معنی یہ ہیں کہ حفظ کرنے کے بعد بھول جائے کہ پھر حفظاً نہ پڑھ سکے اور شرح

منیۃ المصلی میں بھی یہی ہے کہ نسیان سے مراد یہ ہے کہ قرآن مجید دیکھ کر بھی نہ پڑھ سکے۔ انتہیٰ

(کذا فی زین العلم ص ۱۱ ج ۱ و مرقات ص ۲ ج ۵)

اور مظاہر حق کتاب فضائل القرآن میں ہے کہ حضرت مولانا شاہ محمد اسحاقؒ فرمایا کرتے تھے کہ اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ استعداد والے کا بھولنا تو یہ ہے کہ یاد کئے ہوئے کو بغیر دیکھے نہ پڑھ سکے اور غیر استعداد والے کا بھولنا یہ ہے کہ دیکھ کر بھی نہ پڑھ سکے۔ انتہیٰ

مسئلہ: یکرہ ان یقول نسیت آیۃ بل انسیتہا لحدیث الصحیحین فی النہی عن ذلک القول

ترجمہ: اور مکروہ ہے کہ کوئی یوں کہے میں نے فلاں آیت بھلادی بلکہ یوں کہے میں (فلاں آیت) بھلادیا گیا ہوں۔ اس لیے کہ صحیح بخاری و مسلم کی روایت میں اس طرح کہنے سے منع کیا گیا ہے۔

فائدہ: یہاں ایک اور ادب سکھلایا جارہا ہے کہ اگر کسی شخص کو قرآن کریم کی کوئی سورت یا آیت یاد نہ رہے تو وہ اس موقع پر یوں نہ کہے کہ میں بھول گیا ہوں۔ کیونکہ اس طرح کہنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس نے قرآن پڑھنا چھوڑ دیا اور بے التفاتی اور لاپرواہی کے سبب بھول گیا جو ظاہر ہے کہ قرآن کی شانِ عظمت کے خلاف ہے۔ نیز اس طرح کہنے سے ارتکاب معصیت کا اظہار ہوتا ہے۔ حالانکہ اس کو اپنی اس تقصیر و کوتاہی پر اظہارِ حسرت کرنا چاہیئے۔

(تعلیق الصبیح ص ۳۹ ج ۳)

تکملہ: قرآن مجید کا ترک و ہجران

رحمتِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی گناہ کی بابت مروی نہیں کہ بارگاہِ الٰہی میں آپ اپنی امت کی شکایت فرمائیں مگر اسی ترکِ قرآن کی۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشادِ ربانی ہے: وَقَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا ھٰذَا الْقُرْاٰنَ مَھْجُوْرًا ۔ ترجمہ: اور رسول کہیں گے کہ اے میرے پروردگار! میری اس قوم نے اس قرآن کو بالکل نظر انداز کر رکھا تھا۔

شیخ الاسلام علامہ عثمانی مرحوم اپنے تفسیری فوائد و حواشی میں ص ۴۷۲ پر فرماتے ہیں:

"آیت میں اگرچہ مذکور صرف کافروں کا ہے تاہم قرآن کی تصدیق نہ کرنا۔ اس میں تدبر نہ کرنا۔ اس پر عمل نہ کرنا، اس کی تلاوت نہ کرنا۔ اس سے اعراض کرکے دوسرے لغویات یا حقیر چیزوں کی طرف متوجہ ہونا۔ یہ سب صورتیں درجہ بدرجہ ہجرانِ قرآن کے تحت داخل ہو سکتی ہیں۔" انتہیٰ

تذییل: اسباب نسیان سے احتراز

طالب علم کو چاہیئے کہ وہ ایسی باتوں سے اجتناب کرے جو نسیان کا سبب ہیں یعنی گناہ اور معصیت سے بچیں اور ان چیزوں میں دل نہ لگائیں جو دل و دماغ اور ذہن و فکر کو غافل کر دیتی ہیں۔ چنانچہ حضرت امام شافعیؒ نے اسی مضمون کو اس شعر میں ادا کیا ہے۔

شَکَوْتُ اِلٰی وَکِیْعٍ سُوْءَ حِفْظِیْ ۔ فَاَدْھَانِیْ اِلٰی تَرْکِ الْمَعَاصِیْ

ترجمہ: میں نے (اپنے استاد) وکیع سے اپنے حافظہ کی کمزوری کی شکایت کی تو انہوں نے مجھے ترکِ معصیت کی نصیحت کی۔

فَاِنَّ الْعِلْمَ فَضْلٌ مِّنْ اِلٰہٍ ۔ وَفَضْلُ اللّٰہِ لَا یُعْطٰی لِعَاصِیْ

ترجمہ: کیونکہ علم تو خدا تعالےٰ کا فضل ہے اور خدا کا فضل گناہ گار کے حصے میں نہیں آتا۔

حفظِ قرآن مجید کی نماز اور دعا

حفظ قرآن مجید کی نماز اور دعا یہ ہے کہ جمعرات کی آخری رات کے تہائی یا اوسط یا اس رات کے اول حصے میں چار رکعت نماز اس طرح ادا کی جائے کہ پہلی رکعت میں بعد سورۃ فاتحہ سورۃ یٰسٓ اور دوسری میں بعد سورۃ فاتحہ سورۃ حٰمٓ الدخان اور تیسری میں بعد فاتحہ سورۃ الٓمٓ تنزیل السجدہ اور چوتھی میں بعد فاتحہ سورۃ تبارک الذی پڑھی جائے۔ پھر تشہد پڑھ کر خدا کی حمد و ثنا اور درود شریف، پھر تمام انبیاء مومنین اور مومنات اور ان بھائیوں کے لیے جو دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں، بخشش طلب کی جائے۔ بعد نماز یا

نماز کے اندر یہ دُعا پُورے اطمینان اور سکون کے ساتھ پڑھی جائے ۔ دُعا یہ ہے :۔

اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِيْ بِتَرْكِ الْمَعَاصِيْ اَبَدًا مَا اَبْقَيْتَنِيْ ۔ وَارْحَمْنِيْ اَنْ اَتَكَلَّفَ مَالَا يَعْنِيْنِيْ ۔ وَارْزُقْنِيْ حُسْنَ النَّظَرِ فِيْمَا يُرْضِيْكَ عَنِّيْ ۔ اَللّٰهُمَّ بَدِيْعَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ وَالْعِزَّةِ الَّتِيْ لَا تُرَامُ ۔ اَسْئَلُكَ يَا اَللّٰهُ يَا رَحْمٰنُ بِجَلَالِكَ وَنُوْرِ وَجْهِكَ اَنْ تُلْزِمَ قَلْبِيْ حِفْظَ كِتَابِكَ كَمَا عَلَّمْتَنِيْ ۔ وَارْزُقْنِيْ اَنْ اَتْلُوَهٗ عَلَى النَّحْوِ الَّذِيْ يُرْضِيْكَ عَنِّيْ ۔ اَللّٰهُمَّ بَدِيْعَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ وَالْعِزَّةِ الَّتِيْ لَا تُرَامُ ۔ اَسْئَلُكَ يَا اَللّٰهُ يَا رَحْمٰنُ بِجَلَالِكَ وَنُوْرِ وَجْهِكَ اَنْ تُنَوِّرَ بِكِتَابِكَ بَصَرِيْ وَاَنْ تُطْلِقَ بِهٖ لِسَانِيْ وَاَنْ تُفَرِّجَ بِهٖ عَنْ قَلْبِيْ وَاَنْ تَشْرَحَ بِهٖ صَدْرِيْ ۔ وَاَنْ تَسْتَعْمِلَ بِهٖ بَدَنِيْ ۔ فَاِنَّهٗ لَا يُعِيْنُنِيْ عَلَى الْحَقِّ غَيْرُكَ وَلَا يُؤْتِيْنِيْهِ اِلَّا اَنْتَ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ ۔

حضرت ابن عباسؓ قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پانچ یا سات جمعرات کے بعد آنحضرتؐ کی خدمت اقدس میں تشریف لا کر بیان کیا کہ اس نماز اور دعا سے پہلے میں چار آیات بھی محفوظ نہیں رکھ سکتا تھا اور اب بحمد اللہ چالیس کے قریب سیکھتا ہوں اور وہ دل میں اس طرح مکتوب ہو جاتی ہیں گویا قرآن میرے سامنے کھلا ہُوا رکھا ہے۔ اور یہی حال احادیث کا بھی تھا اور ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سُنکر فرمایا۔ رب کعبہ کی قسم! اے ابو الحسن تو مومن ہے۔ انتہیٰ

(۲) ازالہ نسیان کی دُعا

عارف باللہ حضرت امام یافعی یمنیؒ اپنی کتاب خواص القرآن میں ایک حدیث نقل فرماتے ہیں کہ جس کو قرآن مجید بھول جانے کا اندیشہ ہو تو وہ یہ دُعا پڑھا کرے :۔

اَللّٰهُمَّ نَوِّرْ بِكِتَابِكَ بَصَرِيْ وَاَطْلِقْ بِهٖ لِسَانِيْ وَاشْرَحْ بِهَا صَدْرِيْ وَاسْتَعْمِلْ بِهٖ جَسَدِيْ بِحَوْلِكَ وَقُوَّتِكَ فَاِنَّهٗ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِكَ ۔ اھ

(۳) برائے قوتِ حافظہ

شیخ الاسلام حضرت مولانا مدنی قدس سرہٗ فرماتے ہیں ۔ قوتِ حافظہ کے لیے سورۃ فاتحہ اکتالیس بار مع بسم اللہ روزانہ بعد عصر پڑھ کر سینہ پر دم کر لیا کریں ۔

(مکتوبات شریف)

(۴) تقویتِ حفظ و فہم کے لیے مجرّب وظیفہ

سید علوی بن احمد سقاف اپنے رسالہ الفوائد المکیہ فیما یحتاجہ طلبہ الشافعیہ ص۱۱ پر شہاب قلیوبیؒ سے نقل فرماتے ہیں کہ درس کے آغاز میں اس دُعا کے پڑھنے سے شرح صدر و جودت فہم و حفظ نصیب ہوتی ہے ۔ دُعا یہ ہے :۔

اَللّٰهُمَّ اَلْهِمْنِيْ عِلْمًا اَفْقَهُ بِهٖ اَوَامِرَكَ وَنَوَاهِيَكَ ۔ وَارْزُقْنِيْ فَهْمًا اَعْلَمُ بِهٖ كَيْفَ اُنَاجِيْكَ يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ ۔ اَللّٰهُمَّ اَكْرِمْنِيْ بِنُوْرِ الْفَهْمِ وَاَخْرِجْنِيْ مِنْ ظُلُمَاتِ الْوَهْمِ ۔ وَافْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ وَانْشُرْ عَلَيَّ حِكْمَتَكَ يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ ۔ اھ

فائدہ :۔ امام احمد بونیؒ کی کتاب شمس المعارف کبریٰ جس کا اردو ترجمہ بھی دستیاب ہو رہا ہے۔ بڑی جامع کتاب ہے۔ اس سلسلہ میں اس کو ملاحظہ کیا جائے ۔ نیز مجربات دیربی بھی مستند کتاب ہے ۔ اس کا بھی اُردو ترجمہ چھپ چکا ہے ۔ ملاحظہ فرمالیں ۔

ادب نمبر ۳۲

پوری توجہ سے قرآن مجید کا سننا

یسن الاستماع لقرآن وترک اللغط والحدیث قال اللہ تعالیٰ

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ

(اتقان صـ ۱ جـ ۱)

ترجمہ :- قرآن مجید کا بوقتِ تلاوت توجہ سے سننا اور شور وشغب اور بات چیت کا ترک کرنا امر مسنون ہے۔ چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے "اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کی طرف کان لگائے رہو اور چپ رہو۔"

تشریح :- انصات ایسی خاموشی کو کہتے ہیں جو سننے ہی کی غرض سے اور بطور ادب ہو۔ چنانچہ امام قرطبی فرماتے ہیں: الانصات: السکوت للاستماع والاصغاء والمراعاۃ اور امام جصاص رازیؒ احکام القرآن صـ جـ پر فرماتے ہیں- قال اہل اللغۃ الانصات الامساک عن الکلام والسکوت لاستماع القرآن - اھ

قرآن کا حق صرف پڑھنے والے پر ہی نہیں بلکہ سننے والے پر بھی ہے کہ ہر قسم کی بات چیت اور شور وشغب چھوڑ کر خاموشی کے ساتھ پوری توجہ سے سنے۔ شیخ الاسلام مولانا عثمانی مرحوم اس آیت کریمہ کے فوائد وحواشی تفسیریہ میں فرماتے ہیں۔ جب قرآن ایسی دولت بے بہا اور علم وہدایت کی کان ہے تو اس کی قرأت کا حق سامعین پر یہ ہے کہ پوری فکر وتوجہ سے اُدھر کان لگائیں۔ اس کی ہدایت کو سمع قبول سے سنیں اور ہر قسم کی بات چیت، شور وشغب ذکر وفکر چھوڑ کر ادب کے ساتھ خاموش رہیں تاکہ خدا کی رحمت اور مہربانی کے مستحق ہوں۔ اگر کافر اس طرح قرآن سنے تو کیا بعید ہے کہ خدا کی رحمت سے مشرف بایمان ہو جائے۔ اور اگر پہلے سے مسلمان ہو تو ولی بن جائے۔ یا کم از کم اس فعل کے اجر وثواب سے نوازا جائے۔

استماعِ قرآن کا اجر وثواب

اور یہ بات یاد رہے کہ جس طرح قرآن مجید پڑھنا اجر وثواب رکھتا ہے۔ اسی طرح اس کے سننے میں بھی بڑا ثواب ہے۔ آنحضرت ﷺ کا صحابہ کرامؓ سے قرآن مجید کا سننا متعدد روایات سے ثابت ہے۔ وعلیٰ ہذا البعض صحابہؓ دوسرے صحابہ کرامؓ سے بھی قرآن پڑھوا کر سنا کرتے تھے اور بہت سی روایات اس کے فضائل میں وارد ہیں۔

(۱) وفی الخبر من استمع الیٰ آیۃٍ من کتاب اللہ تعالیٰ کان لہٗ نوراً یوم القیامۃ وکتبت لہ عشر حسنات - (وسیلہ احمدیہ شرح طریقہ محمدیہ صـ ۳۷ جـ ۲)

ترجمہ :- حدیث میں وارد ہے کہ جس شخص نے قرآن مجید کی ایک آیت بھی کان لگا کر سنی تو یہ اس کیلئے قیامت کے دن روشنی کا باعث ہوگا اور اس کے لیے دس نیکیاں لکھی جائیں گی۔

(۲) وعن ابی ہریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من استمع الیٰ آیۃ من کتاب اللہ کتبت لہ حسنۃ مضاعفۃ - (رواہ احمد، الترغیب والترہیب صـ ۳۴۵ جـ ۲)

ترجمہ :- حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص کتاب اللہ کی ایک آیت کان لگا کر سنے، اس کے لیے دوگنی نیکی لکھی جاتی ہے۔

استماع کا بلنسبت تلاوت کے دوگنا ثواب

اس حدیث سے بعض فقہاء کرام نے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ قرآن کے سننے میں پڑھنے سے زیادہ ثواب ملتا ہے۔ کیونکہ قرآن کا پڑھنا مستحب ہے اور اس کا سننا واجب کا درجہ رکھتا ہے اور ظاہر ہے کہ واجب کا درجہ مستحب سے بڑا ہے۔ چنانچہ علامہ شیخ محمد ابو الفتح حنفیؒ اتحاف الابصار والبصائر بتبویب الاشباہ والنظائر مطبوعہ مصر صـ ۲۶۲ جـ پر فرماتے ہیں: استماع القرآن افضل من قرأتہ کذا فی منظومۃ ابن وہبان -

اور علامہ حصکفی درمختار میں فرماتے ہیں کہ

واثوب من ذکر القرآن استماعہٗ (درمختار مع رد المختار صـ ۴۳ جـ ۲ طبع جدید)

ص۳۲۵ ج۹ پر اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں: انه صلی الله علیه وسلم احب ان یسمع القرآن من غیره لیکون عرض القرآن سنة ویحتمل ان یکون لاجل تدبره وزیادة تفهمه لان المستمع اقوی علیٰ ذالک وانشط من القاری لاشتغاله بالقراءة۔ اھ۔ (ھکذا فی فتح الملہم شرح مسلم ص۱۳۵ ج۲)

ترجمہ:- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دُوسرے آدمی سے قرآن مجید سُننے کو زیادہ پسند فرماتے تھے۔ اوّلاً تاکہ قرآن مجید کا ایک دوسرے کے سامنے پڑھنا، سُننا مسنون ہوجائے (ثانیاً) تاکہ قرآن مجید میں غور وفکر ہوسکے۔ کیونکہ سامع کو بہ نسبت قاری کے جو تلاوت میں مشغول ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں زیادہ غور وفکر کرنے کا موقع ملتا ہے۔

استماع قرآن کے آداب

قرآن سُننے کے منجملہ آداب کے چند آداب یہ ہیں اعضاء ساکن ہوں اور نگاہ پست ہو۔ دل حاضر ہو اور عمل کا پختہ ارادہ ہو اور اُس کے حقوق کی بجاآوری کا پُورا خیال ہو تو اس کیفیت کے ساتھ قرآن سُننے والے کو اللہ تعالےٰ کی جانب سے توفیقِ عمل اور حقوقِ قرآنی کی بجاآوری کی سعادت نصیب ہوگی۔ چنانچہ علامہ شیخ رجب ابن احمدؒ وسیلہ احمدیہ شرح طریقہ محمدیہ ص۳ ج۳ پر فرماتے ہیں:- ومن سنن الاستماع سکون الاطراف و غض البصر وعقد القلب وعزمه علی العمل به والقیام بحقه والخروج عن عهدته فمن فعل ذالک المذکور من السکون والغض والعقد وفق من عند الله تعالیٰ للعمل به وایفاء حقه۔ اھ۔

اور امام قرطبی سورۃ طٰہٰ کی آیت فاستمع لما یوحیٰ کے تحت لکھتے ہیں: حضرت وھب بن منبہ فرماتے ہیں کہ قرآن سُننے کے آداب میں یہ ہے کہ انسان اپنے تمام اعضاء کو فضول حرکات سے روکے کہ کسی دوسرے شغل میں کوئی عضو نہ لگے اور نگاہ نیچی رہے اور کلام سمجھنے کی طرف دھیان لگائے اور جو شخص اس ادب کے ساتھ کوئی کلام سُنتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کلام کے سمجھنے کی توفیق بھی دیدیتے ہیں۔
(قرطبی ص ج)

اور وسیلہ احمدیہ شرح طریقہ محمدیہ ص۳ ج۳ پر ہے: قال بعضهم للقاری اجر و للمستمع اجران ولعل ذالک لانه یسمع وینصت فعمله اثنان ذکرہ فی روضة الناصحین۔ اھ ترجمہ:- بعض علماء نے فرمایا ہے کہ قرآن پڑھنے والے کے لیے ایک اجر ہے اور سُننے والے کے لیے دو اجر ہیں۔ کیونکہ وہ سُنتا بھی ہے اور ساتھ خاموش بھی رہتا ہے۔ اھ

اور یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی خود خواہش فرماتے تھے کہ کوئی دُوسرا شخص قرآن مجید پڑھے اور آپؐ سماعت فرمادیں۔ چنانچہ بخاری شریف میں ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے فرمایا کہ تم قرآن مجید پڑھ کر مجھے سناؤ۔ اُنھوں نے کہا میں آپ کو سُناؤں حالانکہ آپ پر ہی نازل ہُوا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ مجھے یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ کسی دُوسرے سے پڑھوا کر سُنوں۔ حضرت ابن مسعودؓ نے سُورۃ نساء پڑھنا شروع کی۔ جب آپ اس آیت پر پہنچے فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ بس بس۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ آپؐ کی چشم مبارک سے آنسو بہہ رہے تھے۔

فائدہ:- اس روایت سے اندازہ ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید سُننے کا کس قدر شوق تھا۔ ظاہر ہے کہ قرآن مجید محبوب حقیقی کا کلام ہے اور اپنے محبوب کی بات سُننے کا ہر شخص کو شوق ہوتا ہے۔ کیونکہ اس میں غایت درجہ لذت محسوس ہوتی ہے۔ پس اللہ تعالےٰ کے ساتھ جس بندے کو جس قدر زیادہ محبت ہوگی۔ اس کا کلام سُننے میں اسی قدر زیادہ حلاوت اور لذت محسوس ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کے نیک بندوں کے سامنے جب قرآن پڑھا جاتا ہے تو اُن کے ایمان میں تازگی پیدا ہوتی ہے اور اُنہیں عجیب کیف و سرور حاصل ہوتا ہے۔

استماع قرآن کا فلسفہ:- علامہ بدرالدین عینیؒ عمدۃ القاری شرح بخاری

غایۃ المامول شرح التاج الجامع للاصول ص۲۱ ج ۱ پر ہے :- وعلی السامع الخشوع والانصات والتفکر فی معانیہ والاتعاظ بما فیہ من الحکم والمواعظ وذکر الماضین وایام اللہ معھم وبالاجمال الجالس فی مجلس القرآن کانہ فی مجلس اللہ تعالی یحاکیہ ویناجیہ - اھ - ترجمہ :- قرآن مجید سننے والے پر لازم ہے کہ نہایت خشوع سے خاموشی کے ساتھ قرآن سُنے اور اس کے مطالب ومعانی میں غور وفکر کرے اور اس کے مواعظ، نصائح اور معارف سے نصیحت قبول کرے اور گزشتہ اقوام کے واقعات سے عبرت حاصل کرے اور خلاصۂ کلام یہ ہے کہ قرآنی مجلس میں بیٹھنے والا گویا خدا کی بارگاہِ عالیہ میں بیٹھا ہُوا اس سے بات چیت اور مناجات کر رہا ہے -

اور علامہ شیخ اسماعیل حقی آفندیؒ تفسیر روح البیان ص۱۵۵ ج ۹ پر فرماتے ہیں والواجب علی کل مؤمن ان یحرص علی استماعہ عند قرأتہ کما یحرص علی تلاوتہ وان یتأدب فی مجلس التلاوۃ - وجملۃ الامر فی ذالک الایصدر من السامع مایعد فی اعتقادہ او فی عرف الناس انہ مناف للادب - اھ ترجمہ :- ہر مومن پر لازم ہے کہ جس طرح قرآن کی تلاوت وہ شوق سے کرتا ہے - اسی طرح جب قرآن پڑھا جارہا ہو تو شوق سے سُنے اور مجلس قرآن خوانی میں ادب کے ساتھ بیٹھے - اور ایسا کوئی کام نہ کرے جو اس کے اپنے نظریہ کے مطابق یا عرف عام میں منافی ادب سمجھا جاتا ہو -

ریڈیو پر تلاوت اور ہمارے مشاغل

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب معارف القرآن ص۶۴۳ ج ۷، پر فرماتے ہیں :- وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ (سورۃ حم سجدہ آیت : ۲۶)

ترجمہ :- اور یہ کفار آپس میں ایک دُوسرے سے یوں کہتے ہیں کہ اس قرآن کو سُنا ہی نہ کرو اور اس کے پڑھتے وقت بیچ میں غل مچایا کرو - اُمید ہے کہ اس طرح تم غالب آجاؤ گے - آیت مذکور سے معلوم ہُوا کہ تلاوتِ قرآن میں خلل ڈالنے کی نیت سے شور وغل کرنا تو کفر کی علامت ہے - اس سے یہ بھی معلوم ہُوا کہ خاموش ہو کر سُننا واجب اور ایمان کی علامت ہے -

آج کل ریڈیو پر تلاوت قرآن نے ایسی صورت اختیار کر لی ہے کہ ہر ہوٹل اور مجمع کے مواقع میں ریڈیو کھولا جاتا ہے جس میں قرآن کی تلاوت ہو رہی ہو اور ہوٹل والے خود اپنے دھندوں میں لگے رہتے ہیں اور کھانے پینے والے اپنے شغل میں - اس کی صورت وہ بن جاتی ہے جو کفار کی علامت تھی -

اللہ تعالےٰ مسلمانوں کو ہدایت فرماویں کہ یا تو ایسے مواقع میں تلاوتِ قرآن کے لیے ریڈیو نہ کھولیں - اگر کھولنا ہے تو برکت حاصل کرنا ہے تو چند منٹ سب کام بند کر کے خود بھی اس کی طرف متوجہ ہوں اور دُوسروں کو بھی اس کا موقع دیں - انتہیٰ

اور الترغیب والترہیب کے حاشیہ میں ص۳۹۱ ج ۲ پر علامہ شیخ محمد نجیب مطیعی مفتی مصر کا ایک مفصل مقالہ اس موضوع پر درج کیا گیا ہے - آپ فرماتے ہیں کہ ریڈیو پر جب قرآن پڑھا جائے تو اس کا سُننا بھی عبادت، موجبِ اجر وثواب ہے اور حسبِ ارشاد باری تعالےٰ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ - انسان مکلف ہے اس بات کا مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ قرآن مجید پُوری توجہ سے کان لگا کر خاموشی کے ساتھ سُنے اور کسی قسم کا شور وغل اور بات چیت اور لہو ولعب نہ کرے - بلکہ اس مجلس میں وہ سگریٹ نوشی وغیرہ سے بھی باز رہے - کیونکہ قرآن پڑھنے اور سُننے کی مجلس میں حاضری گویا بارگاہِ ایزدی میں شرفِ مناجات کے لیے حاضری ہے -

وحیث کانت القرأۃ صحیحۃ علی الصورۃ المتقدمۃ فان الاستماع حینئذ یکون عبادۃ یثاب علیہا المستمع وحینئذ یطلب الاستماع من انسان مکلف لقولہ تعالےٰ واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا لعلکم ترحمون ای اقصد واسماعہ مع انصات وعدم کلام ولعب وشرب دخان فی مجلسہ - اذان مجلس قراۃ القرآن او سماعہ ھو مجلس مناجات العبد لربہ - اھ

مسائل فقہ

(۱) مسئلہ :- کوئی شخص بطورِ خود تلاوت کر رہا ہو تو دوسروں کو خاموش رہ کر اس پر کان لگانا اور ہمہ تن متوجہ ہو کر سننا واجب ہے یا نہیں۔ فقہاءِ کرام کے اس میں تین اقوال ہیں تفصیل کے لیے تو تفسیر مظہری ص۴۵۵ ج۳ ملاحظہ ہو۔ البتہ اکثر علماء احناف نے اس صورت میں کان لگانے اور خاموش رہنے کو واجب اور اس کے خلاف کرنے کو گناہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ علامہ محقق آلوسیؒ سورۃ اعراف : آیت ۲۰۴ کی تفسیر میں فرماتے ہیں : ومن کلام اصحابنا مایدل علی وجوب الاستماع فی الجھر بالقرآن للقرأۃ مطلقاً۔ (روح المعانی ص۱۵۳ ج۱)

اور علامہ ابن عابدین شامی رد المحتار مطبوعہ مصر بطبع جدید ص۵۹۰ ج۱ پر فرماتے ہیں ؛ یجب الاستماع للقرأۃ مطلقاً ای فی الصلوٰۃ وخارجہا لان الآیۃ وان کانت واردۃ فی الصلوٰۃ علی ما مرّ فالعبرۃ لعموم اللفظ لا لخصوص السبب ثم ھذا حیث لا عذر - اھ

نیز علامہ موصوف رد المحتار ص۵۴۶ ج۱ پر علامہ حموی محشی اشباہ والنظائر سے نقل فرماتے ہیں کہ اُن کے استاد قاضی القضاۃ یحییٰ المعروف بمنقاری زادہ نے اپنے رسالہ میں اس بات کو دلائل سے بیان کیا ہے کہ قرآن کا سننا فرضِ عین ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں : ونقل الحموی عن استاذہ قاضی القضاۃ یحییٰ الشہید بمنقاری زادہ ان لہٗ رسالۃ حقق فیہا ان استماع القرآن فرض عین - اھ

اور امام محمد برکلی آفندی رُومی طریقہ محمدیہ ص۱۴۶ ج۲ پر فرماتے ہیں کہ قرآن مجید جب پڑھا جاتے تو اس کی طرف کان لگانا اور چُپ رہنا ظاہر مذہب کے مطابق مطلقاً واجب ہے۔ فان استماع القرآن والانصات عند قرأتہ واجب مطلقاً فی ظاہر المذہب -

اور قطب العارفین علامہ خادمی بریقہ محمودیہ شرح طریقہ محمدیہ ص۲۴۸ ج۳ پر فرماتے ہیں۔ قرآن مجید خواہ نماز میں پڑھا جائے یا نماز کے علاوہ۔ خواہ اس کے معنے جانتا ہو یا نہ۔ بہر حال سننے والے پر کان لگا کر خاموشی کے ساتھ [illegible] واجب ہے اور اس موقعہ پر دنیوی گفتگو کرنا حرام ہے۔ (والکلام عند قرأۃ القرآن) فانہ حرام فی ظاہر المذہب فان

استماع القرآن والانصات عند قرأتہ واجب مطلقاً) فی الصلوٰۃ او خارجہا سواء فہم المعنیٰ اَولاً - اھ

اور علامہ اسماعیل حقی آفندی تفسیر روح البیان ص۱۵۵ ج۹ پر فرماتے ہیں - ان محافل میں جن میں قرآن مجید عموماً پڑھا جاتا - مثلاً ماتم (مجالس غم) وغیرہ تو عوام کا ان مجالس میں قرآن مجید کو کان لگا کر نہ سننا اور گپ شپ میں مشغول رہنا انتہائی درجہ کا مکروہ ہے۔ بخصوصاً ان لوگوں کے لیے جو قاری قرآن کے قریب ہوں -

ومایفعلہ جماھیر الناس فی المحافل التی یقراء فیہا القرآن کالمأتم وغیرہ من ترک الاستماع والاشتغال بالاحادیث المختلفۃ فمکروہ کراھۃ شدیدۃ ولاسیما لمن کانوا علی مقربۃ من التالی۔

(۲) مسئلہ :- اگر لوگ کسی ضروری کام میں مشغول ہوں جس کی وجہ سے وہ قرآن کو کان لگا کر نہ سن سکتے ہوں تو پھر ایسے موقعوں پر اُن کے پاس بلند آواز سے تلاوت کرنے والا قاری گناہ گار ہو گا۔ ہاں البتہ اگر کسی نے تلاوت ہونے کے بعد اپنے کام کا آغاز کیا ہو اور اب اس کو کان لگا کر سننا اور خاموش رہنا میسّر نہ ہو تو اس صُورت میں گناہ صرف کام کرنے والے پر ہو گا۔ چنانچہ امام برکلی طریقہ محمدیہ ص۱۴۶ ج۲ پر فرماتے ہیں ؛ من قراء القرآن عند اشتغال الناس باعمالہم فالاثم علی القاری فقط ومن ابتداء العمل بعد القرأۃ فلم یتیسر لہ الاستماع والانصات فالاثم علی العامل - اھ

اور علامہ اسماعیل حقی آفندی تفسیر روح البیان ص۱۵۵ ج۹ پر فرماتے ہیں - ایسے لوگوں کے سامنے قرآن مجید پڑھنا درست نہیں جو کان لگا کر نہ سنتے ہوں۔ ہاں اگر اکثر و بیشتر حاضرینِ مجلس تو پورے شوق سے کان لگا کر خاموشی کے ساتھ سنتے ہوں، مگر بہت کم لوگ آپس میں بات چیت اس انداز سے کر رہے ہوں کہ اس کا اثر نہ تو قاری پر پڑتا ہو اور نہ ہی سامعین پر تو ایسے لوگوں کو نظر انداز کر کے قرآن خوانی کی جا سکتی ہے - ولا یجوز للقاری ان یقراء علیٰ قوم لا یستمعون لہٗ وان کان اکثرھم یستمع وینصت فشذ بعضھم بمنا جاۃ صاحبہ بالجنب بلا تھویش علی القاری ولا علی المستمعین کانت المخالفۃ سھلۃ لا تقضی ترک القرأۃ ولا تنافی الاستماع - اھ

(۳) مسئلہ :- امام محمد برکلی طریقہ محمدیہ ص۱۶۰ ج ۲ پر بحوالہ فتاوی تاتارخانیہ لکھتے ہیں جب قاری بلند آواز سے قرآن پڑھ رہا ہو تو اس کو سلام دینا مکروہ ہے قال فی التاتارخانیہ ویکرہ السلام عند قرأۃ القرآن جھرًا۔ اور سلام کی کراہیت کی توجیہ بیان کرتے ہوئے شیخ عبدالغنی نابلسی حدیقۃ الندیہ ص۲۷۸ ج ۲ پر رقمطراز ہیں۔ جہرًا قرآن پڑھنے والے کو سلام دینا اس لیے مکروہ ہے کہ ایک تو اس سے قاری کا سلسلہ تلاوت منقطع ہوتا ہے اور نیز سننے والے کا سلسلہ سماع بھی برقرار نہیں رہتا۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ لما فیہ من اشتغال القاری عن قرأتہ وقطع السامع عن سماعہ بخلاف مالو کانت القرأۃ سرًا۔ اھ

(۴) مسئلہ :- امام برکلیؒ طریقہ محمدیہ ص۲۲۶ ج ۲ پر فرماتے ہیں۔ اور گناہوں کے کاموں سے ایک یہ ہے کہ قرآن مجید اس شخص سے کان لگا کر سننا جو بغیر تجوید کے لحن جلی اور خطاء کے ساتھ پڑھتا ہو۔ پس سننے والے پر لازم ہے کہ ایسے غلط خوان قاری کو منع کرے۔ اگر اس کو اپنی بات کی شنوائی کا گمان ہو۔ ورنہ اس کو ایسی مجلس سے خود اٹھ کر چلا جانا چاہیئے۔ بشرطیکہ اس کو کسی قسم کی ایذاء پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو۔ چنانچہ امام موصوف فرماتے ہیں:- ومنھا استماع القرآن ممن یقراء بلحن وخطاء بلا تجوید فعلیہ النھی ان ظن التاثیر و الا فعلیہ القیام والذھاب ان قدر بلا ضرر فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظالمین۔

اور فقیہ ابواللیث سمرقندی اپنے فتاوی النوازل مطبوعہ حیدرآباد دکن ص۸۴ پر فرماتے ہیں: رجل قرء القرآن بلحن ان لم یلحقہ وحشۃ بتعرضہ کان للسامع ان یردہ ویعلمہ والا فلا۔ اھ ترجمہ :- ایک شخص لحن جلی کے ساتھ قرآن مجید پڑھ رہا ہو۔ اگر سننے والے کی فہمائش پر قاری برا نہ مانے تو پھر سامع کو چاہیئے کہ اس کو اس غلطی سے آگاہ کرے۔ ورنہ نہیں۔

❁

ادب نمبر ۲۳

دورانِ تلاوت گفتگو کی ممانعت

وَمِنْ حُرْمَتِہٖ اِذَا اَخَذَ فِی الْقِرَأَۃِ لَمْ یَقْطَعْھَا سَاعَۃً فَسَاعَۃً بِکَلَامِ الْاٰدَمِیِّیْنَ مِنْ غَیْرِ ضَرُوْرَۃٍ (قرطبی)

ترجمہ :- اور قرآن مجید کے آدابِ عظمت میں سے ایک یہ ہے کہ جب قاری قرآن مجید کی تلاوت شروع کرے تو بلا ضرورت اس دنیوی گفتگو سے اس سلسلہ تلاوت کو بار بار منقطع نہ کرے۔

تشریح :- تلاوت شروع کرتے وقت قاری کے دل میں عظمتِ کلام اور عظمتِ متکلم (باری تعالیٰ) موجود ہونی چاہیئے۔ امام سیوطیؒ تفسیر اتقان میں فرماتے ہیں:- یکرہ قطع القرأۃ لمکالمۃ احدٍ قال الحلیمی لان کلام اللّٰہ لا ینبغی ان یؤثر علیہ کلام غیرہ۔ واید ہ البیھقی بما فی الصحیح کان ابن عمرؓ اذا قراء القرآن لم یتکلم حتی یفرغ منہ ویکرہ ایضًا الضحک و العبث والنظر الی مایلھی۔ اھ (اتقان ص۱۰۹ ج ۱ ومفتاح السعادۃ لطاش کبری زادہ ص۳۵۵ ج ۲)

ترجمہ :- لوگوں سے بلا ضرورت بات چیت کرنے کے لیے قرأۃ قرآن کو قطع کرنا مکروہ اور ناپسندیدہ فعل ہے۔ اور امام حلیمی فرماتے ہیں کہ مناسب نہیں کہ کسی دوسرے آدمی سے گفتگو کرنے کو کلام اللہ پر ترجیح دی جائے اور امام بیہقیؒ نے اس کی تائید میں بخاری شریف کی یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ جب قرآن مجید کی تلاوت کرتے تو فراغت سے پہلے گفتگو نہیں فرمایا کرتے تھے اور تلاوت کے درمیان ہنسی اور بے فائدہ کام اور غافل کر دینے والی چیزوں کی طرف دیکھنا مکروہ اور خلافِ ادب ہے۔

مسئلہ :- تلاوت کے درمیان اگر کسی سے دنیوی بات چیت کرنا چاہے تو قرآن مجید کو احترامًا بند کر کے پھر گفتگو کا آغاز کرے اور جب گفتگو ختم ہو جائے تو تلاوت شروع کرنے سے پہلے اعوذ باللہ پڑھ کر پھر تلاوت شروع کرے۔ (علامہ زرکشیؒ نے بھی البرہان فی علوم القرآن ص۴۶۵ ج ۱ میں اسکو ذکر کیا ہے)

ادب نمبر ۲۴

دورانِ تلاوت جمائی کا حکم

وَمِنْ حرمَتِہٖ اذا تَثَاوَبَ اَنْ یُمْسِكَ مِن القِرَاۃِ اذا فھُوَ مخاطِبٌ رَبَّہٗ وَمُنَاجٍ والتَثَاوُبُ مِنَ الشَیطَانِ (قرطبی)

ترجمہ:۔ اور اس کے آدابِ عظمت میں سے ایک یہ ہے کہ تلاوت کرتے وقت اگر جمائی آجائے تو تلاوت سے رُک جائے۔ کیونکہ وہ (تلاوت کے وقت) اپنے رب سے مخاطب اور سرگوشی کرنے والا ہوتا ہے اور جمائی اثرِ شیطانی ہے۔

تشریح : ارشاداتِ نبویؐ

(۱) **حدیث** :۔ عن ابی ھریرۃؓ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال ان اللّٰہ یحب العطاس ویکرہ التثاؤب فاذا عطس احدکم وحمد اللّٰہ کان حقا علی کل مسلم سمعہٗ ان یقول لہ یرحمك اللّٰہ۔ فاما التثاوب فانما ھو من الشیطن فاذا تثاءب احدکم فلیردہ ما استطاع۔ فان احدکم اذا تثاءب ضحك منہ الشیطان۔ رواہ البخاری وفی روایۃ لمسلم۔ وان احدکم اذا قال ھا ضحك الشیطن منہ۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ چھینک کو پسند کرتا ہے اور جمائی کو بُرا سمجھتا ہے۔ تم میں سے جس شخص کو چھینک آئے اور وہ الحمد للہ کہے تو ہر اس مُسلمان کا جو چھینک اور الحمد للہ کو سُنے یہ فرض ہے کہ وہ جواب میں یرحمک اللہ کہے اور جمائی محض شیطان کی طرف سے ہے۔ تم میں سے جس کو جمائی آئے وہ جس حد تک ممکن ہو اس کو روکے۔ اس لیے کہ جب کسی شخص کو جمائی آتی ہے تو شیطان اس کو دیکھ کر ہنستا ہے۔ (بخاری) اور مُسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ تم میں سے جب کوئی ہا کہتا ہے (یعنی جمائی لیتا ہے) تو شیطان ہنستا ہے۔

چھینک ایک نعمتِ عظمیٰ ہے اور اُس کے فوائد

اللہ تعالیٰ نے انسانی بدن کی صحت اور سالمیت کے لیے اس کے اندر سینکڑوں خودکار نظام بنا رکھے ہیں۔ ورنہ انسان چند ہی لمحوں میں خوفناک بیماریوں کا شکار ہو جائے۔ صحت کے خودکار نظاموں میں سے ایک نظام چھینک کا بھی ہے۔ علامہ ابن القیم جوزی چھینک کے فوائد کا ذکر کرتے ہوئے زاد المعاد ص۲۷ ج۳ پر فرماتے ہیں:۔ اما العاطس فقد حصلت لہٗ نعمۃ ومنفعۃ بخروج الابخرۃ المحتقنۃ فی دماغہ التی لو بقیت فیہ احدثت لہ ادواء عسرۃ۔ شرع لہ حمد اللّٰہ علی ھذہ النعمۃ مع بقاء اعضائہ علی التئامھا و ھیاتھا بعد ھذہ الزلزلۃ التی ھی للبدن کزلزلۃ الارض لھا۔ اھ۔

ترجمہ: چھینک ایک نعمتِ عظمیٰ ہے۔ کیونکہ ردّی قسم کے بخارات جو دماغ میں محتبس ہو کر طرح طرح کے عسیر العلاج دماغی امراض میں مُبتلا کر دینے والے ہوتے ہیں وہ چھینک سے خارج ہو جاتے ہیں۔ نیز چھینک سے بدن میں جھٹکا لگنے کے باوجود اعضاء کی ہیئتِ ترکیبیہ اپنے حال پر قائم رہتی ہے (اور کوئی بگاڑ رونما نہیں ہوتا) ان فوائد کے پیشِ نظر چھینک آنے پر کلمۂ شکر (الحمد للہ) پڑھنا شرعاً مطلوب ہے۔

اور مُلا علی قاریؒ مرقات شرح مشکوٰۃ ص۹۵ ج۹ مطبوعہ امدادیہ ملتان میں فرماتے ہیں:۔

قال الحلیمی الحکمۃ فی مشروعیۃ الحمد للعاطس ان العطاس یدفع الاذیٰ من الدماغ الذی فیہ قوۃ الفکر ومنہ ینشاءُ الاعصاب التی ھی معدن الحس وبسلامتہٖ تسلم الاعضاء فھو نعمۃ جلیلۃ یناسب ان تقابل بالحمد۔ اھ

ترجمہ:۔ امام حلیمیؒ فرماتے ہیں کہ چھینک کے موقع پر کلمہ الحمد للہ مشروع ہونے کی وجہ یہ ہے کہ دماغ جو قوتِ فکر یہ کا مرکز ہے اور اسی سے تمام اعصابِ حاسّہ نکلتے ہیں اور دماغ کی سلامتی سے ہی تمام اعضاء درست کام کرتے رہتے ہیں اور چھینک کی بدولت وہ دماغ اذیت سے بچ جاتا ہے) پس ایسے موقع پر جبکہ چھینک ایک انمول نعمت ہے اس پر کلمۂ شکر پڑھنا نہایت ہی مناسب ہے۔

چھینک کا جواب : **مسئلہ** :۔ جب کوئی شخص چھینک آنے پر الحمد للہ کہے تو پاس

کے مسلمان بھائی پر واجب ہے کہ وہ جواب میں یَرْحَمُکَ اللہ کہے اور اس جواب کو تشمیت کہتے ہیں۔ یہ درحقیقت خیر و برکت کا جملۂ دعائیہ ہے۔ چنانچہ کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعۃ ص۵۵ ج۲ پر ہے: التشمیت بالشین والسین معناہ الدعاء بالخیر والبرکۃ وھو ان یقال للعاطس یرحمک اللہ۔

جواب چھینک کا فلسفہ

بظاہر یہ ایک ادنیٰ سی بات ہے لیکن اس میں جو اسرار و حکم جلیلہ ہیں وہ یہ ہیں۔ یعنی محبت و مودت کا اعلان اور رشتۂ الفت و اخوت کی مضبوطی اور خلوص و خیر خواہی کا اظہار اور بغض و عناد اور کینہ و حسد سے اجتناب۔ یہی وہ مکارمِ اخلاق ہیں جن کے اپنانے کی ہر چھوٹے بڑے معاملہ میں اسلام ترغیب دیتا ہے۔

چنانچہ کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعۃ ص۵۵ ج۲ پر ہے: ولایخفی مافی ذالک من الحکم الاسلامیۃ الجلیلۃ۔ لان الغرض من ذالک انما ھو اعلان المودۃ بین الناس وتثبیت علائق الالفۃ والاخاء واظھار حرص کل واحد علی ایصال الخیر لاخیہ۔ وتجنب العداوۃ والبغضاء والحقد والحسد الی غیر ذالک من المکارم التی حث علیھا الاسلام فی عظائم الامور وصغائرھا۔ اھ

جمائی کی حقیقت اور اس کے اثرات

چھینک کا ذکر تو استطراداً آگیا ہے۔ گو اس کا تعلق زیر بحث ادبِ قرآن سے تو نہ تھا۔ مگر حدیثِ مذکورہ کی توضیح کے سلسلے میں فائدہ عوام کے لیے اس نعمتِ جلیلہ کا بھی ذکر کر دیا گیا ہے۔ تاکہ اس نعمت کی حقیقت واضح ہونے کے بعد کلمۂ شکر کہنے کی توفیق میسر ہو سکے۔ اب سنئے جمائی کی حقیقت کیا ہے۔

بعض دفعہ پُرخوری اور کاہلی اور بے کاری کی وجہ سے بدن پر غنودگی سی طاری ہو جاتی ہے اور اس کے سبب خود کار نظام ڈھیلے پڑ جاتے ہیں۔ بدن بوجھل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ

فاضل مادہ کا پوری طرح اخراج نہیں ہوتا اور خون کی صفائی میں فرق آجاتا ہے اور اسے زیادہ صاف ہوا کی ضرورت پڑتی ہے اور بدن میں تازہ ہوا کا پہنچانا پھیپھڑوں کے ذمے ہوا کرتا ہے اور وہ بھی سارے بدن کے ساتھ نیم غافل پڑے ہوتے ہیں۔ جب بدن تازہ ہوا کی مطلوبہ مقدار کے لیے اصرار کرتا ہے تو پھیپھڑے نیم غنودگی کی حالت میں ہوا کا ایک زوردار سانس اندر کھینچ کر پھر ڈھیلے پڑ جاتے ہیں۔ پھیپھڑوں کے اس غافلانہ اور بے ترتیب عمل کو جمائی کہتے ہیں۔

چنانچہ ملا علی قاریؒ مرقات شرح مشکوٰۃ ص۹۵ ج۵ پر اس کی حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

قال القاضی التثاؤب بالھمز التنفس ینفتح عنہ الفم وھو انما ینشاء من الامتلاء وثقل النفس وکدورۃ الحواس۔ ویورث الغفلۃ والکسل وسوء الفھم وکذا کرھہ اللہ واحبتہ الشیطان وضحک منہ۔ اھ

ترجمہ:۔ قاضی فرماتے ہیں کہ لفظ تثاؤب (الف کے بعد) ہمزہ سے ہے (واؤ غلط ہے) جمائی کو کہتے ہیں۔ جس سے بوقتِ تنفس منہ کھل جاتا ہے اور شکم سیری اور بدن کے بوجھل ہونے اور حواس کے کند ہونے سے پیدا ہوتی ہے اور جمائی سے غفلت اور کاہلی و سوء فہم جیسی کیفیات رونما ہوتی ہیں۔ اس لیے جمائی اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔

فائدہ:۔ فاما التثاءب فانما ھو من الشیطان۔ حدیث کے اس جملہ کی توضیح فرماتے ہوئے ملا علی قاری صاحب لکھتے ہیں کہ جمائی شیطان کی سمت سے ہے۔ یعنی یا تو وہ خود اس کا واسطہ اور سبب بنتا ہے یا اس کی طرف انسان کو آمادہ اور راغب کرتا ہے۔

(مرقات ص۹۵ ج۵)

فائدہ:۔ جمائی شیطانی اثرات کا نتیجہ ہے۔ اس لیے اس سے حضرات انبیاء علیہم السلام محفوظ ہوتے ہیں۔ لانہ من الشیطان والانبیاء محفوظون منہ۔

(رد المحتار ص۴۷۸ ج۱ و طحطاوی علی مراقی ص۱۹۳)

(۲) حدیث :- عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا تثاءب احدکم فلیمسک بیدہٖ علی فمہ فان الشیطان یدخل - (رواہ مسلم)

ترجمہ :- حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کو جمائی آئے تو اپنا مُنہ ہاتھ سے ڈھانک دے۔ کیونکہ شیطان داخل ہوتا ہے۔

فائدہ :- شیطان کا داخل ہونا یا تو حقیقتاً مراد ہے۔ کیونکہ بدن انسانی میں جہاں جہاں خون رواں دواں ہے، وہاں یہ بھی پہنچ جاتا ہے اور یا اس سے مراد صرف وسوسہ اندازی ہے۔ یعنی اگر بحالتِ جمائی مُنہ کو بند نہ کیا گیا تو شیطان وسوسہ اندازی شروع کر دیتا ہے۔

چنانچہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں :- یحتمل ان یراد الدخول حقیقۃ وھوان کان یجری مجری الدم من الانسان لکنہٗ لایتمکن منہ مادام منتبھا ویحتمل ان یراد بہ التمکن منہ بالوسوسۃ اھ - (مرقات صہ ۹۵ ج ۵)

اور فیلسوفِ اسلام حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بھی حجۃ اللہ البالغہ صہ ۵۰۳ ج ۲ پر اس کی تحقیق بیان فرمائی ہے۔

جمائی کا حکم

مسئلہ :- جہاں تک ہو سکے جمائی کو روکنا چاہیئے - وامساک فمہ عند التثاؤب (در مختار معہ رد المحتار صہ ۴۴۰ ج ۱)

مسئلہ :- اگر جمائی رُک نہ سکے تو پھر بائیں ہاتھ کی پُشت مُنہ پر رکھے اور بعض علماء نے فرمایا ہے۔ اگر نماز میں بحالتِ قیام جمائی آئے تو داہنے ہاتھ کی پُشت مُنہ پر رکھے، ورنہ بائیں ہاتھ کی پُشت - فان لم یقدر غطاہ بظھر یدہ الیسری وقیل بالیمنیٰ (در مختار معہ رد المحتار صہ ۴۴۴ جلد ۱)

جمائی روکنے کی ایک مؤثر تدبیر

علامہ ابن عابدین رد المحتار صہ ۴۴۴ ج ۱ پر فرماتے ہیں :-

رأیت فی شرح تحفۃ الملوک المسمی بہدیۃ الصعلوک ما نصہ قال الزاھدی - الطریق فی دفع التثاؤب ان یخطر ببالہٖ ان الانبیاء علیہم السلام ما تثاء بوا قط - قال القدوری جربناہ مرارا فوجدنا کذالک - قلت وقد جربتہ ایضا فوجدتہ کذالک -

ترجمہ :- تحفۃ الملوک کی شرح ہدیۃ الصعلوک میں مذکور ہے جس کی عبارت یہ ہے - امام زاہدیؒ نے فرمایا ہے جمائی روکنے کے لیے مؤثر تدبیر یہ ہے کہ اس وقت اپنے دل میں یہ خیال جمالے کہ انبیاءؑ کو کبھی جمائی نہیں آئی - اور امام قدوریؒ فرماتے ہیں مَیں نے بارہا اس کا تجربہ کیا مجرب پایا اور علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں - مَیں نے بھی بارہا اس کو آزمایا مجرب پایا - انتہٰی

بہرحال اس ادب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جمائی چونکہ شیطانی اثرات کا نتیجہ ہے اور تلاوت کے وقت بندہ اپنے رب سے مناجات کرتا ہے - لہٰذا جمائی کے وقت اس بدنما ہیئت میں تلاوت سے باز رہنا چاہیئے -

ادب نمبر ۳۵

سجدہ تلاوت اور اُس کے مسائل

وَلْيُسَنُّ السُّجُوْدُ عِنْدَ قِرَاۃِ آيَۃِ السَّجْدَۃِ (الاتقان صـ ۱۱ ج ۱)

ترجمہ:- اور آیت سجدہ تلاوت کرتے وقت سجدہ کرنا مسنون ہے۔

تشریح:- سجدۂ تلاوت قرآن کریم کی تلاوت میں خاص خاص موقعوں پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے خواہ وہاں سجدہ کا حکم ہو یا اور کسی رنگ میں سجدہ کا ذکر ہو۔

اسلام میں سجدہ کا مقام:- سجدہ جناب باری تعالےٰ کی انتہائی تعظیم ہے۔ اور نماز کے سارے اعمال میں سجدہ سے بندہ کا انتہائی تذلل ظاہر ہوتا ہے۔ خدائے پاک کے سامنے سجدہ میں گر پڑنا مومن کے لیے معراج ہے اور جو شخص اپنے آپ کو رحمتِ الٰہیہ کے سامنے پیش کرتا ہے۔ اس میں یہ استعداد پیدا ہو جاتی ہے کہ اس کے لیے خیر کا دروازہ کھول دیا جائے۔

اور تفسیر قرطبی میں آیت وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ (سورۃ العلق) کے تحت ایک حدیث نقل کی گئی ہے کہ بندہ بہ نسبت تمام حالات کے بحالت سجدہ اللہ تعالےٰ سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ (قرطبی صـ ۱۲۸ ج ۲۰)

صحیح مسلم میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت ثوبان رضی اللہ تعالےٰ سے کہا کہ مجھے کوئی ایسا عمل بتلایئے جس سے میں جنت میں جا سکوں۔ حضرت ثوبانؓ خاموش رہے۔ اُس نے پھر سوال کیا، پھر بھی خاموش رہے۔ جب تیسری مرتبہ سوال کو دُہرایا تو اُنہوں نے کہا کہ میں نے یہی سوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا۔ آپ نے مجھے یہ وصیت فرمائی کہ کثرت سے سجدے کیا کرو۔ کیونکہ جب تم ایک سجدہ کرتے ہو تو اس کی وجہ سے اللہ تعالےٰ تمہارا ایک درجہ بڑھا دیتے ہیں اور ایک گناہ معاف فرما دیتے ہیں۔ یہ شخص حضرت ثوبانؓ کے بعد

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے ملا۔ تو اُن سے بھی یہی سوال کیا۔ اُنہوں نے بھی یہی جواب دیا۔ (معارف القرآن صـ ۱۷ ج ۴)

سجدۂ تلاوت کا فلسفہ

مسلم شریف کتاب الایمان میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آدمی جب آیت سجدہ پڑھ کر سجدۂ تلاوت کرتا ہے، تو شیطان روتا ہُوا بھاگتا ہے اور کہتا ہے۔ ہائے افسوس! انسان کو سجدہ کرنے کا حکم ملا اور اُس نے تعمیل کر لی تو اس کا ٹھکانہ جنّت ہُوا اور مجھے سجدے کا حکم ہُوا میں نے نافرمانی کی تو میرا ٹھکانہ جہنم ہُوا۔ (تعلیق الصبیح صـ ۲۵ ج ۲)

وقد شرع اللہ لنا السجود عند تلاوۃ ھذہ الآیۃ وسماعها ارغاما لمن ابی ذالك من المشرکین واقتداء بالملائکۃ المقربین۔ ترجمہ:-

(تفسیر مراغی صـ ۱۰۵ ج ۹)

وقد جاء الامر بالسجدۃ لآیۃ امر فیها بالسجود امتثالا للامر او حکی فیها استنکاف الکفرۃ عنه مخالفۃ لهم او حکی فیها سجود نحو الانبیاء علیهم الصلوٰۃ والسلام تأسیا بهم

(روح المعانی صـ ۱۵۱ ج ۹)

ترجمہ:- یا تو آیت سجدہ میں سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس لیے اس حکم کی تعمیل میں سجدہ کیا جاتا ہے یا ان کفار کی مخالفت میں سجدہ کیا جاتا ہے جو غرور کی وجہ سے سجدہ کرنے سے باز رہے ہیں یا انبیاء کی اقتداء کرتے ہوئے یہ سجدہ کیا جاتا ہے۔

سجدہ تلاوت کرنے کا طریقہ

اما صفتها عند ابی حنیفۃ ومالك فهی سجدۃ واحدۃ بین تکبیرتین تکبیر الهوی للسجود وتکبیر الرفع منه۔ فلیس لها تکبیر احرام ولا تشهد والاسلام والتکبیرتان مسنونتان ویسبح فیها کما یسبح فی الصلوٰۃ۔ اھ

(جواہر التفاسیر الاستاذ مصطفیٰ محمد الحلبی صـ ۱۵۱)

ترجمہ :- اور سجدہ تلاوت ادا کرنے کا طریقہ امام اعظمؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک دو تکبیروں کے درمیان ایک سجدہ ہے۔ ایک تکبیر تو سجدے کو جاتے ہوئے اور ایک تکبیر سجدے سے سر اٹھاتے ہوئے کہی جاتی ہے اور سجدہ تلاوت کے لیے نہ تو تکبیر تحریمہ ہے اور نہ تشہد ہے اور نہ سلام ہی ہے۔

سجدۂ تلاوت کے اذکارِ مسنونہ

اللھم اکتب لی بھا عندک اجرا وضع بھا عنی وزرا واجعلھا لی عندک ذخرا وتقبلھا منی کما تقبلتھا من عبدک داؤد (علیہ السلام)

(حجۃ اللہ البالغۃ ج ۲ ص ۲۰)

اور امام قرطبیؒ نے فرمایا کہ علماء نے اس بات کو مستحب قرار دیا کہ قرآن کریم میں جو آیت سجدہ تلاوت کی جائے اس کے سجدے میں اس کے مناسب دعا کی جاوے۔ مثلاً سورت سجدہ میں یہ دعا کریں :-

اللھم اجعلنی من الساجدین لوجھک المسبحین بحمدک واعوذ بک ان اکون من المستکبرین عن امرک۔

اور سبحان الذی اسری بعبدہ کے سجدہ میں یہ دعا پڑھے :-

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ الْبَاکِیْنَ اِلَیْکَ الْخَاشِعِیْنَ لَکَ ۔

اور سورۃ مریم کی آیت خَرُّوْا سُجَّدًا کے سجدہ میں یہ دعا کریں :-

اللھم اجعلنی من عبادک المنعم علیھم المھدیین الساجدین لک الباکین عند تلاوۃ آیاتک ۔ (قرطبی، روح المعانی ص۱۰۹ جز۱۶، ومعارف القرآن ص۳۹ ج۶)

آیاتِ سجدۂ تلاوت بحوالہ پارہ وسورت :-

چونکہ سجدۂ تلاوت ادا نہ کرنے سے ترک واجب لازم آتا ہے جس سے سخت گناہ ہوتا ہے۔ اس کے پیشِ نظر آیاتِ سجدہ : آیت نمبر، پارہ اور سورت کا نام درج کیا جاتا ہے۔

چار سجدے نصف اول میں اور دس نصف ثانی میں۔ (در مختار)

	آیت	پارہ	سورت	آیت نمبر
(۱)	اِنَّ الَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّکَ لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ الخ	پ۹	اعراف	۲۰۶
(۲)	وَلِلّٰہِ یَسْجُدُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ الخ	پ۱۳	رعد	۱۵
(۳)	وَلِلّٰہِ یَسْجُدُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ الخ	پ۱۴	نحل	۴۹
(۴)	اِذَا یُتْلٰی عَلَیْھِمْ یَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا الخ	پ۱۵	بنی اسرائیل	۱۰۷
(۵)	اِذَا تُتْلٰی عَلَیْھِمْ اٰیٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا الخ	پ۱۶	مریم	۵۸
(۶)	اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یَسْجُدُ لَہٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ الخ	پ۱۷	حج	۱۸
(۷)	وَاِذَا قِیْلَ لَھُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا الخ	پ۱۹	فرقان	۶۰
(۸)	اَلَّا یَسْجُدُوْا لِلّٰہِ الَّذِیْ یُخْرِجُ الْخَبْءَ الخ	پ۱۹	نمل	۲۵
(۹)	اِنَّمَا یُؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِّرُوْا بِھَا خَرُّوْا سُجَّدًا ۔	پ۲۱	الم سجدہ	۱۵
(۱۰)	فَاسْتَغْفَرَ رَبَّہٗ وَخَرَّ رَاکِعًا وَّاَنَابَ	پ۲۳	ص	۲۴
(۱۱)	لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰہِ الَّذِیْ ۔	پ۲۴	حم سجدہ	۳۷
(۱۲)	فَاسْجُدُوْا لِلّٰہِ وَاعْبُدُوْا	پ۲۷	النجم	۶۲
(۱۳)	وَاِذَا قُرِئَ عَلَیْھِمُ الْقُرْاٰنُ لَا یَسْجُدُوْنَ ۔	پ۳۰	انشقاق	۲۱
(۱۴)	کَلَّا لَا تُطِعْہُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۔	پ۳۰	علق	۱۹

مسائل سجدۂ تلاوت

قرآن مجید میں چودہ مقامات ایسے ہیں جن کے پڑھنے یا کسی کو پڑھتے ہوئے سُننے سے سجدۂ تلاوت واجب ہو جاتا ہے۔

مسئلہ ۱ :- آیت سجدہ پڑھنے سے سجدۂ تلاوت واجب ہو جاتا ہے۔ اگرچہ وہ خود کان سے بہرا ہو۔ (طحطاوی و بحر الرائق صـ۱۲ ج ۲)

مسئلہ نمبر۲ :- آیت سجدہ بلا قصدِ سماع بھی سُن لینے سے سجدۂ تلاوت واجب ہو جاتا ہے۔
(کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعۃ صـ۱۶۳ و بحر الرائق)

مسئلہ نمبر۳ :- آیت سجدہ کے حروفِ تہجی پڑھنے سے سجدۂ تلاوت لازم نہیں ہوتا۔
(بحر الرائق صـ۱۲۱ ج ۲ و طحطاوی صـ۲۶۱ و علی المراقی صـ۲۶۱)

مسئلہ نمبر۴ :- آیت سجدہ صرف لکھنے یا دیکھنے سے بدون تلفظ کے سجدہ واجب نہیں ہوتا۔
(مجمع الانہر صـ۱۵۹ ج ۱ طحطاوی صـ۲۶۱ و بحر الرائق)

مسئلہ نمبر۵ :- اگر کوئی شخص آیت سجدہ کو ایک جماعت سے باں طور سُنے کہ ایک ایک فرد سے صرف ایک ایک حرف پڑھے اور آیت سجدہ مجموعی طور پر پوری پڑھی جائے تو سجدۂ تلاوت اس صورت میں واجب نہ ہوگا۔ (طحطاوی صـ۲۶۱)

مسئلہ نمبر۶ :- آیت سجدہ جن یا فرشتہ سے سُننے پر بھی سجدۂ تلاوت واجب ہوتا ہے۔
(طحطاوی صـ۲۶۳)

مسئلہ نمبر۷ :- آیت سجدہ طوطی یا آلہ حاکیہ (فونوگراف) سے سُننے پر سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوتا۔
(مراقی الفلاح، کتاب الفقہ صـ۴۶۵ ج ۱)

مسئلہ نمبر۸ :- اگر کسی نے آیت سجدہ اصل قاری کی زبان سے سُننے کی بجائے گنبد یا پہاڑ کی صدا بازگشت کی صورت میں سُنی تو اس پر سجدۂ تلاوت واجب نہ ہوگا۔ (مراقی الفلاح صـ)

مسئلہ نمبر۹ :- اگر کسی نے آیت سجدہ مجنون کی زبان سے سُنی تو اُس پر سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوتا۔ (البدائع الصنائع صـ۱۸۶ ج ۱)

مسئلہ نمبر۱۰ :- جب تک خود آیت سجدہ نہ پڑھے یا خود نہ سُنے تو کسی کو سجدۂ تلاوت ادا کرتے ہوئے دیکھنے سے سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوتا۔ (مراقی صـ۲۶۴ و بحر الرائق صـ۱۲۰ ج ۲)

مسئلہ نمبر۱۱ :- آیت سجدہ پوری یا آیت کا اکثر حصہ پڑھنے سے سجدہ واجب ہو جاتا ہے اور مفتیٰ بہ قول کے مطابق آیت سجدہ سے اس لفظ کے ساتھ ایک کلمہ ماقبل یا مابعد پڑھ لینے سے بھی سجدۂ تلاوت واجب ہو جاتا ہے، جس میں معنے سجدہ موجود ہوں۔
(فتاویٰ دار العلوم دیوبند صـ۲۶۳ ج ۱، شامی مطبوعہ ہند صـ۵۱۳)

مسئلہ نمبر۱۲ :- اگر تقریر میں آیت سجدہ کے ایک دو لفظ کسی شعر یا مثنوی میں پڑھے جائیں مثلاً

گفت واسجد واقترب یزدانِ ما   قرب جان شد سجدہ ابدانِ ما

تو پڑھنے اور سُننے والے دونوں پر سجدۂ تلاوت واجب ہوگا۔
(فتاویٰ دار العلوم دیوبند صـ۲۶۳ ج ۱)

مسئلہ نمبر۱۳ :- اسباب وجوبِ سجدہ میں سے تلاوت اور سماع کے علاوہ اقتدا بھی سبب وجوب ہے۔ پس نماز میں امام کے پیچھے آیت سجدہ پڑھنے سے مقتدی پر بھی سجدۂ تلاوت واجب ہوگا۔ اگرچہ مقتدی نے آیت سجدہ نہ سُنی ہو۔ (کتاب الفقہ صـ۴۶۶ ج ۱)

مسئلہ نمبر۱۴ :- اگر خطیب جمعہ و عیدین کے خطبہ میں آیت سجدہ کی تلاوت کرے گا تو خطیب اور سامعین سب پر سجدہ لازم ہوگا۔ پس خطیب منبر سے اُتر کر سجدہ کرے۔ اور سامعین بھی اس کے ساتھ سجدہ کریں (کتاب الفقہ علیٰ مذاہب الاربعۃ صـ۴۶۶ ج ۱)

مسئلہ نمبر۱۵ :- اگر بیماری کی حالت میں آیت سجدہ سُنے اور سجدہ کرنے کی طاقت نہ ہو تو جس طرح نماز کا سجدہ اشارہ سے کرتا ہے اسی طرح سجدۂ تلاوت بھی اشارہ سے کرے۔
(کبیری صـ)

مسئلہ نمبر ۱۶ :- اگر زندگی کے آخری لمحات تک تلاوت کے سجدے ادا نہ کئے گئے ہوں تو اب مرتے وقت سجدۂ تلاوت کا فدیہ ادا کرنے کی وصیت کرنا ضروری نہیں (بحر الرائق ص۱۱۹ ج۲ طحطاوی ص۲۶۱) اور الاشباہ والنظائر ص۱۹۲ پر ہے لَا فِدْيَةَ لِسُجُوْدِ التِّلَاوَةِ ۔ سجدۂ تلاوت کا فدیہ نہیں ۔

مسئلہ نمبر ۱۷ :- اگر نماز کے باہر سجدہ کی آیت پڑھی تو بہتر یہی ہے کہ اسی وقت سجدۂ تلاوت کرلے۔ لیکن اگر اس وقت نہ کرسکے تو بھی کوئی گناہ نہیں البتہ زیادہ تاخیر مکروہ ہے (رد المحتار ص)

مسئلہ نمبر ۱۸ :- اگر کسی کے ذمہ بہت سے سجدۂ تلاوت باقی ہوں، جو اب تک ادا نہ کئے ہوں تو اب ادا کرے بہر حال عمر بھر کسی نہ کسی وقت ادا کر لینے چاہئیں۔ (رد المحتار ص۷۲۱ ج۱ طحطاوی ص۲۶۲)

مسئلہ نمبر ۱۹ :- اگر کوئی شخص پورا قرآن ختم کرکے ایک ساتھ کل سجدے کرے تو بھی جائز ہے (در مختار)

مسئلہ نمبر ۲۰ :- نماز میں سجدہ کی آیت پڑھنے والا امام ہو یا منفرد۔ ان کی تلاوت سے سجدہ واجب ہو جاتا ہے۔ ہاں مقتدی کے پڑھنے سے نہ امام پر واجب ہوتا ہے اور نہ خود مقتدی پر۔ البتہ اگر کوئی دوسرا شخص غیر نمازی آیت سجدہ سن لے گا۔ تو اس پر سجدہ تلاوت واجب ہوگا۔ (کتاب الفقہ ص ج۱)

مسئلہ نمبر ۲۱ :- اگر نماز میں آیت سجدہ پڑھ کر فوراً سجدۂ تلاوت نہ کیا بلکہ اس کے بعد مزید دو یا تین آیتیں پڑھ کر سجدہ کیا تو یہ بھی درست ہے۔ اگر آیت سجدہ کے بعد تین سے زائد آیتیں پڑھ کر سجدہ تلاوت کیا۔ سجدہ تو ادا ہو جائیگا مگر تاخیر کا گناہ ہوگا۔ (مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر ص۱۵۸ ج۱)

مسئلہ نمبر ۲۲ :- اگر نماز میں آیت سجدہ پڑھنے کے بعد نماز میں سجدہ تلاوت نہ کیا تو اب نماز کے بعد سجدہ تلاوت ادا کرنے سے ادا نہ ہوگا اور ترک واجب کا یہ گناہ بجز توبہ و استغفار معاف نہ ہوگا۔ (بحر الرائق ص)

مسئلہ نمبر ۲۳ :- اگر نماز میں آیت سجدہ پڑھنے کے بعد فوراً رکوع میں چلا جائے اور رکوع میں سجدہ تلاوت کی نیت کرلے تو سجدہ ادا ہو جائے گا۔ (البدائع الصنائع ص)

مسئلہ نمبر ۲۴ :- اگر آیت سجدہ پڑھ کر فوراً رکوع میں چلا گیا اور سجدہ کی نیت نہیں کی تو نماز کے سجدہ میں سجدۂ تلاوت خود ادا ہو جائے گا۔ خواہ اس سجدہ میں سجدۂ تلاوت کی نیت کرے یا نہ کرے، مگر فوراً جانا شرط ہے اور فوراً کے معنے یہ ہیں کہ آیت سجدہ کے بعد ایک یا دو آیت سے زائد نہ پڑھے۔ (در مختار و شامی)

مسئلہ نمبر ۲۵ :- افضل بہر حال یہی ہے کہ سجدۂ تلاوت کو نماز کے فرض رکوع میں ادا کرنے کے بجائے مستقل سجدہ کیا جائے اور سجدہ سے اُٹھ کر ایک دو آیتیں پڑھ کر پھر رکوع کرے۔ (بدائع ص)

مسئلہ نمبر ۲۶ :- نماز میں سجدۂ تلاوت کرنے کے بعد اُٹھ کر فوراً ہی رکوع کر لینا مکروہ ہے۔ بلکہ دو تین آیتیں پڑھ کر رکوع کرنا چاہیئے اور اگر سورۃ ختم ہو چکی ہو تو سجدہ تلاوت کے بعد اگلی سورۃ سے دو تین آیتیں پڑھ کر رکوع کرے۔

مسئلہ نمبر ۲۷ :- اگر آیت سجدہ ختم سورۃ کے قریب ہو جیسے سورۃ انشقاق و بنی اسرآئیل میں ہے تو ایسی سورت کو تمام کر لینا بھی حکم فور میں ہوگا۔ (در مختار و شامی و بحر الرائق)

مسئلہ نمبر ۲۸ :- اگر نماز کے باہر کسی نے آیت سجدہ تلاوت کی اور نمازی نے سن لی تو نمازی اس سجدہ تلاوت کو نماز کے بعد ادا کرے۔ اگر اسی نماز میں سجدۂ تلاوت کریگا تو یہ سجدہ کافی نہ ہوگا۔ البتہ نماز اس سجدے سے فاسد نہ ہوگی۔

مسئلہ نمبر ۲۹ :- اگر امام نے سجدہ کی آیت پڑھی اور ایک شخص غیر مقتدی نے بھی سن لی اور اس کے بعد اس نے اس امام کے پیچھے نماز کی اقتداء کر لی۔ پس اگر امام کے سجدہ [illegible] کرنے سے پہلے اقتداء کی ہو تو امام کے ساتھ سجدہ تلاوت کرنے اور اگر امام کے سجدہ [illegible] رکعت میں داخل ہوا جس میں یہ آیت سجدہ پڑھی گئی تھی تو اب ہرگز سجدہ نہ کرے نہ نماز میں اور نہ نماز کے بعد۔ اور اگر دوسری رکعت میں داخل ہوا ہو تو بعد نماز کے سجدہ تلاوت کرے۔ (کتاب الفقہ ص۲۶۳ ج۱)

مسئلہ نمبر ۳۰ :- سری نماز میں آیت سجدہ کا امام کے لیے پڑھنا مکروہ ہے۔ کیونکہ اس سے نمازیوں

کو پریشانی لاحق ہوگی۔ (بدائع ص۱۹۲ ج۱ اشباہ ص۹۹ و بحر الرائق ص۱۲۰ ج۲)

مسئلہ نمبر ۳۱:۔ اگر کسی نے آیت سجدہ نماز میں پڑھی اور سجدہ کرنا بھول گیا اور تشہد اخیر کے بعد اس کو یاد آیا تو سجدہ تلاوت کر کے سجدۂ سہو کرلے۔

مسئلہ نمبر ۳۲:۔ اگر آیت سجدہ وقت غیر مکروہ میں پڑھے یا دوسرے سے سُنے تو اس کو وقت مکروہ میں ادا کرے تو درست نہ ہوگا۔ (بدائع ص۱۸۷ ج۱)

مسئلہ نمبر ۳۳:۔ سجدۂ تلاوت کے لیے وہی شرائط وجوب ہیں جو نماز کے لیے ہیں۔ مثلاً اسلام، عقل، بلوغ، حیض و نفاس سے پاک ہونا۔ پس کافر، لڑکے، دیوانے پر اور حائضہ اور نفاس والی عورت پر آیت سجدہ پڑھنے یا سُننے سے سجدہ تلاوت واجب نہیں ہوتا۔ (بدائع ص۱۸۶ ج۱)

مسئلہ نمبر ۳۴:۔ جنبی شخص پر آیت سجدہ سُننے سے سجدہ تلاوت واجب ہو جاتا ہے (بدائع ص۱۸۶ ج۱)

مسئلہ نمبر ۳۵:۔ سجدۂ تلاوت کے لیے وہی شرائط صحت و جواز ہیں جو نماز کے لیے ہیں۔ یعنی باوضو ہونا، جگہ کا پاک ہونا، بدن اور کپڑے کا پاک ہونا اور ستر عورت اور سجدہ تلاوت کی نیت کرنا اور قبلہ رُخ ہونا۔ بجز تکبیر تحریمہ اور نیت تعین وقت کے۔ (کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعہ ص۴۶۵ ج۱)

مسئلہ نمبر ۳۶:۔ جن چیزوں سے نماز فاسد ہوتی ہے ان ہی سے سجدۂ تلاوت بھی فاسد ہو جاتا ہے۔

فائدہ:۔ اصل یہ ہے کہ دفع حرج کے لیے سجدۂ تلاوت کا دار و مدار تداخل پر ہے اور تداخل کی شرط یہ ہے کہ آیت بھی ایک ہو اور مجلس بھی ایک ہو۔ جب آیت اور مجلس دونوں ایک ہونگی تو اس وقت ایک ہی سجدہ واجب ہوگا اور اگر یہ دونوں مختلف ہو جائیں گی تو پھر حکم اصل کی طرف لوٹ جائے گا اور یہ بھی یاد رہے کہ فقط کھڑا ہونے سے مجلس نہیں بدلتی۔ (عالمگیری ص۱۳۵ ج۱)

مسئلہ نمبر ۳۷:۔ اگر کسی نے آیت سجدہ نماز سے باہر پڑھی اور سجدہ نہ کیا۔ پھر اسی جگہ نماز کی نیت باندھ لی اور وہی آیت سجدہ نماز میں پڑھی اور نماز میں سجدہ تلاوت کر دیا تو یہی ایک سجدہ کافی ہوگا

ہاں اگر جگہ بدل گئی ہو یا دُوسری آیت سجدہ پڑھی تو پھر دُوسرا سجدہ واجب ہوگا۔

مسئلہ نمبر ۳۸:۔ اگر آیت سجدہ نماز سے باہر پڑھ کر سجدہ کر لیا۔ پھر اسی جگہ نماز کی نیت باندھ لی اور وہی آیت نماز میں دُہرائی تو اب نماز میں پھر سجدہ کرے۔ (الاشباہ والنظائر ص۱۹۱) (اتحاف الابصار والبصائر فی ترتیب الاشباہ والنظائر ص۲۱)

مسئلہ نمبر ۳۹:۔ سجدہ کی ایک آیت کو ایک مجلس میں متعدد بار پڑھنے یا سُننے سے ایک ہی سجدہ تلاوت لازم آئے گا۔ (اشباہ ص۱۹۸)

مسئلہ نمبر ۴۰:۔ ایک مجلس میں جتنی مختلف آیاتِ سجدہ پڑھے گا یا ایک ہی آیت کو جتنی مجالس میں مکرر پڑھے گا اتنے ہی سجدے واجب ہوں گے۔ (در مختار)

مسئلہ نمبر ۴۱:۔ اگر آیت سجدہ سُننے والے کی مجلس واحد ہے اور پڑھنے والے کی مجلس متعدد تو سامع پر ایک سجدہ اور پڑھنے والے پر متعدد سجدے واجب ہوں گے۔ (بدائع ص۱۸۲ ج۱)

مسئلہ نمبر ۴۲:۔ ایک کوٹھڑی یا دالان کے ایک کونہ میں سجدہ کی ایک آیت پڑھی اور پھر دُوسرے کونہ میں وہی آیت پڑھی، تب بھی ایک سجدہ لازم ہوگا۔ البتہ اگر دُوسرے کام میں لگ جانے کے بعد وہی آیت پڑھے گا تو دوسرا سجدہ کرنا پڑیگا (مجمع الانہر ص۱۵۸ ج۱ و بدائع ص۱۸۲ ج۱)

مسئلہ نمبر ۴۳:۔ مسجد میں ایک جگہ بیٹھ کر یا ٹہل کر ایک آیت سجدہ کو بار بار پڑھنے سے ایک ہی سجدہ تلاوت لازم ہوگا۔ (بدائع ص۱۸۲ ج۱)

مسئلہ نمبر ۴۴:۔ کشتی ٹھہری ہُوئی ہو یا چلتی، اس میں آیتِ سجدہ بار بار پڑھنے یا سُننے سے بھی ایک ہی سجدہ تلاوت واجب ہوگا۔ (بدائع ص۱۸۲)

مسئلہ نمبر ۴۵:۔ چلتے ہُوئے سواری کے جانور پر آیت سجدہ بغیر نماز کے جتنی بار مکرر پڑھے گا اتنے ہی سجدے لازم ہوں گے۔

مسئلہ نمبر ۴۶:۔ اگر آیت سجدہ پڑھ کر بیٹھے۔ پھر اسی جگہ سواری پر بیٹھ کر چلنے سے پہلے اسی آیت سجدہ کو دوبارہ پڑھے تو ایک ہی سجدہ واجب ہوگا۔ لیکن یہ سجدہ زمین پر اُتر کر کرنا پڑیگا۔ (بدائع ص۱۸۲ ج۱)

مسئلہ نمبر ۴۷:- اگر آیت سجدہ پڑھنے کے بعد سوار ہو اور پھر چلنے سے پہلے سواری سے اُتر کر اسی جگہ اسی آیت سجدہ کو دوبارہ پڑھے تب بھی ایک سجدہ لازم آئیگا۔ (بدائع ص۱۸۲ ج۱)

مسئلہ نمبر ۴۸:- اگر کوئی شخص ایک جگہ بیٹھ کر ایک آیت سجدہ پڑھے۔ پھر اسی جگہ بیٹھے بیٹھے کسی اور کام مثلاً کھانے، پینے یا بچے کو دودھ پلانے یا خرید و فروخت وغیرہ میں لگ جائے۔ اس کے بعد پھر وہی آیت سجدہ اسی جگہ میں پڑھے تو دو سجدے واجب ہوں گے۔

(بدائع ص۱۸۳ ج۱)

مسئلہ نمبر ۴۹:- نماز سے باہر سجدہ کرنے کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ کھڑے ہو کر تکبیر کہتا ہوا سجدہ کرے اور پھر تکبیر کہتا ہوا سجدہ کرے اور پھر تکبیر کہتا ہوا اُٹھ کھڑا ہو۔ لیکن اگر بیٹھے ہی سجدہ میں چلا جائے اور سجدہ سے اُٹھ کر بیٹھ جائے جب بھی سجدہ ادا ہو جاویگا۔ (

مسئلہ نمبر ۵۰:- سجدہ تلاوت میں صرف سجدہ رکن ہے۔ باقی دونوں تکبیریں سنت ہیں۔

(کتاب الفقہ ص۲۸۰ ج۱)

مسئلہ نمبر ۵۱:- بعض خواتین سجدہ پڑھنے کے بعد قرآن شریف ہی پر سجدہ کر لیتی ہیں۔ اس سے سجدہ ادا نہیں ہوتا۔ سجدہ تلاوت بھی سجدہ نماز کی طرح ہے۔

مسئلہ نمبر ۵۲:- سجدہ تلاوت اگر کئی آدمی مل کر کریں۔ اس طور پر کہ ایک شخص کو آگے کھڑا کر دیں اور بقیہ لوگ مقتدی کی طرح اس کا اتباع کریں تو یہ بھی صحیح ہے۔ (بدائع ص۱۹۲ ج۱، و بحر الرائق ص) و طحطاوی علی الدر المختار ص۳۲۳ ج۱)

مسئلہ نمبر ۵۳:- اگر آیت سجدہ فرض نماز میں پڑھی جاوے تو اسکے سجدہ میں سبحان ربی الاعلیٰ پڑھنا بہتر ہے۔ اور اگر کسی نے نفل نماز میں یا خارج نماز میں آیت سجدہ تلاوت کی تو اختیار ہے کہ چاہے سبحان ربی الاعلیٰ پڑھے یا اور کوئی تسبیح مثلاً سجد وجھی للذی خلقہٗ وصورہٗ وشق سمعہٗ وبصرہٗ بحولہ وقوتہ فتبارک اللہ احسن الخالقین۔ پڑھے اور اگر دونوں پڑھے تو اور اچھا ہے۔ (مراقی الفلاح ص۲۸۰ وطحطاوی علی الدر المختار ص۳۲۳ ج۱)

مسئلہ نمبر ۵۴:- اگر کوئی شخص قرآن مجید کی تلاوت کرتے وقت آگے پیچھے سے پڑھ لے اور صرف آیت سجدہ چھوڑ دے تو مکروہ ہے۔ (بدائع ص۱۹۲ ج۱)

مسئلہ نمبر ۵۵:- اگر کوئی شخص فقط سجدہ کی آیت پڑھے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

(بدائع ص۱۹۲ ج۱ و مجمع الانہر ص۱۰۹ ج۱)

مسئلہ نمبر ۵۶:- اگر تلاوت کرنے والا ایسی جگہ تلاوت کر رہا ہو کہ وہاں اور لوگ بھی بیٹھے ہوں تو وہاں آیت سجدہ کا آہستہ پڑھنا ہی بہتر ہے۔ (طحطاوی ص۲۸۰ و بدائع ص۱۹۲ ج۱)

مسئلہ نمبر ۵۷:- اگر آیت سجدہ پڑھنے یا سُننے والے کو اس مجلس میں سجدہ تلاوت کرنا ممکن نہ ہو تو پھر یہ دُعا پڑھے:- سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ۔

(مراقی الفلاح ص۲۸۰)

مسئلہ نمبر ۵۸:- اگر سجدۂ تلاوت اس رکعت میں کرنا بھول گیا جس میں سجدہ کی آیت پڑھی تھی تو دوسری تیسری رکعت میں جب یاد آوے سجدہ تلاوت کر لے اور پھر سجدۂ سہو کرے۔

(عالمگیری نولکشوری کتاب الصلوٰۃ باب ثالث عشر فی سجود التلاوۃ ص۱۳۲ ج۱)

مسئلہ نمبر ۵۹:- صبح کی نماز کے بعد قبل طلوع آفتاب اور بوقتِ زوال اور بعد نمازِ عصر قبل غروب آفتاب سجدۂ تلاوت جائز ہے۔

(در مختار کتاب الصلوٰۃ قبیل باب الاذان)

مسئلہ نمبر ۶۰:- زید نے نماز میں آیت سجدہ پڑھی اور پھر سجدہ میں چلا گیا۔ اب سجدۂ تلاوت سے اُٹھ کر جب کھڑا ہوا تو اُس کو آیت سجدہ والی آیت یاد نہ رہی کہ وہ پڑھتا۔ اب اس حالت میں وہ فوراً رکوع میں چلا گیا تو اس طرح کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ نماز صحیح ہو جاتی ہے۔ (رد المحتار باب سجود التلاوۃ)

مسئلہ نمبر ۶۱:- سورۃ حج کا آخری سجدہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک واجب ہے۔ حالتِ اقتداء میں امام شافعی المذہب کی متابعت میں حنفی المذہب مقتدی کو

بھی سجدہ کرنا چاہیئے ۔ (طحطاوی علی الدر المختار ص۳۲۲ ج ۱)

مسئلہ نمبر ۶۲ :- ٹیلیفون اور مائیکروفون کے ذریعہ آیت سجدہ سُننے سے بھی سجدہ تلاوت لازم ہوتا ہے ۔ چنانچہ علامہ حسنین محمد مخلوف مصری اپنی کتاب فتاویٰ شرعیۃ وبحوث اسلامیہ ص۲۹۸ ج ۱ پر فرماتے ہیں :-

والذی نستظهره ان السماع من المزياع ومن المسرة (التليفون) سماع القرأة من القارئ وان كان على بعد بواسطة اجهزة لنقل الصوت وتكبيره ولا فرق بينه وبين سماع القرأة من قارئ ولا أجهزة إذ حاجز خشبي او نحاجى او على بعد مع تكبير الصوت بالمكبر وفون فانه فى كل ذالك يجب السجود فى حالة السماع من القارئ فكذا فى السماع من المزياع والمسرة ۔ اھ ۔

فائدہ :- اگر کوئی شخص سجدہ کی تمام آیتیں ایک مجلس میں تلاوت کرے اور ساتھ ساتھ سجدے بھی ادا کرتا جائے یا آخر میں تمام سجدے بیک وقت ادا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی مشکلات کو دُور فرما دیتا ہے ۔

فی الکافی قیل من قرأ السجدة كلها فی مجلس وسجد لكل منها كفاه الله ما اهمه وظاهره انه يقرأها ولاء ثم يسجد ويحتمل ان يسجد لكل بعد قرأتها وهو غير مكروه ۔

(در مختار آخر باب سجود التلاوۃ)

ادب نمبر ۳۶

آیاتِ قرآن میں غیر قرآن کی شمولیت

وَمِنْ حُرْمَتِهٖ اَلَّا يَخْلِطَ فِيْهِ مَا لَيْسَ مِنْهُ (قرطبی)

ترجمہ: اور قرآن مجید کے آدابِ عظمت میں سے ایک یہ ہے کہ

تشریح :- طبرانی کبیر اور ابن حبان اور حاکم نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چھ آدمی وہ ہیں جن کو میں بھی لعنت کرتا ہوں اور ان پر اللہ تعالیٰ بھی لعنت کرتے ہیں ۔ اور ہر نبی کی دُعا قبول ہوتی ہے اور ان ملعونین میں سرفہرست الزائد فی کتاب اللہ یعنی وہ شخص ہے جو کتاب اللہ میں اضافہ کرے ۔

(مشکوٰۃ باب الایمان بالقدر ص)

علامہ فرید الدہر ملا علی قاریؒ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں ۔ الزائد فی كتاب الله ای القرآن وسائر كتبه بان يدخل فيه ما ليس فيه او يؤوله بما يأباه اللفظ ويخالف الحكم كما فعلت اليهود ۔ والزيادة فی كتاب الله فی نظمه وحكمه كفر وتأويله بما يخالف الكتاب والسنة بدعة ۔ (مرقات ص۱۶۱ ج ۱ مطبوعہ ملتان)

ترجمہ :- قرآن مجید و دیگر آسمانی کتابوں میں الفاظ کی زیادتی کرنے والا یا قرآن کی آیات کے ایسے معنی بیان کرنے والا جو کتاب اللہ کے مفہوم کے خلاف اور منشاءِ الٰہی کے برعکس ہوں اس وعید میں داخل ہے ۔ اور کتاب اللہ میں الفاظ کی زیادتی اور اس کا غلط مفہوم بیان کرنا موجب کفر ہے اور اس کی ایسی تفسیر و تاویل کرنا جو کتاب و سُنت کے خلاف ہو، بدعت ہے ۔

اور شیخ عبد الغنی نابلسیؒ حدیقۃ الندیہ شرح طریقۃ محمدیہ ص۸۵ ج ۱ پر اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں :- الزائد یعنی الذی زاد فی كتاب الله تعالىٰ ما ليس منه عامدا متعمدا بان وضع كلمة زائدة فی المصحف وادخلها فی كلام الله تعالىٰ او اختراع

كيفية عمدا وقرأبها اية من كتاب الله -

یعنی اُس شخص پر خدا اور اُس کے رسول پاک کی طرف سے پھٹکار اور لعنت ہو جو قرآن مجید میں عمداً الفاظ کی زیادتی کر کے اس کو کلامِ الٰہی میں شامل کرے یا اختراعی اور خود ساختہ کیفیت کے ساتھ آیات کی تلاوت کرے۔

اور قطب العارفین مولانا ابو سعید خادمی بریقہ محمودیہ ص۸۳ ج۱ پر فرماتے ہیں :-

الاول من الستة الزائد الذی زاد فی کتاب الله تعالٰی یعنی القرآن ما لیس منه نظما او خطأً او معنی او کیفیة و اداءً کل ذالک عمداً۔

ترجمہ :- قرآن مجید کی عبارت یا خط یا معنیٰ یا کیفیت ادا میں عمداً زیادتی کرنے والا اس وعید میں داخل ہے۔

اور وسیلہ احمدیہ شرح طریقہ محمدیہ ص۸۳ ج۱ پر شیخ رجب ابن احمد فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں تحریف کرنے والا اور اس میں کمی بیشی کرنے والا اس وعید میں داخل ہے۔

اور مواہب لدنیہ میں ہے کہ قرآن مجید میں قصداً زیادتی کرنے والا اس وعید میں داخل ہے: فان استحل ذالک فکفر والا فسق۔ اور اگر اس اضافہ کو حلال سمجھ کر کریگا تو کافر ہوگا ورنہ فاسق۔

(انتہیٰ)

ادب نمبر۳۷

دنیوی بات چیت میں آیاتِ قرآنی کا استعمال

وَمِنْ حُرْمَتِهِ اَلَّا يَتَأَوَّلَهُ عِنْدَ مَا يَعْرِضُ لَهُ شَيْءٌ مِنْ اَمْرِ الدُّنْيَا وَالتَّاوِيلُ مِثْلُ قَوْلِكَ لِلرَّجُلِ اِذَا جَاءَكَ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوسٰى كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيْئًا بِمَا اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ هٰذَا عِنْدَ حُضُورِ الطَّعَامِ وَاَشْبَاهِ هٰذَا (قرطبی)

ترجمہ :- اور قرآن مجید کے آدابِ عظمت میں سے ایک یہ ہے کہ جب کوئی دنیوی کام یا واقعہ پیش آئے تو قرآن مجید کو بطور تاویل نہ پیش کرے۔ مثلاً جب تیرے پاس کوئی شخص آئے تو تو اس وقت یہ آیت پڑھے: جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوسٰى۔ یا مثلاً کھانا موجود ہونے کے وقت تو یہ آیت پڑھے كلوا واشربوا هنيئا بما اسلفتم فی الایام الخالیة۔ (ترجمہ :- جو اعمال تم گذشتہ زمانے میں باُمید صلہ بھیج چکے ہو۔ اس کے صلے میں خوب مزے کے ساتھ کھاؤ پیو۔)

تشریح :- حضرت امام ابو یوسفؒ قرآن کا اس درجہ ادب و احترام کرتے تھے کہ ایک دفعہ دو شخصوں کو خرید و فروخت میں جھگڑتے ہوئے دیکھا۔ ان میں سے ایک نے اپنے دوسرے ساتھی سے کہا۔ ہماری تمہاری مثال بالکل اس آیت کی طرح ہے اِنَّ هٰذَا اَخِيْ لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِيَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ فَقَالَ اَكْفِلْنِيْهَا۔ (ترجمہ :- یہ شخص میرا بھائی ہے اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک دنبی ہے۔ سو یہ کہتا ہے کہ وہ اپنی دنبی بھی میرے حوالے کر دے) امام ابو یوسف یہ سن کر بہت برہم ہوئے اور اس شخص کو بہت سختی کے ساتھ ڈانٹا اور فرمایا تجھے خدا کا خوف نہیں۔ قرآن جیسی عظیم الشان کتاب کو تم نے مذاق بنا رکھا ہے۔ صاحب قرآن کا فرض ہونا چاہیئے کہ وہ اسے نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ پڑھے نہ کہ اسے لہو و لعب سمجھے۔

(مرقات ص۲۴۴ ج۲ بحوالہ تبع تابعین)

اور الاشباہ والنظائر ص۳۹ پر ہے :- وکذا قولهم بکفره اذا قرء القرآن فی معرض

کلام الناس کما اذا اجتمعوا فقرء فجمعناهم جمعًا وکذا اذا اقرأ وکاسًا دهاقًا عند دویۃ کاس ولہ نظائر کثیرۃ فی الفاظ التکفیر کلہا ترجع الی قصد الاستخفاف بہ الخ

ترجمہ :۔ اور اسی طرح فقہاء کرام اس شخص کی تکفیر کے قائل ہیں جو قرآن مجید کو بطور استخفاف کے دنیوی بات چیت میں پیش کرے۔ مثلاً جب لوگ اکٹھے ہوں تو اس موقعہ پر پڑھے فجمعناھم جمعًا (پھر ہم تمام مخلوق کو یک جا جمع کر دیں گے) اور اسی طرح پیالے کے دیکھنے کے وقت پڑھے وکاسًا دھاقًا (اور لبریز چھلکتے ہوئے جام شراب)۔

کھلی تحریف :۔ حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہٗ سے تجدید دین کامل ص۲۰۲ میں نقل کیا گیا ہے :۔

"بعض اوقات قرآن مجید کی آیات کو ایسے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے جو قرآن کا مقصود قطعًا نہیں ہوتا۔ مثلاً جنتری پر یہ آیت لکھ دی۔ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ۔ جس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ ہماری جنتری احسن تقویم ہے۔ یعنی عمدہ جنتری ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ کھلی تحریف ہے۔ اس سے اجتناب بہت ضروری ہے اھ (حالانکہ اس آیت شریفہ کا مطلب تو یہ ہے کہ اللہ تعالٰے بتانا چاہتے ہیں کہ ہم نے انسان کو کیسے اچھے سانچے میں ڈھالا ہے اور کیسی قوتیں، ظاہری و باطنی خوبیاں اس کے وجود میں جمع کی ہیں۔ اگر یہ اپنی صحیح فطرت پر ترقی کرے تو فرشتوں سے گوئے سبقت لے جائے بلکہ مسجود ملائکہ بنے)۔ فوائد قرآنیہ از حضرت شیخ الاسلام مولانا عثمانی مرحوم)۔

اس ادب کے متعلق مزید بیان البرہان فی علوم القرآن ص۴۸۳ ج۱ للزرکشیؒ اور تفسیر اتقان جلد اول میں ملاحظہ فرمایا جاوے۔

٭

ادب نمبر ۳۸

قرآن مجید کو شکم پروری کا ذریعہ بنانا

وَاَنْ لَا یَتَّخِذَہٗ مَعِیْشَۃً (روح المعانی ص۱۵۵ جزء ۲۷ سورہ واقعہ)

ترجمہ :۔ اور قرآن مجید کو اپنی گذر اوقات کا ذریعہ نہ بنائے۔

تشریح :۔ امام سیوطیؒ تفسیر اتقان ص۱۱۱ ج۱ پر فرماتے ہیں :۔ ویکرہ اتخاذ القرآن معیشۃ یکتسب بہا۔ الخ۔ یعنی قرآن مجید کو کمائی اور گزر اوقات کا ذریعہ بنانا مکروہ تحریمی ہے (ھکذا فی مفتاح السعادۃ لطاش زادہ کبری ص۳۰۰ ج وتبیان للامام النووی ص)

(۱) اور آجری نے عمرانؓ بن حصین کی حدیث مرفوعًا روایت کی ہے کہ جو شخص قرآن پڑھے اُس کو چاہیئے کہ اللہ تعالٰے سے اس (قرآن) کے واسطہ سے اپنی حاجت مانگے۔ کیونکہ آگے چل کر کچھ ایسے لوگ آنے والے ہیں جو قرآن پڑھ کر لوگوں سے اس (قرآن) کے ذریعہ سے سوال کیا کریں گے (یعنی بھیک مانگیں گے)۔

(۲) بخاری نے اپنی تاریخ الکبیر میں سند صالح کے ساتھ یہ حدیث روایت کی ہے کہ جس شخص نے کسی ظالم کے سامنے اس غرض سے قرآن پڑھا کہ اس سے کچھ (مالی) منفعت حاصل کرلے تو ایسے شخص کو ہر ایک حرف کے عوض دس لعنتیں ملیں گی۔ (اتقان ص۱۱۱ ج۱)

فائدہ :۔ سوال کرنا زبانِ حال سے بھی ہوتا ہے اور زبانِ قال سے بھی: مسجدوں میں نماز کے بعد دروازوں کے قریب قرآن پڑھتے ہوئے بہت سے لوگ آپ نے دیکھے ہوں گے۔ ان میں اکثر وہ ہوتے ہیں جو قرآن شریف پڑھنے کے علاوہ زبان سے کچھ نہیں کہتے اور نمازی ان کو حسبِ توفیق آنہ دو آنے برابر دیتے چلے جاتے ہیں۔ یہ زبانِ حال کا سوال ہے۔ کیونکہ دروازے کے پاس کھڑے ہو کر ہاتھ پھیلا کر یا رومال بچھا کر پڑھنا بھی سوال کرنا ہے۔ بہت سے لوگ تلاوت کر کے زبانِ قال سے بھی سوال کرتے ہیں۔ جیسا اکثر گاڑیوں اور ٹرینوں میں نابینا حضرات رکوع پڑھ کر دستِ سوال دراز

کرتے ہیں اور زبانِ قال سے بھی سوال کرتے ہیں۔ جیسا اکثر گاڑیوں اور ٹرینوں میں نابینا حضرات رکوع پڑھ کر دستِ سوال دراز کرتے ہیں اور زبانِ قال سے مانگتے ہیں۔ یہ دونوں قسم کے لوگ لائقِ ملامت ہیں جو انمول جواہرات کو کوڑیوں کے بدلے بیچ کر دُنیا و آخرت میں ذلت کے مستحق ہو رہے ہیں۔ اگر اس قرآن کے واسطہ سے اللہ پاک سے مانگیں تو بے انتہا ملے اور دُنیا و آخرت میں سرخرو رہیں۔

(۳) حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص قرآن پڑھ کر اس کے ذریعہ لوگوں سے مانگنے کے لیے وصول کرتا ہے وہ قیامت کے روز اس حال میں آئیگا کہ اس کا چہرہ بس ہڈی ہی ہڈی ہوگا جس پر ذرا گوشت نہ ہوگا۔ (بیہقی، شعب الایمان)

فائدہ:- قرآن شریف کے ذریعے لوگوں سے دُنیا حاصل کرنے والے کی آخرت میں جو ذلت ہوگی اس کی خبر اس حدیث شریف میں بیان فرمائی گئی ہے کہ قیامت کے دن جبکہ تمام اوّلین و آخرین جمع ہوں گے۔ سب کے سامنے اُس کے چہرے کی بدحالی ظاہر ہوگی۔ یعنی اُس کے چہرے پر گوشت کی ایک بوٹی نہ ہوگی اور یہ سزا اس کے عمل کے مناسب ہوگی۔ کیونکہ اُس نے اشرف الاشیاء کو ذلیل دُنیا کی کمائی کا ذریعہ بنایا۔ اس لیے قیامت کے دن اُس کے اشرف الاعضاء یعنی چہرہ کو رونق سے محروم کرکے ذلیل ترین حالت میں کر دیا جائے گا۔

بہرحال قرآن کریم جیسی رفیع الشان عظیم المرتبت چیز کا بدلہ دُنیا ہی میں مقصود بنا لینا کس قدر اس نعمتِ عظمیٰ کی ناقدر شناسی ہے۔

فائدہ :- تلاوت اور تعلیم میں فرق ہے۔ فقہاء متاخرین نے تعلیم قرآن کے سلسلہ میں کچھ لینے دینے اور معلمین کی خدمت کرنے کو جائز بتایا ہے۔ تاکہ یہ حضرات جو شب و روز خدمتِ قرآن میں لگے ہوئے ہیں پریشان حال نہ رہیں۔ جن حضرات نے قرآن کو ذریعہ کسب نہیں بنایا اور ان کی عظیم شخصیتوں سے نفع عظیم پہنچ رہا ہے۔ جب اُن کے اخراجات پورے نہ ہوں گے تو مجبوراً ذریعہ معاش میں منہمک ہوں گے۔ اس طرح قرآن کی دولت سے مسلمان محروم ہو جائیں گے۔ ان حالات کو دیکھ کر متاخرین نے تعلیم قرآن پر تنخواہ لینے کا فتویٰ دیا۔ اگر امت کی طرف سے قرآن کے خادموں کی خدمت میں دریغ نہ ہوتا تو فقہاء کو جواز تنخواہ کا فتویٰ نہ دینا پڑتا۔ پھر یہ بات بھی نہ بھولنی چاہیئے کہ یہ فتویٰ

ضروری گزارہ کے لیے۔ ہے: دولت سمیٹنے اور دکان داری کرنے کے لیے نہیں ہے۔ اور وہ بھی تعلیم قرآن کے متعلق ہے۔ ایصالِ ثواب کے لیے "تلاوت" کرنے والے یا دوکان و کاروبار میں برکت پہنچانے کے لیے جا جا کر پڑھنے کے متعلق ہرگز نہیں ہے۔ ان کاموں پر اُجرت لینا بہرحال درست نہیں ہے چنانچہ اس کے عدم جواز کے متعلق علامہ آلوسی اپنی مشہور تفسیر روح المعانی ص۲۶ جز ۲۷ پر لکھتے ہیں:- ثم الظاهران ذالك اذا لم تكن باجرة اما اذا كانت بها كما يفعله اكثر الناس اليوم فانهم يعطون حفظة القرآن باجرة ليقرأوا لموتاهم فيقرءون لتلك الاجرة فلا يصل ثوابها اذ لا ثواب لها ليصل لحرمة اخذ الاجرة على قرأة القرآن وان لم يحرم على تعليمه كما حققه خاتمة المحققين الشيخ محمد امين بن عابدين الدمشقي۔

مزید تفصیل کے لیے البرہان فی علوم القرآن ص۴۵۵ ج۱ اور تفسیر روح البیان ص۴۳ ج ۵، مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر ص۵۳۹ ج ۲، کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعۃ ص۱۳۰، ص۱۲۹ ج ۳ نیز رد المحتار لابن عابدین کتاب الاجارہ اور کتاب الجنائز جلد اول اور فتاویٰ عقود الدریہ فی تنقیح الحامدیہ لابن عابدین۔ نیز علامہ سید شامی ابن عابدین نے اس موضوع پر مستقل ایک رسالہ شفاء العلیل کے نام سے لکھا ہے (احکام القرآن للجصاص رازی مطبوعہ مصر ص۲۱۳ ج ۳ و ایضاً ص۵۲۶ ج ۲، ص۳۳۳ ج ۱ و ایضاً ص۴۵ ج ۲ اور بحر الرائق، فتاویٰ عالمگیری اور فتاویٰ قاضی خان، فتاویٰ سراجیہ و خلاصۃ الفتاویٰ، الاشباہ والنظائر، فتاویٰ دار العلوم دیوبند مبوب اور امداد الفتاویٰ و احسن الفتاویٰ) ملاحظہ فرمائیں۔

مسئلہ:- سئلت عمن اعتاد القرأة لجلب الدراهم والسوال هل يجوز منعه عن ذالك؟ الجواب نعم قال في القنية لا يمنع القاري من قرأته الا اذا عرف انه يعتاد السوال بقرأته (الفتاوى الكاملية في الحوادث الطرابلسية للعلامة الشيخ محمد كامل طرابلسي حنفي ص۲۶۳) ترجمہ:- مجھ سے اس شخص کے متعلق دریافت کیا گیا کہ کیا اس قاری کو قرآن خوانی سے منع کرنا جائز ہے جو سوال کرنے اور روپے پیسے حاصل کرنے کے لیے تلاوت کر رہا ہو؟

جواب: ہاں اس قاری کو منع کیا جا سکتا ہے کیونکہ قنیہ میں مذکور ہے کہ قرآن پڑھنے سے اس قاری کو روکنا جائز ہے۔ جس کے متعلق معلوم ہو کہ قرآن خوانی کے ذریعہ سوال کرنا اس کا معمول ہے۔

نیز علامہ شیخ حسنین محمد مخلوف مصری نے اپنے فتاویٰ شرعیہ و بحوث اسلامیہ ص۶۰ ج۱ پر بعنوان اخذ الاجرة على قراءة القرآن في المذاهب الاربعة۔ بڑی عجیب تحقیق پیش کی ہے جو قابلِ مطالعہ ہے۔

ادب نمبر ۳۹

قرآن مجید سے فال لینا

وَيُكْرَهُ اَخْذُ الفَالِ مِنَ القرآن۔ (فتاویٰ حدیثیہ لابن حجر مکی ص ۱۹۷)

ترجمہ :- قرآن مجید سے فال لینا مکروہ ہے۔

تشریح :- اس مسئلہ کے متعلق ابو الحسنات مولانا عبد الحی صاحب لکھنوی قدس سرہٗ اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں :-

سوال :- مصحفِ قرآنی یا اور کسی کتاب سے فال لینا درست ہے یا نہیں ؟

جواب :- اس کے جواز کے کوئی دلیل صریح قرآن و حدیث میں نہیں ملتی جس کی وجہ سے علماء میں اختلاف ہے۔ بعض حضرات نے حرام اور بعض نے مکروہ اور بعض نے جائز بتایا۔ بشرطیکہ خلافِ مقصود فال نکلنے کی صورت میں کوئی خیال دل میں نہ آوے۔ ابو عبداللہ محمد بن الحاج مالکی مدخل میں لکھتے ہیں :- التفاؤل فی الشرع هو الذی لا یقصده الانسان حتی یسمعه ابتداء واما من یقصده فلیس من التفاؤل فی شئ واشد من ذالک التفاؤل فی فتح الشحمة والنظر فی اول سطر یخرج منها اوغیره وذالک باطل وبیان ذالک انه قد یخرج له منها آیة عذاب ووعید فیقع له التشویش من ذالک فرفع عنه ذالک حتی ینقطع مادة التشویش بل یخشی علیه ان تقع له ماهو اشد من ذالک ویؤل امره الی الخطر العظیم۔ ومن الذخیرة قال الطرطوسی ان اخذ الفال بالمصحف وضرب الرمل ونحوها حرام وهو من باب الاستقسام بالازلام۔ مع ان الفال حسن بالسنة تحریره ان الفال الحسن وهو مایعزم من غیر کسب مثل قائل یقول یا مصلح ونحوه والتفاؤل المکتسب حرام کما قاله الطرطوسی فی تعلیقه۔ انتہیٰ۔

اور ملا علی قاری مکی حنفی شرح نخبۃ الفکر میں تحریر فرماتے ہیں: الفال بالمصحف ما

صدر عن السلف واختلف فیه المتاخرون۔ ولاشک ان التشاؤم بما فیه مکروه سواء بالحرف او بالمعنی واما التفاؤل بالمعنی او بالظهور کسملة ونحوها بلا بأس واما الحروف فلا دلالة لها علی الحسن والقبح ابداً۔ انتہیٰ

اور علامہ علی قاری شرح فقہ اکبر میں لکھتے ہیں : ومن جملة علم الحروف الفال بالمصحف حیث یفتحونه وینظرون فی اول صفحة ای حرف وافقه وکذا فی سابع الورقة السابقة فان جاء حرف من الحروف المرکبة من حروف تسخلاکم حکموا بانه غیر مستحسن۔ وفی سائر الحروف بخلاف ذالک وقد صرح ابن العجمی فی منسکه وقال لا یأخذ الفال من المصحف فان العلماء اختلفوا فی ذالک فکرهه بعضهم واجازه بعضهم ونص المالکیة علی تحریمه۔ انتہیٰ (شرح فقہ اکبر ص ۱۸۲، ص ۱۸۳)

اور سید عبد الباقی بغدادی رسالہ مناسک میں لکھتے ہیں :- ومن الاستخارات الشائعة الاستخارة بالقرآن ویسمونه تفاؤلاً ولعلهم منها کیفیات شتی۔ والظاهر ان ذالک مما لا دلیل علی مشروعیته۔ ومن البدع ما یستعمله الشیعة بالتفاؤل من السبحة ونحوها وکذا ما یفعله کثیر من الناس بالتفاؤل بدیوان حافظ الشیرازی۔ انتہیٰ

(مجموعہ فتاویٰ لمولانا ابی الحسنات عبد الحی ج ۳ ص ۱۵۱ مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی)

اور شیخ عبد الغنی نابلسیؒ جو علامہ ابن عابدینؒ شامی کے اُستاد ہیں۔ طریقہ محمدیہ کی شرح میں رقمطراز ہیں کہ میرے والد نے شرح الدرر کی شرح میں بحوالہ تحفہ لکھا ہے کہ قرآن مجید سے فال لینا مکروہ تحریمی ہے اور قہستانی نے بھی ایسا ہی لکھا ہے اور علامہ دمیریؒ نے حیاۃ الحیوان میں قاضی ابو بکر ابن العربی کے احکام القرآن سے لکھا ہے کہ قرآن مجید سے فال لینا حرام ہے اور علامہ قرافی نے بھی امام ابو الولید طرطوشی سے یہی نقل کیا اور حنابلہ میں ابن بطہ نے اس کو مباح کہا ہے اور حضرت شوافع کے نزدیک مکروہ تنزیہی ہے۔

اور امام ماوردیؒ نے کتاب ادب الدنیا میں لکھا ہے کہ خلیفہ وقت یزید بن یزید بن

عبدالمالک نے ایک دن قرآن مجید سے فال نکالا تو اتفاقاً یہ آیت نکلی - واستفتحوا وخاب کل جبار عنید (سورۃ ابراہیم آیت ۱۵) ترجمہ: اور وہ فیصلہ کی خواہش کرنے لگے اور ہر سرکش معاند نامراد و ہلاک ہُوا) تو اُس نے غصہ میں آکر قرآن مجید پھاڑ دیا اور یہ شعر کہنے لگا ؎

ترجمہ: کیا تو دھمکی دیتا ہے ہر سرکش معاند کو — پس سُن لے میں ہوں سرکش معاند
جب تو قیامت کے دن اپنے رب کے پاس جا — تو کہہ دینا مجھے (دُنیا میں) ولید نے پھاڑ دیا تھا

پھر چند ہی دن گزرے تھے کہ وہ بُری طرح قتل کیا گیا اور اس کے سر کو شاہی محل پر اور پھر شہر کی بلند دیوار پر (عبرت کے لیے) آویزاں کیا گیا - (اعاذنا اللہ تعالیٰ منہ والکہ)

قال والدی رحمہ اللہ تعالیٰ فی شرحہ علی شرح الدرر وفی کتاب التحفۃ اخذ الفال من المصحف مکروہ وکذا کرہ القہستانی یعنی کراہۃ تحریم لانہا المحمل عند الاطلاق عندنا - وفی حیاۃ الحیوان للدمیری جزم الامام العلامۃ ابن العربی فی الاحکام فی سورۃ المائدۃ بتحریم اخذ الفال من المصحف ونقلہ القرافی عن الامام العلامۃ ابی الولید الطرطوشی واقرہ - واباحہ ابن بطۃ من الحنابلۃ ومقتضی مذہب الشافعی کراہتہ یعنی کراہۃ تنزیہ لانہا المحمل عند الاطلاق عندہ - وحکی الماوردی فی کتاب ادب الدنیا ان الولید بن یزید بن عبد الملک تفأل یوما بالمصحف فخرج لہ قولہ تعالیٰ واستفتحوا وخاب کل جبار عنید - فمزق المصحف وانشأ یقول شعرا ؎

اتوعد کل جبار عنید — فہا انا ذاک جبار عنید
اذا ما جئت ربک یوم حشر — فقل یا رب مزقنی الولید

فلم یلبث الا ایاما یسیرۃ حتی قتل شر قتلۃ وصلب رأسہ علی قصرہ ثم علی سور بلدہ - انتہی -

(الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیہ ص۲۷ ج ۲ مطبوعہ جدید فیصل آباد -
وھکذا فی بریقۃ المحمودیۃ شرح الطریقۃ المحمدیہ القطب العارفین الخادمی)

قرآن مجید میں فال دیکھنے کا طریقہ مروّجہ کا ممنوع ہونا اور معنی حدیث یُحِبُّ الفَال

سوال:- فال دیکھنا قرآن مجید میں اس طور پر کہ پہلے سورۃ فاتحہ اور اخلاص اور درود شریف پڑھکر قرآن مجید کھولا جائے اور سات ورق اُلٹ کر ساتویں سطر پر پہلے صفحہ کے دیکھا جائے - یہ امر شرع میں جائز ہے یا ناجائز - اور جو امر کہ فال سے پیدا ہو آئندہ یا موجودہ یا گذشتہ کے بارے میں اس پر یقین لانا کیسا ہے - اگر جائز ہے تو اس کا طریقہ مسنون یا ماثور کیا ہے اور اگر ناجائز ہے تو ارشاد ہو کہ اس حدیث کا کیا مطلب ہے کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یحب الفال و یکرہ الطیرۃ - نیز مستند کُتب و بعض ملفوظات و مکتوبات اہلِ تصوف میں یہاں تک لکھ دیا ہے کہ مایخرج فہو بمنزلۃ الوحی - یہ بھی عرض کر دینا مجھے مناسب ہے کہ قرآن مجید سے فال دیکھنے کے بارے میں جہاں تک اس حقیر مستفتی کو خیال ہے، علماء کو اختلاف ہے - ایک گروہ حرمت کا تو دُوسرا اباحت کا قائل ہے - اگر یہ امر صحیح ہے تو ارشاد ہو کہ قول راجح کونسا ہے - اور وجوہ ترجیح کیا ہیں اور امر احوط کیا ہے - فقط بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا

الجواب:- جس طرح اور جس اعتقاد سے عوام و خواص کالعوام میں مروج ہے وہ ناجائز ہے اور مشابہ ہے عیافۃ وغیرہ کے - اور جو یُحِبُّ الفَال کے درجہ میں ہو جس کی تفہیم تام اس تحریر سے نہیں ہو سکتی جائز ہے - اور یُحِبُّ الفَال کے یہ معنی نہیں کہ اس پر اعتقاد لایا جائے بلکہ وہ اسباب رجاء میں سے ہے اور مَا یَخْرُجُ الخ اگر کسی ثقہ کا قول ہے، مأوّل ہے اور علماء کا اس میں اختلاف نہیں انتہیٰ - (امداد الفتاویٰ مبوب از حضرت حکیم الامّت مولانا تھانوی قدس سرہٗ ص۳۹۸ ج ۵) - مزید تفصیل کے لیے حضرت حکیم الامّت قدس سرہٗ کی کتاب اصلاح انقلابِ اُمت ص۴۸ اور تفسیر روح البیان ص۲۱ ج ۳ بھی ملاحظہ فرمائی جائے -

سوال:- قرآن مجید میں سے کسی قسم کا بھی فال نکالنا کیا جائز ہے؟

جواب:- قرآن مجید سے فال نکالنی ناجائز ہے - فال نکالنی اور اس پر عقیدہ کرنا کسی اور کتاب مثلاً دیوان حافظ یا گلستان وغیرہ سے بھی ناجائز ہے مگر قرآن مجید سے نکالنی تو سخت گناہ ہے کہ اس سے بسا اوقات قرآن مجید کی توہین یا اسکی جانب سے بدعقیدگی پیدا ہو جاتی ہے - محمد کفایت اللہ (کفایت المفتی ص۲۳۱ ج ۹)

ادب نمبر ۴

سورۃ والضحیٰ سے سورۃ والناس کے خاتمہ تک تکبیر کہنا

وَيُسَنُّ التكبيرُ من خاتمةِ والضحىٰ الى خاتمةِ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاس. وَصِفَةُ التكبيرِ اَنْ يَّقِفَ القارى بَعْدَ كل سُوْرَةٍ وقفةً لَطِيفةً وَيَقُوْلُ اللهُ اكبرُ وقيلَ لا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاللهُ اكبر

(تاریخ القرآن ص۱۷ للعلامۃ محمد طاہر)

ترجمہ:۔ سورۃ والضحیٰ اور اس کے بعد جتنی سورتیں قل اعوذ برب الناس تک ہیں سب کے خاتمہ پر تکبیر کہنا مسنون ہے تکبیر کا طریقہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت کرنے والا ہر سورۃ کے بعد تھوڑا وقفہ کرے پھر اللہ اکبر کہے اور بعض کے نزدیک لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر کہے۔

تشریح:۔ سورۃ والضحیٰ سے آخر قرآن تک ہر سورۃ کے ساتھ تکبیر کہنا سنت ہے اور اس تکبیر کے الفاظ شیخ صالح مدنیؒ نے لا الہ الا اللہ واللہ اکبر بتلاتے ہیں۔ (مظہری)

ابن کثیرؒ نے ہر سورۃ کے ختم پر اور بغوی نے ہر سورت کے شروع میں ایک مرتبہ تکبیر کہنے کو سنت کہا ہے (مظہری) اور علامہ سید محمد آلوسیؒ تفسیر روح المعانی ص۱۲۵ ج۳۰ پر رقمطراز ہیں:۔

وندب التكبير عند خاتمة هذه السورة الكريمة وكذا ما بعدها الى اٰخر القراٰن العظيم۔ فقد اخرج الحاكم وصححه وابن مردويه والبيهقى فى الشعب من طريق ابى الحسن البزّى المقرى قال سمعت عكرمة بن سليمان يقول قرأت على اسماعيل بن قسطنطين فلما بلغت والضحىٰ قال كبر عند خاتمة كل سورة حتى تختم فانى قرأت على عبد الله بن كثير فلما بلغت والضحىٰ قال كبر حتى تختم واخبره ان ابن عباسؓ امره بذالك واخبره ان ابى بن كعبؓ امره بذالك واخبره ان النبیؐ امره بذالك۔ وكان ذالك انه عليه السلام بنزول الوحى بعد تأخره وبطئه۔ حتى قيل ما قيل هذا۔ وعلى ذالك عمل الناس اليوم والحمد لله رب العالمين۔ اھ۔ ترجمہ:۔ سورۃ والضحیٰ سے آخر قرآن تک ہر سورت کے بعد تکبیر کہنا مستحب ہے۔

چنانچہ حاکم اور ابن مردویہ اور بیہقی نے اپنی کتاب شعب الایمان میں ابوالحسن بزی قاری سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت عکرمہ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے اسماعیل بن قسطنطین کے سامنے قرأت کی اور جب میں سورت والضحیٰ پر پہنچا تو آپ نے فرمایا یہاں سے ختم آخر قرآن تک ہر سورۃ پر تکبیر کہو۔ کیونکہ میں نے اپنے شیخ عبداللہ بن کثیرؒ سے اور انہوں نے اپنے شیخ مجاہدؒ سے اور انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اور انہوں نے حضرت ابی بن کعبؓ سے اور انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ چند روز تک نزول وحی میں تاخیر ہو گئی تھی۔ اس کے بعد یہ سورۃ والضحیٰ نازل ہوئی تو آپ نے فرحت ومسرت میں یہ تکبیر کہی اور آج تک لوگوں کا معمول ہے۔

(مفصل بیان تفسیر اتقان ص ج ۱ پر ملاحظہ فرمائیں)

اور امام ابوالحسن سخاویؒ سے منقول ہے کہ ابو محمد الحسن بن محمد بن عبید اللہ بن ابی یزید القرشیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے مسجد حرام میں مقام ابراہیم کے پیچھے لوگوں کو نمازِ تراویح پڑھائی۔ ختم کی رات کو میں نماز میں والضحیٰ کے ختم سے قرآن کے اخیر تک تکبیر پڑھتا رہا۔ جب میں نے سلام کے بعد رخ پھیرا تو دیکھتا کیا ہوں کہ ابوعبداللہ محمد بن ادریس الشافعی نے بھی میری اقتداء میں نماز پڑھی ہے۔ جب امام موصوف نے مجھے دیکھا تو فرمایا: اَحْسَنْتَ وَاَصَبْتَ السُّنَّةَ۔ یعنی تم نے عمدہ کام کیا اور سنت کے موافق عمل کیا۔ اسی طرح کی روایت سفیان بن عیینہؒ اور جریجؒ وغیرہ سے بھی ثابت ہے۔

(شرح شاطبی لملا علی قاری ص۲۱۴ ونہایۃ القول ص۲۲۳ ونشر ص ج۲ ومعارف التجوید ص۲۵۰)

اور فتاویٰ الحدیثیہ للعلامۃ ابن حجر الہیتمی المکی ص ۱۹۱/۱۹۲ پر مفصل بحث مذکور ہے۔

مسئلة:۔ واستحسن مشائخ العراق قرأة سورة الاخلاص ثلاثا عند ختم القراٰن الا ان يكون الختم فى المكتوبة فلا يكررها۔ اھ۔ (روح البیان ص ج۱۰ عند الخاتمۃ)

ترجمہ:۔ مشائخ عراق کے نزدیک ختم قرآن کے وقت سورۃ اخلاص کا پڑھنا تین بار مستحسن ہے۔ البتہ فرض نماز میں ختم قرآن کے وقت تکرار نہ کیا جائے۔

(مفصل بیان تفسیر اتقان ص ج ۱ میں ملاحظہ فرمائیں)

ادب نمبر ۴۱

اختتام پر صَدَقَ اللّٰہُ العَظِیْمُ کہنا

وَمِنْ حُرْمَتِہٖ اِذَا انْتَہَتْ قِرَاءَتُہٗ اَنْ یُّصَدِّقَ رَبَّہٗ وَیَشْہَدُ بِالْبَلَاغِ لِرَسُوْلِہٖ صلی اللہ علیہ وسلم وَیَشْہَدُ عَلٰی ذٰلِکَ اَنَّہٗ حَقٌّ (تفسیر قرطبی)

ترجمہ :- قرآن مجید کے آداب عظمت میں سے ایک یہ ہے کہ جب تلاوت ختم کرے تو خاتمہ پر صدق اللہ العظیم و بلغنا النبی الکریم ونحن علیٰ ذالک من الشاھدین والشاکرین والحمد للہ رب العالمین کے کلمات کہے، جن کا ترجمہ یہ ہے کہ اللہ بلند و برتر نے سچ فرمایا اور ہم کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا کم و کاست پہنچایا اور ہم اس پر گواہ اور شکر گزار ہیں اور تمام تعریفیں اللہ تعالےٰ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہان کا پروردگار ہے۔

تشریح :- علامہ اسماعیل حقی آفندیؒ اپنی تفسیر روح البیان کے خاتمہ پر لکھتے ہیں :-

ولیقل عند فراغہ من کل سورۃ صدق اللہ تعالےٰ و بلغ رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اللھم انفعنا و بارک لنا فیہ الحمد للہ رب العالمین واستغفر اللہ الحی القیوم۔ وفی اسئلۃ عبد اللہ بن سلام سلام اخبرنی یا محمد ما ابتداء القرآن وما ختمہ قال ابتداؤہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم وختمہ صدق اللہ العظیم قال صدقت۔

وفی خریدۃ العجائب یعنی ینبغی ان یقول القاری ذالک عند الختم والا فختم القرآن سورۃ الناس۔ وفی الابتداء بالباء والاختتام بالسین اشارۃ الی لفظ بس یعنی حسب۔ ای حسبک من الکونین ما اعطیناک بین الحرفین کما قال الحکیم السنائی رحمہ اللہ ؎

اول و آخر قرآن زچہ و با آمد و سین یعنی اندر دو جہاں رہبر ما قرآن بس

ترجمہ :- چاہیئے کہ ہر سورت کے خاتمے پر درج ذیل کلمات پڑھے جائیں :- صدق اللہ تعالےٰ و بلغ رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اللھم انفعنا و بارک لنا فیہ۔ الحمد للہ رب العالمین واستغفر اللہ الحی القیوم۔ حضرت عبد اللہ بن سلامؓ کے سوالات میں سے ایک سوال حضورؐ سے یہ بھی تھا کہ قرآن کا آغاز

اور اس کا اختتام کیا ہے ؟ آپؐ نے فرمایا آغاز بسم اللہ ہے اور اختتام صدق اللہ العظیم ہے۔ یہ سُن کر عبد اللہ بن سلام نے تصدیق کی۔

اور کتاب خریدۃ العجائب میں اس کی وضاحت یوں کی گئی ہے کہ قاری کو قرآن مجید کے ختم کے موقعہ پر صدق اللہ العظیم کہنا چاہیئے۔ ویسے تو قرآن کا اختتام سورۃ والناس کے لفظ س پر ہوتا ہے۔ اسی واسطے کہا گیا ہے۔ قرآن کا آغاز بسم اللہ کی باء سے اور اختتام والناس کے سین پر۔ ب اور س کی ترکیب سے لفظ بس بنتا ہے، جس کے معنے کافی کے ہیں یعنی دونوں جہان میں قرآن رشد و ہدایت کے لیے کافی ہے۔ چنانچہ حکیم سنائیؒ نے اپنے اس شعر میں اسی مضمون کو بیان کیا ہے۔

مسئلہ :- فرید الدہر وحید العصر مولانا ابو الحسنات لکھنویؒ اپنی کتاب نفع المفتی والسائل صہ ۱۲۲ پر فرماتے ہیں : کہ موجودہ دور کے قراء حضرات نے جو تراویح میں ختم قرآن کے بعد اور دیگر کے علاوہ ختم قرآن کے بعد چند متفرق آیات مثلاً آیۃ الکرسی اور امن الرسول اور آیۃ لقد جاءکم رسول اور آیۃ ان رحمۃ اللہ قریب من المحسنین اور آیت وما ارسلنک الا رحمۃ للعالمین، پڑھنے کا معمول بنا رکھا ہے، یہ سراسر بے سند بات ہے۔ متقدمین کی کتابوں میں اس کا کہیں ثبوت نہیں۔ بلکہ امام سیوطیؒ نے تو اپنی تفسیر اتقان میں بحوالہ امام ... یہی نقل کیا ہے کہ یہ طریقہ آداب قرآن کے خلاف ہے۔ چنانچہ انہوں نے ایک حدیث سعید بن المسیبؒ سے نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو اس طرح آیات کو چھانٹ چھانٹ کر پڑھنے سے منع فرمایا جبکہ وہ متفرق سورتوں سے آیات چھانٹ کر پڑھ رہے تھے۔

چنانچہ مولانا موصوف فرماتے ہیں :-

الاستفسار :- ما تُوورِث بین القُرَّاءِ انھم یقرأون بعد الختم آیات متفرقۃ مثل آیۃ الکرسی وامن الرسول وآیۃ لقد جاءکم رسول الخ ان رحمۃ

اللہ قریب من المحسنین و قولہ تعالٰی وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعالمین ویفعلون ذالک فی التراویح ایضا ما ۲۰۰ کا لہ۔

الاستبشار :- ھذا مما لا اصل لہ ولا اثر لہ فی کتب المتقدمین۔ وفی الاتقان فی علوم القرآن فائدہ قال الحلیمی ترکہ من الآداب لما اخرجہ ابو عبید عن سعید بن المسیبؒ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مر ببلال وھو یقراء من ھذہ السورۃ و من ھذہ السورۃ۔ فقال یا بلال مررت بک وانت تقرأ من ھذہ السورۃ ومن ھذہ السورۃ قال اخلطت الطیب بالطیب فقال اقراء السورۃ علی وجھھا۔ (انتہیٰ)

تنبیہ :- رسم قل اور تیجہ اور چالیسواں وغیرہ کے ختم پڑھنے والے حضرات جو بلند آواز سے اسی قسم کی متفرق آیات چھانٹ کر ترنم اور خوش آوازی سے پڑھتے ہیں اور اس کے بعد ایصالِ ثواب کی دُعا مانگتے ہیں۔ ان کو بھی آدابِ قرآنی ملحوظ رکھنا چاہیئے۔ طالبِ حق کے لیے تفسیر اتقان صـ۱۰۹ ج ۱ مطبوعہ مصر کا مطالعہ انسب و مفید ہے۔

ادب نمبر ۴۲

تقریب ختم قرآن میں اہل و عیال کو جمع کرنا

وَيُسْتَحَبُّ لَهُ اِذَا خَتَمَ الْقُرْآنَ اَنْ يَجْمَعَ اَهْلَهُ فَاِنَّ الرَّحْمَةَ تَنْزِلُ عِنْدَ خَتْمِ الْقُرْآنِ ۔ (قرطبی)

ترجمہ :- اور مستحب ہے کہ قرآن مجید کے ختم کے وقت اپنے اہل و عیال کو جمع کرے۔ کیونکہ قرآن مجید کے ختم کے وقت رحمت کا نزول ہوتا ہے۔

۱۔ تشریح۔ (۱) امام سیوطیؒ صـ۱۱۰ ج ۱ پر نقل فرماتے ہیں کہ طبرانی نے حضرت انسؓ کی نسبت روایت کی ہے کہ جس دن وہ قرآن ختم کیا کرتے تھے تو اپنے کنبے والوں کو جمع کرکے خدا تعالٰی سے دُعا مانگا کرتے تھے۔

۲۔ اور ابن ابی داؤد نے حکم بن عتیبہ سے روایت کی ہے کہ اُس نے کہا۔ مُجھے مجاہد نے بلوا بھیجا اور مَیں گیا تو اُن کے پاس ابن ابی امامہؒ بھی موجود تھے۔ مجاہد اور ابن ابی امامہ دونوں نے مجھ سے کہا، ہم نے تم کو اس لیے بلوایا ہے کہ ہم قرآن ختم کرنیکا ارادہ رکھتے ہیں اور ختم قرآن کے وقت دُعا قبول ہوتی ہے۔

۳۔ مجاہد ہی سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا صحابہ کرامؓ ختم قرآن کے وقت اکٹھے ہو جایا کرتے تھے۔

۴۔ مجاہدؒ کا قول ہے کہ ختم قرآن کے وقت رحمت کا نزول ہوتا ہے۔ انتہیٰ

فائدہ :- یہاں سے یہ معلوم ہوا کہ یہ طریقہ جو ختم قرآن کا رمضان شریف میں رائج ہے۔ اس موقعہ پر اپنے احباب کو مدعو کرنا کہ وہ بھی نزولِ رحمت، اور قبولیتِ دُعا میں شریک ہو سکیں اسلاف کبار سے ماثور ہے۔

مسئلہ :- ختم قرآن کے دن روزہ رکھنا مسنون ہے۔ اس بات کو ابن ابی داؤد نے

نے تابعین کی ایک جماعت سے نقل کیا ہے ۔ (اتقان صہ۱۱۱ ج۱)

ختم قرآن کے اوقاتِ فاضلہ

تفسیر اتقان صہ ج۱ میں امام سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ قرآن کا ختم کرنا دن یا رات کے ابتدائی حصہ میں افضل ہے اس لیے کہ دارمی نے سند حسن کے ساتھ سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا اگر قرآن کا ختم آغازِ شب میں ہوتا ہے تو ملائکہ قرآن ختم کرنے والے کے واسطے صبح تک رحمت کی دُعا مانگتے رہتے ہیں اور اگر وہ دن کے پہلے حصے میں قرآن ختم کرتا ہے تو شام تک فرشتے اس کے حق میں رحمت کی دُعائیں مانگتے رہتے ہیں اور احیاء العلوم میں ہے کہ دن کے آغاز کا ختمِ قرآن نمازِ فجر کے فرض کی دو رکعتوں میں ہونا چاہیئے اور شب کے ابتدائی حصہ میں قرآن ختم کرنے کی صُورت یہ ہے کہ نمازِ مغرب کی دو سُنتوں کی رکعتوں میں ختم کیا جائے ۔ ابن المبارک سے منقول ہے کہ وہ جاڑوں کے موسم میں آغازِ شب اور گرمیوں کے ایام میں فجر کا وقت ختمِ قرآن کے لیے پسند کیا کرتے تھے ۔ انتہےٰ

اور امام زرکشیؒ نے البرہان فی علوم القرآن صہ۴۷۲ ج۱ پر یہی تحقیق نقل فرمائی ہے ۔

ختم قرآن کے بعد دُعا مانگنا

(۱) ختمِ قرآن کے بعد دُعا مانگنا سُنت ہے ۔ اس کا ثبوت طبرانی وغیرہ کی اس حدیث سے ہوتا ہے جو عرباض بن ساریہؓ سے مرفوعاً آئی ہے کہ جس شخص نے قرآن ختم کیا اُس کے لیے قبول ہونے والی ایک دُعا ہے ۔

(۲) شعب الایمان میں انس بن مالکؓ کی حدیث مرفوعاً مروی ہے کہ جس شخص نے قرآن ختم کر کے خدا تعالےٰ کی حمد کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا اور اپنے پروردگار سے مغفرت مانگی تو بے شک اُس نے اچھے موقعہ پر اپنی بہتری طلب کی ۔ انتہےٰ ۔ (تفسیر اتقان صہ ج۱)

(۳) اور مسند دارمی میں حضرت حمید الاعرج سے مروی ہے ۔ وہ فرماتے ہیں :۔
من قرء القرآن ثم دعا امن على دعائه اربعة الاف . الخ (تبیان للنووی صہ۳۲)
ترجمہ :۔ جو شخص قرآن پڑھنے کے بعد دُعا کرتا ہے تو چار ہزار فرشتے اُس کی دُعا پر آمین کہتے ہیں ۔

(۴) حاکم ابو عبد اللہ نیشاپوری نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مبارکؒ جس وقت قرآن ختم کرتے تھے تو اُن کی دُعا تمام مسلمین اور مسلمات کے لیے ہُوا کرتی تھی ۔ (تبیان للنووی صہ۳۲)

(۵) وعن الامام البخاریؒ انه قال عند كل ختمة دعوة مستجابة واذا ختم الرجل القرآن قبل الملك بين عينيه ومن شك عند ختم القرآن فليس له غفران . ونص الامام احمدؒ على استحباب الدعاء عند الختم وكذا جماعة من السلف فيدعو بما احب مستقبل القبلة رافعا يديه خاضعا لله موقنا بالاجابة ولا يتكلف السجع في الدعاء بل يجتنبه ويثني على الله قبل الدعاء ويصلي على النبي صلى الله عليه وسلم ويمسح وجهه بيديه بعد فراغه من الدعاء ۔ (خاتمہ تفسیر روح البیان للعلامہ اسماعیل حقیؒ)

ترجمہ :۔ امام بخاری سے مروی ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ ختم قرآن کے وقت دُعا قبول ہوتی ہے اور جب کوئی شخص قرآن ختم کرتا ہے تو فرشتہ اس کی پیشانی کو چُومتا ہے اور جس شخص کو ختم قرآن کے وقت اپنی مغفرت میں تردد ہو ۔ تو اس کے لیے بخشش نہیں اور امام احمد اور علماء سلف کی ایک جماعت کے نزدیک ختم قرآن کے وقت دُعا مانگنا مستحب ہے ۔ پس قبلہ رُخ ہو کر اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر نہایت خشوع و تضرع کے ساتھ قبولیتِ دُعا کا یقین رکھتے ہوئے اور قافیہ بندی سے اجتناب کرتے ہوئے اللہ تعالےٰ سے اپنی اپنی دینی و دنیوی نیک حاجات کی دُعا مانگے اور دُعا سے قبل اللہ تعالےٰ کی حمد و ثنا اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود

بھی پڑھے اور دُعا سے فراغت کے بعد اپنے ہاتھ چہرے پر پھیرے۔

دُعاءِ ماثورہ

امام زرکشیؒ البرہان فی علوم القرآن ص۴۷۳ ج ۱ پر اور علامہ اسماعیل حقی آفندی تفسیر روح البیان کے خاتمہ پر فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ختم قرآن کے موقعہ پر حضرت علیؓ کو یہ دُعا سکھلائی تھی۔

(۱) اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ اِخْبَاتَ الْمُخْبِتِیْنَ وَاِخْلَاصَ الْمُوْقِنِیْنَ وَمُوَافَقَةَ الْاَبْرَارِ وَاسْتِحْقَاقَ حَقَائِقِ الْاِیْمَانِ وَالْغَنِیْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ وَالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ اِثْمٍ وَوُجُوْبَ رَحْمَتِكَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ وَالْفَوْزَ بِالْجَنَّةِ وَالْخَلَاصَ مِنَ النَّارِ۔

ترجمہ:- یا اللہ میں تم سے عاجزی کرنے والوں کا، باخشوع اور یقین والوں کا سا اخلاص اور نیکو کاروں کی موافقت اور ایمان کے حقائق کا استحقاق اور ہر نیکی کی لوٹ اور گناہ سے بچا رہنا اور تیری رحمت اور تیری مغفرت کے اسباب اور جنت کی کامیابی اور جہنم سے نجات مانگتا ہوں۔

(۲) ختم قرآن کے بعد یہ دُعا پڑھنا بھی ماثور ہے:-

اَللّٰهُمَّ اٰنِسْ وَحْشَتِیْ فِیْ قَبْرِیْ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِیْ بِالْقُرْاٰنِ الْعَظِیْمِ وَاجْعَلْهُ لِیْ اِمَامًا وَّنُوْرًا وَّهُدًی وَّرَحْمَةً۔ اَللّٰهُمَّ ذَكِّرْنِیْ مِنْهُ مَا نَسِیْتُ وَعَلِّمْنِیْ مِنْهُ مَا جَهِلْتُ وَارْزُقْنِیْ تِلَاوَتَهٗ اٰنَاءَ اللَّیْلِ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ وَاجْعَلْهُ لِیْ حُجَّةً یَا رَبَّ الْعَالَمِیْنَ۔

ترجمہ:- اے اللہ! قبر میں میری وحشت کے وقت قرآن کو انیس بنا اور قرآن کی برکت سے مجھ پر رحم فرما اور میرے لیے اس کو امام، نور اور ہدایت بنا۔ اے اللہ! قرآن سے جو کچھ میں نہیں جانتا مجھے بتا دے اور رات دن اس کی تلاوت کی توفیق عطا فرما اور اے رب العالمین قرآن کو میرے لیے حجت بنا۔ آمین!

اور تفسیر روح البیان کے خاتمہ پر شیخ اسماعیل حقی آفندی نقل فرماتے ہیں:-

وفی شرح الجزریة لابن المصنف ینبغی ان یلح فی الدعاء وان یدعو بالامور المهمة والكلمات الجامعة وان یكون معظم ذلك او كله فی امور الآخرة وامور المسلمین وصلاح سلاطینهم وسائر ولاة امورهم فی توفیقهم وعصمتهم من المخالفات وتعاونهم علی البر والتقوی وقیامهم بالحق علیه وظهورهم علی الاعداء الدین وسائر المخالفین وبما كان یقول النبی صلی اللہ علیه وسلم عند ختم القرآن اللّٰهم ارحمنی بالقرآن العظیم واجعله لی اماما ونورا۔ الخ

ترجمہ: مصنف کے صاحبزادے مقدمہ جزریہ کی شرح میں فرماتے ہیں کہ ختم قرآن کے بعد نہایت تضرع اور عاجزی کے ساتھ تمام اہم امور کے لیے جامع کلمات کے ساتھ اپنے لیے اور تمام مسلمانوں کے لیے دُعا مانگے اور دُعا کا بیشتر حصہ امور دینی و اخروی پر مشتمل ہونا چاہیے۔ اور اپنے سلاطین اور حکمرانوں کے حق میں بھی دُعا مانگے کہ اللہ تعالےٰ ان کو نیک کاموں کی توفیق مرحمت فرمائے اور مخالفت سے محفوظ رکھے اور ان کو دینی اور دنیوی دشمنوں پر غلبہ نصیب فرمائے اور اس کے بعد وہ دُعا ماثورہ پڑھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے کہ اے اللہ! قرآن کی برکت سے مجھ پر رحم فرما اور اس کو میرے لیے امام نور اور ہدایت بنا۔ الخ

یہ دُعا ابھی اوپر گزر چکی ہے۔

ادب نمبر ۴۲

ختم قرآن کے بعد ابتدائی آیات کی تلاوت

وَمِنْ حُرْمَتِهٖ اَنْ یَفْتَحَهٗ کُلَّمَا خَتَمَهٗ حَتّٰی لَا یَکُوْنَ کَهَیْئَةِ الْمَهْجُوْرِ وَلِذَالِكَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِذَا خَتَمَ الْقُرْاٰنَ یَقْرَاُ مِنْ اَوَّلِ الْقُرْاٰنِ قَدْرَ خَمْسِ اٰیَاتٍ لِئَلَّا یَکُوْنَ فِیْ هَیْئَةِ الْمَهْجُوْرِ (تفسیر قرطبی)

ترجمہ :- اور قرآن مجید کے آداب عظمت میں سے ایک یہ ہے کہ جب قرآن مجید ختم کرے تو پھر اس کو ابتداء ہی سے دوبارہ شروع کر دے تاکہ یہ نہ سمجھا جائے کہ قرآن سے تعلق ختم ہو گیا ہے۔ چنانچہ اسی بناء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب قرآن مجید ختم کرتے تو اس کے ساتھ ہی سے پانچ آیتیں پڑھتے تھے۔

تشریح :- امام سیوطی تفسیر اتقان ج۱ پر فرماتے ہیں :- ایک ختم سے فارغ ہوتے ہی دوسرا ختم شروع کر دینا مسنون ہے۔ اس کی بابت ترمذی کی یہ حدیث سند قرار دی گئی ہے کہ خدا تعالے کے نزدیک سب سے بڑھ کر پسندیدہ کام اس شخص کا ہے جو قرآن کو شروع سے آخر تک پڑھتا ہے اور جب اس کے خاتمہ پر پہنچتا ہے تو پھر اس کا آغاز کرتا ہے۔

نیز دارمیؒ نے سند حسن کے ساتھ حضرت ابی بن کعبؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب قل اعوذ برب الناس پڑھ چکتے تو الحمد سے شروع کر دیتے اور اس کو پڑھ لینے کے بعد سورۃ بقرہ میں سے بھی اولئك هم المفلحون تک قرأت فرماتے اور اس کے بعد ختم قرآن کی دعا فرما کر اٹھتے تھے۔ انتہٰی

اور امام نوویؒ اذکار ص۸۳ پر نقل فرماتے ہیں کہ حضرت انس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا خیر الاعمال الحل والرحلة - یعنی بہترین عمل اترنا اور سفر کرنا ہے - پوچھا گیا کہ اترنے اور سفر کرنے سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا

قرآن کا ختم کرنا اور پھر شروع کرنا۔ انتہٰی

اور امام زرکشی البرہان فی علوم القرآن ص۴۷۱ ج۱ پر مندرجہ بالا حدیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ حدیث میں بار بار ختم کرنے کی ترغیب دی گئی ہے کہ ختم بعد ختم قرآن تسلسل سے ہوتا رہے۔

فائدہ :- مذکورہ احادیث سے معلوم ہوا کہ نبی علیہ السلام نے اس طرح ختم کرنے کو افضل الاعمال اور احب الاعمال فرمایا ہے اور اس عمل سے کثرت تلاوت اور اس کی مداومت کی طرف ترغیب دلانا مقصود ہے۔

اور تفسیر روح البیان کے بالکل خاتمہ پر علامہ اسماعیل حقیؒ فرماتے ہیں : وروی عن ابن کثیر انه کان اذا انتهی الی اخر لختمة الی قل اعوذ برب الناس قراء سورة الحمد لله رب العالمین وخمس ایات من اول سورة البقرة علی عدد الکوفی وهو الی واولئك هم المفلحون لان هذا یسمی الحال المرتحل ومعناه انه حل فی قراءته اخر الختمة وارتحل الی ختمة اخری ارغاما للشیطان - وصار العمل علی هذا فی امصار المسلمین فی قراءة ابن کثیر وغیره۔

ترجمہ :- ابن کثیر قاری سے مروی ہے کہ آپ جب قرآن مجید ختم کرتے تھے تو سورۃ والناس کے بعد سورۃ فاتحہ اور سورہ بقرہ کی ابتدائی پانچ آیتیں اولئك هم المفلحون تک پڑھا کرتے تھے اور اسکو حال مرتحل کہتے ہیں۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ قاری قرآن پڑھنے میں ختم قرآن تک لگا رہا اور اب اس نے شیطان کو ستانے کے لیے دوسرے قرآن مجید کے ختم کرنے کی تیاری شروع کر دی ہے اور تمام ممالک اسلامیہ میں مسلمانوں کا یہی عمل ہے۔

مسئلہ : اسی بناء پر فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ جو شخص نماز میں قرآن مجید ختم کرے تو معوذتین پڑھنے کے بعد رکوع کرے اور دوسری رکعت میں سورۃ فاتحہ اور سورۃ بقرہ کے شروع سے المفلحون تک پڑھے کیونکہ حال مرتحل (یعنی اس قرآن کریم کے ختم کرنے والے) کو حضورؐ نے خیر الناس فرمایا ہے۔

(در مختار مع رد المحتار ج۱ مطبوعہ مصر طبع جدید)

ادب نمبر۴۴

عظمت قرآن مجید

وَيُعَظِّمَهُ فَوَرَدَ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۔ وَوَرَدَ فِي الْحَدِيْثِ مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ فَرَاٰى اَنَّ اَحَدًا اُوْتِيَ اَفْضَلَ مِمَّا اُوْتِيَ فَقَدِ اسْتَصْغَرَ مَا عَظَّمَهُ اللّٰهُ

(عین العلم مع زین الحلم صہ ۸۸ ج ۱)

ترجمہ :۔ قرآن مجید کا حق تلاوت یہ ہے کہ قرآن مجید کی عظمت کو ملحوظ خاطر رکھے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تو اس کو دیکھتا کہ اللہ کے خوف سے دب جاتا پھٹ جاتا۔ اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ جس کو قرآن شریف پڑھنے کی سعادت نصیب ہو اور وہ یہ خیال کرے کہ اس سے کہیں بہتر وہ دولت جو کسی دوسرے شخص کو دی گئی ہے تو اسے معلوم ہونا چاہیئے کہ اس نے اللہ کی کتاب کی توہین کی جس کے رتبے کو اللہ تعالےٰ نے بڑھایا ہے۔

تشریح :۔ حق تلاوت میں سے ایک حق جو دل سے تعلق رکھتا ہے یہ ہے کہ سب سے پہلے قرآن مجید کی عظمت اور علوشان کو خیال میں لانا چاہیئے کہ یہ اس خدائے پاک کا کلام اور اس کی صفت ہے جو سارے بادشاہوں کا بادشاہ اور صاحب عظمت وجلال ہے۔ صوفیاء کرام نے لکھا ہے کہ قرآن مجید کا ایک ایک حرف لوح محفوظ میں کوہ کاف سے بھی بڑا ہے حتیٰ کہ اگر سارے فرشتے بھی مل کر اُٹھانا چاہیں تو نہیں اُٹھا سکتے۔ (احیاء العلوم ص ج ۱)

اور علامہ اسماعیل حقی آفندی تفسیر روح البیان صہ ۱۰ ج ۵ پر لکھتے ہیں :۔ کسی قاری کے متعلق منقول ہے کہ وہ انتہائی تنگدستی اور افلاس کی وجہ سے سخت پریشان حال تھا۔ اس نے خواب میں ایک شخص کو کہتے ہوئے سُنا کہ کیا اس بات پر راضی ہے کہ تجھے سورۃ انعام بھلادی جائے اور اس کے بدلے میں تجھے ہزار دینار کا عطیہ دیا جائے۔ تو اس قاری نے نفی میں جواب دیا۔ پھر کہنے والے نے کہا کہ سورۃ ہود کے بھلانے پر وہ عطیہ منظور ہے؟

قاری نے کہا نہیں۔ پھر کہنے والے نے کہا کہ سورۃ یوسف کے بھلانے پر وہ عطیہ منظور ہے؟ قاری نے کہا نہیں۔ تو اس کہنے والے نے کہا کہ تیرے پاس تو لاکھ دینار مالیت کی چیز ہے اور تو شکوہ کر رہا ہے۔ پس جب وہ بیدا ہوا تو اس کی ذہنی پریشانی دُور ہو چکی تھی اور وہ فرخندہ بال اور مسرور تھا۔

حکی عن بعض القراء انه اشتد به الفقر حتی ضاق به ذرعاً فرأی فی المنام کان قائلاً یقول له اتورانا انسیناک سورة الانعام ولک الف دینار قال لا قال فسورة هود قال لا قال فسورة یوسف قال لا قال فمعک قیمة مائة الف وانت تشکو فاصبح وقد سری عنه ۔ اھ (روح البیان صہ ۱۰ ج ۵)

اور مُلا علی قاری زین الحلم صہ ۸۸ ج ۱ پر اس ادب کی شرح میں لکھتے ہیں :۔

(وَيُعَظِّمُهُ) ای کما کان عکرمة بن ابی جهل اذا نشر المصحف غشی علیه ۔ ویقول هو کلام ربی هو کلام ربی ۔ اھ

یعنی قرآن کی عظمت کو ملحوظ خاطر رکھے۔ جیسے حضرت عکرمہؓ جب قرآن مجید کو کھولتے تھے تو غش کھانے لگتے تھے اور کہتے تھے یہ تو میرے پروردگار کا کلام ہے، یہ تو میرے پروردگار کا کلام ہے۔ انتہیٰ

ادب نمبر ۴۵

قرآنی سورتوں کو چھوٹا بڑا کہنا

وَمِنْ حُرْمَتِهٖ اَلَّا يُقَالَ سُوْرَةٌ صَغِيْرَةٌ اَوْكَبِيْرَةٌ وَكَرِهَ اَبُوالْعَالِيَةِ اَنْ يُّقَالَ هٰكَذَا وَقَالَ لَهَا اَنْتَ اَصْغَرُ مِنْهَا وَاَمَّا الْقُرْاٰنُ فَكُلُّهٗ عَظِيْمٌ ذَكَرَهٗ مَكِّيٌّ (قرطبی)

ترجمہ :- اور قرآن کی آداب عظمت میں سے ایک یہ ہے کہ اس طرح نہ کہا جائے کہ یہ سورۃ چھوٹی یا بڑی ہے اور اس طرح کہنے کو ابو العالیہ ناپسند سمجھتے تھے اور آپ نے جب اس طرح کہنے والے سے یہ بات سُنی۔ تو ڈانٹتے ہوئے فرمایا تُو تو اس سے بھی بہت چھوٹا ہے اور قرآن تو تمام کا تمام بڑا اور عظیم المرتبت ہے۔ اس مسئلہ کو مکی نے بیان کیا۔

تشریح :- اس ادب کے نقل کرنے کے بعد امام قرطبی فرماتے ہیں کہ اس کی معارض وہ حدیث ہے جو ابو داؤد نے بروایت عمرو بن شعیب نقل کی ہے کہ عمرو بن شعیب نے اپنے باپ سے اور اُنھوں نے اپنے دادا سے روایت کی ہے کہ وہ فرماتے تھے۔ میں نے مفصل کی چھوٹی بڑی سُورت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا۔ جبکہ آپ لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے۔

(انتہیٰ)

ادب نمبر ۴۶

قرآن کریم کو بوسہ دینا

يُسْتَحَبُّ تَقْبِيْلُ الْمُصْحَفِ لِاَنَّ عِكْرِمَةَ كَانَ يُقَبِّلُهٗ وَبِالْقِيَاسِ عَلٰى تَقْبِيْلِ الْحَجَرِ الْاَسْوَدِ وَلِاَنَّهٗ هَدِيَّةٌ لِلْعِبَادِ فَشُرِعَ تَقْبِيْلُهٗ كَمَا يُسْتَحَبُّ تَقْبِيْلُ الْوَلَدِ الصَّغِيْرِ (برہان للزرکشی صہ ۴۷۸ ج ۱)

ترجمہ :- اور قرآن مجید کا چومنا مستحب ہے۔ اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت عکرمہؓ قرآن مجید کو چُومتے تھے اور حجرِ اسود کے چُومنے پر قیاس کرتے ہوئے اس کا چومنا مستحب ہے اور اس لیے بھی کہ آپ بندوں کے پاس اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک تحفہ ہے۔ پس اس کے چُومنے کی مشروعیت اور استحباب بھی ویسا ہے جیسے معصوم بچے کا چُومنا مستحب ہے۔

تشریح :- اور مجمع الانہر شرح ملتقی البحر صہ ۲ ج ۲ میں ہے :- وکذا لاباس بقبلۃ المصحف لان ابن عمرؓ کان یاخذ المصحف کل غداۃ ویقبلہ ویقول عہد ربی ومنشور ربی عزوجل کما فی القنیۃ ۔ انتہیٰ۔ ترجمہ :- اور قرآن مجید کے بوسہ دینے میں کوئی حرج نہیں۔ اس لیے کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ ہر صبح قرآن مجید لے کر اُسے بوسہ دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ میرے پروردگار کا شاہی فرمان ہے۔

اور رد المحتار صہ ۳۸۴ ج ۶ مصری بطبع جدید میں مجمع الانہر کی مذکورہ بالا عبارت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں :- وکان عثمان رضی اللہ عنہ یقبل المصحف ویمسحہ علی وجہہ اھ اور حضرت عثمانؓ بھی قرآن مجید کو بوسہ دیتے تھے اور اپنے چہرے سے لگاتے تھے۔

پس معلوم ہُوا کہ قرآن مجید کو بوسہ دینا اور سر و چشم پر رکھنا امر مستحب ہے۔

(انتہیٰ)

ادب نمبر ۷۴

قرآن مجید کی طرف پاؤں دراز کرنا

وَیُکْرَہُ مَدُّ الرِّجْلَیْنِ اِلٰی شَیْئٍ مِنَ الْقُرْآنِ اَوْکُتُبِ الْعِلْمِ

(البرہان للزرکشی صہ ۴۷۸ ج ۱)

ترجمہ :- قرآنی اجزاء اور دینی کتب کی طرف پاؤں دراز کرنا مکروہ ہے۔

تشریح :- بعض لوگ قرآن مجید کو پُشت کی طرف یا اپنی نشست کی جگہ سے نیچے یا مبتذل جگہ رکھ دیتے ہیں یا اس کی طرف پاؤں دراز کرنے میں باک محسوس نہیں کرتے۔ یہ سب خلافِ ادب ہیں۔ اس ادب کا خاص خیال رکھنا چاہیئے۔

احترامِ قرآن کی برکات

احترام قرآن کے متعلق سُلطان محمُود غزنوی کا ایک واقعہ :- حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ محمود غزنوی کو ان کی وفات کے بعد خواب میں دیکھا، تو اُن سے دریافت کیا کہ اللہ سبحانہ وتعالےٰ کو کیسا پایا تو جواب میں فرمایا کہ اللہ تعالےٰ کو بڑا رحیم و مہربان پایا۔ حضرت خواجہ صاحب نے پُوچھا وہ کیسے؟ تو محمود غزنویؒ نے عرض کیا کہ ایک رات مَیں کسی قصبہ میں تھا اور جس مکان میں قیام کیا وہاں طاق میں قرآن مجید کا ایک ورق پڑا ہُوا تھا۔ مَیں نے خیال کیا کہ یہاں سونا مناسب نہیں۔ پھر خیال آیا کہ ورق کو کہیں اور رکھوا دوں اور خود آرام کروں۔ پھر سوچا کہ یہ بڑی بے ادبی ہوگی کہ محض اپنے آرام کی خاطر ورق مقدس کو کسی دُوسری جگہ رکھوا دوں۔ پس اس ورق کو وہیں رہنے دیا اور اس کے احترام میں تمام رات جاگتا رہا۔ پس مَیں نے جو کلام پاک کا ادب کیا۔ اس کے بدلے پروردگار نے مجھے بخش دیا ہے اور میری مغفرت فرمادی ہے۔

(بزم صوفیہ مطبوعہ ندوۃ المصنفین)

۲ - احترامِ قرآن کا ایک اور واقعہ

علامہ شہاب خفاجی نسیم الریاض شرح شفاء صہ ۴۴۸ ج ۱ پر لکھتے ہیں :-

وقد ضُیِّفَ بعض المشائخ بعض الامراء وھیّأ لہ محلاً ینام فیہ فلما دخل وجد فیہ مصحفا فلم یزل قائماً علی قدمیہ الی الصباح۔ فلما اتا رب المنزل راٰہ قائماً۔ فقال لہٗ لم لا تجلس۔ فقال لہ کیف اجلس او انام فی محل فیہ کلام اللہ فقال من عظم اللہ تعالےٰ عظمہ۔ فلم یمض زمن حتی صار سلطاناً۔ وھالک الملک یؤتیہ من یشاء۔ انتہیٰ

ترجمہ :- بعض مشائخ نے کسی امیر (والئی) کی ضیافت کی اور اس کے لیے ایک خوابگاہ کا اہتمام کیا۔ جب وہ مہمان اس قیام گاہ میں استراحت کے لیے داخل ہُوا۔ تو اس کی نظر قرآن مجید پر پڑی۔ رات بھر وہ (احتراماً) پاؤں پر کھڑا رہا۔ صبح کو جب میزبان مالکِ مکان اس منزل میں داخل ہُوا تو مہمان کو کھڑا پایا۔ پُوچھا آپ بیٹھتے کیوں نہیں۔ تو اس امیر نے کہا مَیں اس مکان میں کس طرح بیٹھ سکتا ہوں جس میں خدا تعالےٰ کا کلام (قرآن مجید) موجود ہو۔ تو اس بزرگ نے فرمایا جس نے اللہ تعالےٰ کی عظمتِ شان وکبریائی کو ملحوظ رکھا۔ اللہ تعالےٰ اس کو عظمت سے نوازا کرتے ہیں۔ پس کچھ ہی وقت گزرا تھا کہ وہ امیر اس ملک کے تاج وتخت کا مالک ہو گیا اور مالک الملک جس کو چاہیں سلطنت سے نوازتے ہیں۔

۳ - احترامِ قرآن کا تیسرا واقعہ

شیخ اسماعیل حقی آفندی تفسیر روح البیان صہ ۴۸۹ ج ۵ سورۃ انبیاء میں لکھتے ہیں :-

حکی ان عثمان الغازی جد السلاطین العثمانیہ انما وصل الی ما وصل برعایۃ کلام اللہ تعالےٰ وذالک انہ من کان اسخیاء زمانہ ببذل النعم للمترددین فثقل ذالک علی اھل قریۃ وانکروا علیہ فذھب لیشتکی من اھل القریۃ الی الحاجی بکتاش اوغیرہ من الرجال فنزل ببیت رجل قد علق فیہ مصحف فسأل عنہ فقالوا ھو کلام

الله تعالیٰ فقال لیس من الادب ان نقعد عند کلام الله فقام وعقد یدیه مستقبلا الیه فلم یزل الی الصبح فلما اصبح ذھب الی طریقه فاستقبله رجل فقال انا مطلبك ثم قال له ان الله تعالیٰ عظمك واعطاك وذریتك السلطنة بسبب تعظیمك لکلامه ثم امر بقطع شجرة وربط رأسها بمندیل وقال فلیکن ذالك لواء ثم اجتمع عنده جماعة فجعل اول غزواته الیٰ بلجك وفتح بعنایة الله تعالیٰ ثم اذن له السلطان علاؤالدین فی الظاھر ایضًا فصار سلطانا ۔ اھ

ترجمہ :۔ بیان کیا گیا ہے کہ سلاطین ترکیہ کے جد امجد عثمان غازی قرآن مجید کے ادب واحترام کی وجہ سے عروج کے ان مراتب پر پہنچا جن پر وہ فائز رہا اور واقعہ یہ ہُوا کہ وہ اپنے دَور کا بہت بڑا سخی انسان تھا۔ آنے جانے والوں کی خاطر ومدارات پر فراخ دلی سے خرچ کیا کرتا تھا اور اس کے بستی والوں کو یہ بات ناگوار گزرتی تھی اور وہ اس پر نکتہ چینی کیا کرتے تھے۔ پس وہ حاجی بکتاش یا کسی اور شخص کے پاس اپنے بستی والوں کی شکایت کے لیے گھر سے چلا۔ راستہ میں وہ ایک شخص کے پاس ٹھہرا اور وہاں اس کمرہ میں اس کو قرآن مجید لٹکا ہُوا نظر آیا تو اس نے دریافت کیا کہ یہ کیا ہے؟ گھر والوں نے کہا کہ یہ خدا تعالےٰ کا کلام ہے تو وہ کہنے لگا کہ یہ ادب کے خلاف ہے کہ ہم قرآن مجید کی موجودگی میں بیٹھیں۔ چنانچہ وہ اس کی طرف رُخ کرتے ہوئے صبح تک دست بستہ کھڑا رہا۔ پس جب صُبح ہوئی اور وہ اپنی منزل کی طرف چلنے لگا۔ تو راستہ میں ایک شخص سامنے آیا اور کہنے لگا میں تمہارا مقصود ہوں اور تجھے یہ مُعلوم ہونا چاہیئے کہ قرآن مجید کی تعظیم کے باعث اللہ تعالےٰ نے تجھ کو عظمت بخشی ہے اور تجھ کو اور تیری اولاد کو سلطنت مرحمت فرمائی ہے اور تو درخت سے ایک ڈنڈا کاٹ کر اس کے سر پر رومال باندھ دے۔ یہی تیرا جھنڈا ہوگا۔ چنانچہ لوگ اس کے پاس جمع ہونا شروع ہوئے اور وہ سب سے پہلے بلجک کی طرف جہاد کے لیے نکلا۔ اللہ تعالےٰ نے اس کو اپنی تائید غیبی سے فتح یاب فرمایا۔ بعد ازاں سلطان علاؤالدین کی رضامندی سے وہ مُلک کا بادشاہ ہوگیا۔ انتہیٰ

یہ ہیں احترام قرآن کی دنیوی واُخروی برکات۔

مسئلہ :۔ مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر ص۲۲۲ ج۱ مطبوعہ استنبول میں ہے :۔

ویکرہ ان یمد رجلیه فی النوم وغیرہ نحو القبلة او المصحف او کتب الفقه الا ان یکون علیٰ مکان مرتفع عن المحاذات۔ اھ (ہکذا فی بریقہ محمودیہ ص۱۳۶ ج۴)

ترجمہ :۔ نیند یا بیماری کی حالت میں قبلہ شریف اور قرآن مجید اور کتب فقہ کی طرف پاؤں دراز کرنا مکروہ ہے۔ مگر جبکہ محاذی ومقابل ہونے سے بلند جگہ پر ہوں۔

مسئلہ :۔ اور علامہ رافعی مصری تحریر المختار علی رد المحتار ص۱۴ ج۱ پر خامہ فرسا ہیں :۔

اذا اعتاد مد الرجل الیها فلا تقبل شھادته لان الصغیرة تکون کبیرة بالمداومة ۔ اھ

ترجمہ :۔ قبلہ شریف کی طرف پاؤں دراز کرنے کا عادی شرعًا مردود الشہادۃ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ صغیرہ گناہ اصرار اور مداومت سے کبیرہ ہو جاتا ہے (اور مرتکب کبیرہ شریعت کی اصطلاح میں فاسق کہلاتا ہے۔)

فائدہ :۔ اور یہ معلوم رہے کہ قرآن مجید کعبہ شریف سے بدرجہ افضل ہے۔

(انتہیٰ)

ادب نمبر ۴۸

قرآن مجید پر ٹیک لگانے کی ممانعت

وَمِنْ حُرْمَتِہٖ اَلَّا یَتَوَسَّدَ الْمُصْحَفَ وَلَا یَعْتَمِدُ عَلَیْہِ وَلَا یَرْمِیْ بِہٖ اِلٰی صَاحِبِہٖ اِذَا اَرَادَ اَنْ یُّنَاوِلَہٗ۔ (قرطبی)

ترجمہ :۔ اور قرآن مجید کے آدابِ عظمت میں سے ایک یہ ہے کہ قرآن مجید کو تکیہ نہ بنائے اور نہ ہی اس پر ٹیک لگائے اور نہ ہی اس کو اس شخص کی طرف پھینکے جو اس کو ہاتھ بڑھا کر لینا چاہتا ہو۔

تشریح :۔ امام زرکشیؒ البرہان فی علوم القرآن ص۴۷۸ ج۱ پر فرماتے ہیں :۔

ویحرم توسد المصحف وغیرہ من کتب العلم لان فیہ اذلالاً امتہاناً ۔ اھ

قرآن مجید اور دیگر مذہبی کتابوں پر تکیہ اور ٹیک لگانا حرام ہے کیونکہ اس فعل سے قرآن کی توہین اور بے حرمتی ہوتی ہے۔

مسئلہ :۔ حفاظت کی نیت سے قرآن مجید کا سر کے نیچے رکھنا درست ہے ورنہ مکروہ تحریمی ہے چنانچہ اتحاف الابصار والبصائر بتبویب الاشباہ والنظائر ص۳۶۸ پر علامہ شیخ محمد ابو الفتح حنفی مفتی فرماتے ہیں :۔ وضع المصحف تحت الرأس مکروہ الا لاجل الحفظ۔

اور علامہ حصکفی درمختار میں فرماتے ہیں :۔ ویکرہ وضع المصحف تحت رأسہ الا للحفظ اھ

مسئلہ :۔ تفاسیر اور دیگر کتب شرعیہ کا بھی یہی حکم ہے کہ بغرض حفاظت سر کے نیچے رکھنا تو درست ہے ورنہ مکروہ ہے۔ چنانچہ علامہ ابن عابدین رد المحتار ص۱۷۸ ج۱ پر فرماتے ہیں :۔

وھل التفسیر والکتب الشرعیۃ کذالک؟ اقول الظاھر نعم کما تفیدہ التالیۃ ثم رأیت فی کراھیۃ العلامی ۔ اھ

اور بریقہ محمودیہ شرح طریقہ محمدیہ ص۱۹۷ ج۴ پر ہے :۔ ومنھا توسد الکتب الشرعیۃ کالتفسیر والحدیث والفقہ قیل وآلاتھا من غیر قصد الحفظ۔ لما فی ذالک التوسد

من الاھانۃ وعدم الاحترام ۔ یعنی گناہوں کی باتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کتبِ شرعیہ مثلاً تفسیر و حدیث و فقہ وغیرہ پر ٹیک لگائی جائے اور اُن کو تکیہ اور وِسادہ بنایا جائے۔ جبکہ بقصدِ حفاظت نہ ہو۔ کیونکہ اس سے ان کتبِ شرعیہ کی توہین اور بے حُرمتی لازم آتی ہے۔

(ھکذا فی الحدیقۃ)

مسئلہ :۔ چرمی یا کپڑے کے تھیلے پر ٹیک لگانا یا سر کے نیچے رکھنا جس میں احادیث اور سیرت وغیرہ کی کتابیں ہوں بقصدِ حفاظت تو درست ہے ورنہ مکروہ ہے۔

چنانچہ طریقہ محمدیہ ص۲۹۷ ج۲ پر ہے :۔ وفی الخلاصۃ ومن توسد خریطۃ فیھا اخبار النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان قصد الحفظ لایکرہ وان لم یقصد یکرہ ۔ اور علامہ شیخ عبد الغنی نابلسی حدیقہ الندیہ ص ج۲ پر اس کی شرح میں لکھتے ہیں :۔ ان قصد الحفظ لتلک الخریطۃ من السرقۃ بان نام فی مسجد ونحوہ ووضعھا تحت رأسہ لایکرہ لہ ذالک وان لم یقصد الحفظ بل کان قصدہ التوسد یکرہ لہ ذالک ۔ اھ

مسئلہ :۔ قرآن مجید کے آدابِ عظمت میں سے ایک یہ بھی ہے کہ قرآن مجید کا لینا اور دینا دائیں ہاتھ سے ہونا چاہیئے کیونکہ تمام شریف کام مثلاً قرآن مجید اور کتب شرعیہ کا لینا اور کھانا پینا یہ سب دائیں ہاتھ سے متعلق ہیں۔ لہٰذا بائیں ہاتھ کو ان مواقع پر بلاعذر استعمال نہ کرنا چاہیئے۔

چنانچہ امام برکلیؒ طریقہ محمدیہ ص۲۴۱ ج۲ پر فرماتے ہیں :۔ فان الیمین للامور الشریفۃ ۔ کاخذ المصحف والکتب والاکل والشرب ۔ اھ

فائدہ :۔ علامہ خادمی نے بریقہ محمودیہ شرح طریقہ محمدیہ ص۸۵ ج۴ پر امام نووی کے حوالہ سے ان تمام مواقع کو بیان کیا ہے جن میں تیامن (دائیں جانب سے شروع کرنا) مستحب ہے۔

⁂

ادب نمبر ۹۴

قرآن مجید کا منشور چھوڑنا یا کسی اور چیز کا اس پر رکھنا

وَمِنْ حُرْمَتِهٖ اِذَا وَضَعَ الصَّحِيْفَةَ اَلَّا يَتْرُكَهٗ مَنْشُوْرًا وَّلَا يَضَعَ فَوْقَهٗ شَيْئًا (تفسیر قرطبی)

ترجمہ :- اور قرآن مجید کے آدابِ عظمت میں سے ایک یہ ہے کہ جب قرآن مجید رکھے تو اس کو کھلا ہوا نہ چھوڑے اور نہ ہی اس پر کسی اور چیز کو رکھے۔

تشریح :- جب قرآن مجید کو رکھے تو اس کو کھلا ہوا نہ چھوڑے۔ بلکہ اس کو بند کر کے کسی قابلِ احترام جگہ پر رکھے۔ بعض اشخاص قرآن مجید کی تلاوت کرتے کرتے جب کسی مختصر کام کے لیے اُٹھتے ہیں اور ان کا واپس آکر پڑھنے کا ارادہ ہوتا ہے تو وہ قرآن مجید کو کھلا چھوڑ جاتے ہیں۔ یہ طریقہ بھی ادب و احترام کے خلاف ہے۔ نیز بعض لوگ قرآن مجید پر کوئی کتاب یا ٹوپی یا قلم دوات وغیرہ رکھ دیتے ہیں یا قرآن مجید میں دوسرے رسائل کاغذات یا غلاف میں قرآن مجید کے اُوپر عینک وغیرہ رکھ دیتے ہیں۔ یہ سب باتیں خلافِ ادب ہیں۔

قرآن مجید پر کسی مذہبی کتاب کا رکھنا

علامہ آلوسی اپنی مشہور تفسیر روح المعانی ص ۱۳۴ جزء ۲۷ سورہ واقعہ میں بسلسلہ آدابِ قرآنی بیان فرماتے ہیں :-

وَاَنْ لَّا يضع غيرهٗ من الكتب السماوية وغيرها فوقهٗ ۔ یعنی قرآن مجید پر نہ تو آسمانی کتابوں (تورات، انجیل وغیرہ) میں سے کسی کتاب کو رکھے اور نہ ہی کسی دوسری چیز کو۔

اسلامی کتابیں رکھنے کی باہمی ترتیب

علامہ حصکفی در مختار میں اس ترتیب کو یوں بیان کرتے ہیں :-

ويوضع النحو ثم التعبير ثم الكلام ثم الفقه ۔ ثم الاخبار والمواعظ ثم التفسير۔

ترجمہ :- (صندوق وغیرہ میں) اوّلاً صرف و نحو کی کتابیں رکھی جاویں۔ پھر ان کے اوپر تعبیر خواب کی کتابیں، پھر اُن کے اُوپر علم عقائد کی کتابیں، پھر ان کے اُوپر کتبِ فقہ اور پھر اُن کے اوپر احادیث اور مواعظ کی کتب پھر اُن کے اُوپر تفاسیر رکھی جاویں۔

اور علامہ ابن عابدین شامی ردالمحتار میں فرماتے ہیں کہ لغت کی کتابیں علم نحو کی کتابوں کے حکم میں ہیں اور فرماتے ہیں :-

وزاد الرملي عن الحاوي والمصحف فوق الجميع ۔ (ردالمحتار ج ۱ ص ۱۲۰ الطبع جدید)

یعنی قرآن مجید کو تمام کتابوں کے اُوپر رکھا جائے۔ انتہیٰ

ادب نمبر ۵۰

قرآن حکیم کی زیارت

وَمِنْ حُرْمَتِهٖ اَلَّا يَخْلِيَ يَوْمًا مِنْ اَيَّامِهٖ مِنَ النَّظَرِ فِي الْمُصْحَفِ مَرَّةً (قرطبی)

ترجمہ:- اور قرآن مجید کے آدابِ عظمت میں سے ایک یہ ہے کہ کوئی دن بھی اس کی زندگی کا قرآن مجید میں ایک بار دیکھنے اور نظر کرنے سے خالی نہ گزرے۔

تشریح:- قرآن مجید میں صرف دیکھنا بھی عبادت اور موجبِ ثواب ہے۔ چنانچہ امام زرکشیؒ البرہان فی علوم القرآن صـ۴۶۳ ج۱ پر بحوالہ ابوداؤد حضرت عائشہؓ سے روایت نقل کرتے ہیں: وروی ابوداؤد بسندہ عن عائشۃؓ مرفوعاً۔ النظر الی الکعبۃ عبادۃ والنظر فی وجہ الوالدین عبادۃ۔ والنظر فی المصحف عبادۃ۔ ترجمہ:- ابوداؤد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً روایت نقل کی ہے کہ: (۱) کعبہ شریف کی طرف دیکھنا (۲) والدین کے چہرے کو دیکھنا (۳) قرآن مجید میں نظر کرنا۔ عبادت اور موجبِ ثواب ہے۔

نیز امام موصوف البرہان صـ۴۶۱ ج۱ پر نقل فرماتے ہیں:-

وذکر ان الاکثرین من الصحابۃ کانوا یقرؤن فی المصحف ویکرھون ان یخرج یوم ولم ینظروا فی المصحف۔

یعنی اکثر صحابہ کرامؓ مصحف میں دیکھ کر تلاوت کیا کرتے تھے اور اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ کوئی دن قرآن مجید کے دیدار سے خالی گزر جائے۔

(انتہا)

ادب نمبر ۵۱

قرآن مجید کی موجودگی میں جماع کی ممانعت

وَاَنْ لَّا يُجَامِعَ بِحَضْرَتِهٖ فَاِنْ اَرَادَهٗ سَتَرَهٗ

(روح المعانی صـ ســورۃ واقعہ)

ترجمہ:- اور قرآن مجید کے آدابِ عظمت میں سے ایک یہ ہے کہ اگر قرآن مجید مکان میں موجود ہو تو (اس کے احترام کی وجہ سے) اپنی اہلیہ سے ہم بستری نہ کرے۔ اگر ایسا کرنا ہی چاہے تو قرآن مجید کو ڈھانپ دے۔

تشریح:- پہلے یہ بیان ہو چکا ہے کہ قرآن مجید کا درجہ خانہ کعبہ سے بڑا ہے تو اس کا ادب و احترام بھی کعبہ شریف سے بڑھ کر ہوگا۔ پس اس کی موجودگی میں مقاربت و مجامعت سے احتراز کیا جائے۔ چنانچہ سید نعمان آفندی آلوسی زادہ اپنی کتاب غالیۃ المواعظ پر فرماتے ہیں: ویکرہ الجماع بحضورہ۔ یعنی قرآن کی موجودگی میں جماع کرنا مکروہ ہے۔

اور علامہ حصکفیؒ درمختار میں فرماتے ہیں یجوز قربان المرأۃ فی بیت فیہ مصحف مستور۔ یعنی جس گھر میں قرآن مجید ہو۔ اس میں اہلیہ سے صحبت کرنا جائز ہے جبکہ قرآن پر پردہ پڑا ہو۔ (درمختار مع ردالمحتار صـ۱۷۸ ج۱ الطبع جدید مصری)

مگر علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں:-

اقول وعبارۃ الخانیۃ۔ ولا بأس بالخلوۃ والمجامعۃ فی بیت فیہ مصحف لان بیوت المسلمین لا تخلو من ذالک۔

(ردالمحتار صـ۱۷۸ ج۱)

ترجمہ:- فتاویٰ قاضیخان میں ہے کہ جس گھر میں قرآن مجید رکھا ہو، اس گھر میں اپنی اہلیہ کے ساتھ خلوت صحیحہ اور مجامعت کی (دفعاً للحرج) اجازت ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کے گھر

عموماً قرآن مجید سے خالی نہیں ہوتے۔

نیز علامہ حصکفیؒ دُرِ مختار کتاب الحظر والاباحت میں فرماتے ہیں۔ لا بأس بالجماع فی بیت فیہ مصحف للبلوی۔ یعنی جس گھر میں قرآن مجید رکھا ہو، اس گھر میں مجبوری کے پیشِ نظر جماع کرنے کی اجازت ہے۔

اور علامہ ابنِ عابدین شامیؒ رَدُّالمحتار میں اس قول کی شرح میں لکھتے ہیں:۔

قیدہ فی القنیۃ بکونہ مستوراً۔ وان حمل مافیھا علی الاولویۃ ذال التنافی اھ (ردالمحتار ص۲۴۳ ج۶ بطبع جدید مصری)

ترجمہ:۔ قنیہ میں اس اجازت کو مقید کیا گیا ہے۔ یعنی یہ جب ہی درست ہے جبکہ قرآن مجید پر پردہ پڑا ہو۔ اور علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ اگر قنیہ کے بیان کو افضلیت پر محمول کیا جائے تو پھر تعارض باقی نہ رہے گا۔

بہرحال قرآن مجید کے ادب واحترام کے پیشِ نظر اس وقت قرآن مجید کو مستور اور در پردہ ہی کر دینا چاہیئے۔

ادب نمبر ۵۲

آیات قرآنی کو در و دیوار پر لکھنے کی ممانعت

وَمِنْ حُرْمَتِہٖ اَلَّا یُکْتَبَ عَلَی الْاَرْضِ وَلَا عَلٰی حَائِطٍ کَمَا یُفْعَلُ بِہٖ فِی الْمَسَاجِدِ الْمُحْدَثَۃِ (تفسیر قرطبی)

ترجمہ:۔ اور قرآن مجید کے آدابِ عظمت میں سے ایک یہ ہے کہ اس کی آیات کو زمین پر یا دیوار پر نہ لکھا جائے جس طرح آج کل مساجد میں لکھنے کا رواج ہے۔

تشریح:۔ قرآن مجید کو در و دیوار پر لکھنا یا برتن اور لباس وغیرہ کو اس سے مزین کرنا (خواہ تبرک ہی کے خیال سے کیوں نہ ہو) مکروہ ہے۔ چنانچہ علامہ شامی فرماتے ہیں: ولا ینبغی الکتابۃ علی جدرانہ ای خوفاً من ان تسقط وتوطأ بحرعن النہایۃ۔

(ردالمحتار مطبوعہ بیروت لبنان ص۴۶۵ ج۱۔)

اور بریقہ محمودیہ شرح طریقہ محمودیہ ص۱۸ ج۴ پر سید العارفین علامہ خادمی فرماتے ہیں:

وکرہ کتابۃ علی الحیطان والرخام والارض مکان النقوش لمظان السقوط تحت الاقدام اھ

ترجمہ:۔ در و دیوار سنگِ مرمر اور زمین پر آیاتِ قرآنی کا لکھنا مکروہ ہے کہ وہ آیات نوشتہ مبادا گر کر پاؤں کے نیچے روندی جائیں۔

اور علامہ شیخ عبدالغنی نابلسیؒ طریقہ محمدیہ کے شرح الحدیقۃ الندیۃ ص۴۳۱ ج۲ پر لکھتے ہیں:

و فی الشرعۃ و شرحھا ویکرہ کتابۃ القرآن علی الجدران وعلی الارض مکان النقوش والزخارف فانہ تہاون بالقرآن المجید و فی البزازیۃ کتابۃ القرآن علی الحیطان والمحاریب لیس بمستحسن لانہ ربما یسقط فیوطأ اھ۔

ترجمہ:۔ در و دیوار اور زمین پر آیاتِ قرآنی کا لکھنا زیب وزینت اور زیبائش کے خیال سے مکروہ ہے۔ اس میں قرآن کی توہین ہے۔ فتاوٰی بزازیہ میں ہے کہ دیواروں اور محرابوں پر آیاتِ قرآنی

کا لکھنا مستحسن نہیں۔ کیونکہ پاؤں کے نیچے روندے جانے کا احتمال وامکان ہے۔ (اس بے حرمتی کے پیشِ نظر اجتناب کرنا چاہیئے)۔

فائدہ آیاتِ قرآنی اور اسماء الٰہی کے کتبات جلی حروف میں لکھ کر اگر تذکیر و نصیحت کے خیال سے مکان میں آویزاں کیے جائیں تو بہتر ہے اور اگر محض زینت وزیبائش مقصود ہو تو پھر مکروہ ہے۔

٭

ادب نمبر ۵۳

قرآن پاک کے بوسیدہ اوراق کے متعلق احکام

وَمِنْ حُرْمَتِهٖ اَلَّا يَتَّخِذَ الصَّحِيْفَةَ اِذَا بَلِيَتْ وَدَرَسَتْ وِقَايَةً لِلْكُتُبِ فَاِنَّ ذَالِكَ جَفَاءٌ عَظِيْمٌ وَلٰكِنْ يَمْحُوْهَا بِالْمَاءِ

(تفسیر قرطبی)

ترجمہ:- قرآن مجید کے آدابِ عظمت میں سے ایک یہ ہے کہ قرآن مجید جب بوسیدہ اور پرانا ہو جائے اور اس کے حروف مٹ جائیں تو اس کے اوراق کو دوسری کتابوں کے لیے وقایہ (یعنی بطور جلد حفاظت کا ذریعہ) نہ بنایا جائے۔ بلاشبہ اس طرح کرنا ظلم عظیم ہے۔ ہاں ان بوسیدہ اوراق کو پانی سے دھو ڈالے۔

تشریح:- علامہ زرکشی البرہان فی علوم القرآن صفحہ ۴۷۶ پر رقمطراز ہیں کہ: قرآن مجید کے اوراق اگر بوسیدہ ہونے کی وجہ سے تلاوت کے قابل نہ رہیں تو ایسے اوراق کو حفاظت کے پیشِ نظر دیوار کی دراڑ اور شگاف میں رکھنا جائز نہیں۔ کیونکہ بسا اوقات اس جگہ کے گرنے سے اوراقِ قرآنی کی بے حرمتی اور پامال ہونے کا اندیشہ ہے۔ نیز ان اوراق کو پھاڑ ڈالنا بھی جائز نہیں۔ کیونکہ اس طرح کرنے سے حروف کو ایک دوسرے سے جدا کرنا اور کلمات کو پراگندہ کرنا لازم آتا ہے اور نیز اس سے مکتوبِ قرآنی کی بے حرمتی ظاہر ہوتی ہے اور امام حلیمی نے بھی اسی طرح فرمایا ہے۔

اور آئمہ احناف سے شمس الائمہ حلوانی (متوفی ۴۵۶ھ) اور صاحب خلاصۃ الفتاوی طاہر بن احمد بخاری (متوفی ۵۴۲ھ) اور فخر الدین حسین بن منصور المعروف بہ قاضی خان (متوفی ۵۹۲ھ) فرماتے ہیں۔ ان المصحف اذا بلی لایحرق بل تحفر لہٗ فی الارض ویدفن۔ یعنی قرآن بوسیدہ ہونے کی صورت میں جلانا نہ چاہیئے، بلکہ زمین میں گڑھا کھود کر اس کو دفن کر دینا چاہیئے۔

(هکذا فی الاتقان صفحہ ۲۷۳)

اور علامہ عینی عمدۃ القاری شرح بخاری صـ۳۰۶ ج۱ پر فرماتے ہیں : قال اصحابنا ان المصحف اذا بلی بحیث لاینتفع بہ یدفن فی مکان طاہر بعید عن وطئی الناس ۔ ترجمہ :- ہمارے ائمہ احناف فرماتے ہیں کہ اگر قرآن مجید بوسیدہ ہونے کی وجہ سے ناقابل انتفاع ہو جائے تو پھر اس کو ایسی پاکیزہ جگہ میں دفن کیا جائے جو لوگوں کے روندنے سے محفوظ ہو۔

اور فقیہہ ابو اللیث سمرقندی فتاویٰ النوازل صـ۲۰۷ مطبوعہ دکن میں فرماتے ہیں : كُتُبٌ فِيهَا اِسْمُ اللّٰهِ او مصحف یستغنیٰ عنها تلقیٰ فی الماء الجاری او تلف فی خرقۃ نظیفۃ وتدفن فی ارض طاہرۃ ولا تحرق ۔ ولو غسل فی الماء الجاری واخذ القراطیس فھو افضل اھ ۔ ترجمہ :- وہ کتابیں جن میں اللہ تعالیٰ کا مبارک نام نوشتہ ہو ۔ یا وہ قرآن مجید جو ناقابل تلاوت ہو تو ان کو جاری پانی میں ڈال دیا جائے یا کسی پاکیزہ کپڑے میں لپیٹ کر پاک جگہ میں دفن کیا جائے اور ان کو جلایا نہ جائے بلکہ اگر ان کے حروف کو جاری پانی میں محو کر کے کاغذ کو محفوظ کر لیا جائے تو وہ زیادہ بہتر ہے ۔

اور درمختار معہ ردالمحتار صـ۱۲۱ ج۱ و صـ۴۲۳ ج۶ بطبع جدید مصری میں ہے ۔ المصحف اذا صار بحال لایقرأ فیہ یدفن کالمسلم وقال فی الشامیۃ یعنی ان الدفن لیس فیہ اخلال بالتعظیم ۔ لان افضل الناس یدفنون ۔ ترجمہ :- قرآن مجید جب (بوسیدہ ہونے کی وجہ سے) پڑھنے کے قابل نہ رہے تو اُس کو مسلمان میت کی طرح دفن کر دینا چاہیئے۔

اور علامہ شامی ردالمحتار میں فرماتے ہیں کہ - یہ دفن کرنا تعظیم کے منافی نہیں کیونکہ انبیاء علیہم السلام بھی تو زمین میں مدفون کئے جاتے رہے ہیں ۔

اور علامہ خادمیؒ بریقہ محمودیہ شرح طریقہ محمدیہ صـ۱۹۹ ج۴ پر فرماتے ہیں :- وفی التاتارخانیہ المصحف الذی خلق وتعذر الانتفاع بہ لایحرق بل یلف بخرقۃ طاہرۃ ویحفر حفیرۃ بلحد بلاشق اویجعل سقفا ویدفن او یوضع بمکان طاہر لایصل الیہ الغبار والاقذار ۔ ترجمہ :- قرآن مجید کے بوسیدہ اوراق جو ناقابل انتفاع ہوں، ان کو جلانے کے

بجائے پاک کپڑے میں ملفوف کر کے پاکیزہ جگہ پر لحد کی طرح گڑھے میں دفن کیا جائے ۔ اگر لحد کی طرح گڑھا نہ ہو تو پھر اس گڑھے کو مسلمان میت کی قبر کی طرح پتھر یا لکڑی کے تختوں سے مسقف کر کے مٹی ڈالی جائے یا ان اوراق کو ایسی جگہ میں رکھا جائے جو ہر طرح کی نجاست اور گرد و غبار سے محفوظ و مصئون ہو ۔

اور جامع المجددین حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی قدس سرہٗ اپنی کتاب اصلاح انقلاب اُمت صـ۱۱۶ پر فرماتے ہیں ۔ قرآن مجید جب ایسا کہنہ ہو جائے کہ اس سے انتفاع ممکن نہ ہو تو اس کو پاک جگہ میں دفن کر دینا چاہیئے ۔ مگر اس پر مٹی نہ ڈالے بلکہ جس طرح مسلمان میت کی قبر میں تختے وغیرہ رکھ کر مٹی دیتے ہیں ۔ اسی طرح کرنا چاہیئے ۔

ایسے ہی اگر کوئی قرآن ایسا غلط لکھا ہو کہ اصلاح دشوار ہو تو اُس کو بھی دفن کر دینا چاہیئے ۔ اس میں اکثر لوگ جو سُستی کرتے ہیں وہ بوسیدہ ہو کر منتشر ہو جاتا ہے اور افسوس ہے کہ وہ ردّی میں جا کر دواؤں کی پُڑیوں میں یا بچوں کے بعض کھلونوں میں استعمال کیا جاتا ہے ۔ ایسا کرنا ہم لوگوں کی کتنی بے غیرتی ہے ۔

فائدہ قرآن مجید کے بوسیدہ اور کہنہ اوراق کے جلانے کے متعلق احسن الفتاویٰ صـ۱۶۵ پر مفتی صاحب ممدوح نے اس کے عدم جواز کو مدلل و مبرہن طور پر ذکر فرمایا ہے طالب تحقیق ملاحظہ فرمائیں ۔

انتباہ - ہم اور رسائل و اخبارات کے دینی اوراق

تمام مسلمانانِ عالم کا ایمان ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور تمام عالم کے لیے تاقیامت رہبر و راہنما ہے ۔ ہم پر فرض ہے کہ ہم اس کا پورا پورا احترام کریں اور اس کی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے اس کو بے وضو ہاتھ تک نہ لگائیں ۔ لیکن بڑے دُکھ سے کہنا پڑتا ہے کہ آج کل ہمارے اس مُلک میں معاملہ بالکل برعکس ہے ۔ یہ بات ہم سب پر روشن ہے کہ ہمارے مُلکی اخبارات و رسائل و جرائد وغیرہ میں آئے دن آیاتِ قرآنی یا احادیثِ نبویؐ

چھپتی رہتی ہیں اور درسِ قرآن اور مشعلِ راہ اور نورِ بصیرت وغیرہ عنوانات کے تحت صحابہ کرامؓ اور اولیاء عظامؒ کے واقعات درج ہوتے رہتے ہیں۔ یہ اندراج خواہ دینی اغراض کے تحت ہو یا دُنیوی اغراض کے تحت ہو۔ بہرحال یہ بات مسلّم ہے کہ قرآنی آیات واحادیث نبویہ یا اُن کے تراجم یا دیگر دینی مسائل سے شاید ہی کوئی اخبار خالی ہو۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ بعد از مطالعہ ان جرائد و اخبارات وغیرہ کا کیا حشر و انجام ہوتا ہے؟

ہم سب جانتے ہیں کہ انہیں عموماً ردی کی حیثیت سے دکانداروں کے ہاتھ فروخت کیا جاتا ہے جو اُن کے پارچے اور ٹکڑے کر کے ان میں اشیاءِ فروخت (بشمول نسوار، تمباکو، چرس وغیرہ) ڈالتے ہیں اور پُڑیا بنا کر لوگوں کو دیتے ہیں اور خریدار اپنی استعمال کی چیزوں کو نکال کر ان کاغذوں کو گلیوں، راستوں اور بازاروں میں لااُبالی ہو کر پھینک دیتے ہیں۔ جہاں وہ پاؤں سے روندے جاتے ہیں۔ بالآخر وہ کاغذ مختلف قسم کی گندگیوں سے لت پت ہوتے ہیں اور ہَوا کے ذریعہ یا بھنگی کے جھاڑو سے گندی نالیوں میں پہنچ جاتے یا کوڑا کرکٹ کے ناپاک ڈھیروں پر پھینک دیئے جاتے ہیں اور بعض کور باطن تو اخبارات کے کاغذوں کو بیت الخلاء میں استعمال کرتے ہیں۔ حاشا وکلا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ ان اوراق کا شرعی حُکم کیا ہے؟ حضرت مولانا ابوالحسنات لکھنویؒ نفع المفتی والسائل ص۱۱۱ پر لکھتے ہیں:۔ وعلیہ یتفرع ان الوسائل التی یستغنی عنہا۔ وفیہا بسم اللہ تمحیٰ ثم تلقیٰ فی الماء الکثیر او تدفن فی ارض طیبۃ کما فی نصاب الاحتساب۔ والناس عنہ غافلون فانہم عند ما یستغنون من الوسائل یخرقونہ وینشرونہ فی الطرق والنجاسات ویبالون فی ذالک اھ۔ ترجمہ:۔ اور وہ رسائل جن کی ضرورت باقی نہ رہے اور ان میں اللہ تعالیٰ کا مبارک نام لکھا ہُوا ہو تو اللہ تعالیٰ کے پاک نام کو محو کرنیکے بعد ان رسائل کو دریا برد کر دیا جائے یا ان کو کسی پاکیزہ جگہ میں دفن کر دیا جائے جیسا کہ نصاب الاحتساب میں مذکور ہے اور لوگ اس حکم سے غافل ہیں۔ کیونکہ وہ ان رسائل سے مستغنی ہونیکے بعد پھاڑ کر راستوں اور ناپاک

جگہوں پر پھینک دیتے ہیں اور پھر وہیں پیشاب کرتے ہیں۔ انتہیٰ

فائدہ:۔ امام زرکشیؒ "البرہان فی علوم القرآن ص۴۷۶ ج۱ پر لکھتے ہیں:۔

امام بیہقی فرماتے ہیں کہ ہم کو ابو عبدالرحمٰن سلمیؒ نے منصور بن عمارؒ کے متعلق بتلایا کہ ان کو حکمت و دانائی سے بہرہ اندوز فرمایا گیا اور اس کا سبب یہ بیان کیا کہ ان کو راستہ میں ایک کاغذ کا ٹکڑا ملا جس پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا ہوا تھا۔ پس آپ نے اس کو اٹھایا اور جب اس کے رکھنے کے لیے محفوظ جگہ نہ پائی تو انہوں نے اس کو کھا لیا۔ اس کے بعد آپ نے خواب میں ایک شخص کو کہتے ہُوئے سُنا کہ اس رقعہ کے احترام کے صلہ میں اللہ تعالےٰ نے تم کو حکمت و دانائی سے نواز دیا ہے۔ چنانچہ بیداری کے بعد اُن کی زبان سے حکیمانہ گفتگو جاری ہو گئی۔ انتہیٰ۔

اور علامہ برکلیؒ طریقہ محمدیہ ص۲۹۸ ج۲ میں فرماتے ہیں:۔ ومنہا جعل شیٔ فی قرطاس فیہ اسم اللہ تعالیٰ وفی الخلاصۃ یکرہ ان یجعل شیئا فی قرطاس فیہ اسم اللہ تعالیٰ سواء کانت الکتابۃ فی ظاہرہ او فی باطنہ اھ۔ ترجمہ:۔ اور ان گناہوں میں سے ایک گناہ یہ بھی ہے کہ اس کاغذ میں کوئی چیز لپیٹی جائے جس پر اللہ پاک کا مبارک نام لکھا ہو اور خلاصۃ الفتاویٰ میں مذکور ہے کہ اس کاغذ میں کسی چیز کا لپیٹنا مکروہ ہے جس پر اللہ پاک کا مبارک نام لکھا ہو۔ خواہ وہ کتابت کاغذ کی اندرونی جانب ہو یا بیرونی جانب۔ حکم دونوں کا یکساں ہے۔

اس وضاحت کے بعد ہر مُسلمان کا فرض ہے کہ اخبارات و جرائد کے ان اوراق کی بیحرمتی سے کُلی طور پر احتراز و اجتناب کرے جن میں اللہ تعالیٰ کا نام یا آیاتِ قرآنی واحادیثِ نبویؐ کے تراجم یا صلحاءِ اُمت کے واقعات و ارشادات مسطور و مزبور ہوں اور متعلقہ محکمہ کی توجہ بھی اس طرف مبذول کرائی جائے تاکہ وہ بھی اس معاملہ میں کوئی مؤثر انسدادی تدابیر عمل میں لا سکے۔ وما علینا الا البلاغ۔ واللہ ولی التوفیق۔

ادب نمبر ۵

آیاتِ قرآنی کا غسالہ (دھوون) بغرض شفا بھی قابلِ احترام ہے

وَمِنْ حُرْمَتِهٖ اَنَّهٗ اِذَا غُسِلَ بِكِتَابَتِهٖ مُسْتَشْفِيًا مِنْ سُقْمِ الْاَيَصُبُّهٗ عَلٰى كُنَاسَةٍ وَلَا فِيْ مَوْضِعِ نَجَاسَةٍ وَلَا عَلٰى مَوْضِعٍ يُوْطَأُ وَلٰكِنْ فِيْ نَاحِيَةٍ مِنَ الْاَرْضِ فِيْ بُقْعَةٍ لَا يَطَؤُهُ النَّاسُ اَوْ يَحْفُرُ حَفِيْرَةً فِيْ مَوْضِعٍ طَاهِرٍ حَتّٰى يَنْصَبَّ مِنْ جَسَدِهٖ فِيْ تِلْكَ الْحَفِيْرَةِ ثُمَّ يَكْبِسُهَا اَوْ فِيْ نَهْرٍ كَبِيْرٍ يَخْتَلِطُ بِمَائِهٖ فَيَجْرِيْ۔ (قرطبی)

ترجمہ:- اور قرآن مجید کے آدابِ حرمت میں سے ایک یہ ہے کہ جب بغرضِ شفاء آیاتِ قرآنیہ کے نقش اور تعویذ سے غسل کرنا چاہے تو اس پانی کو ناپاک جگہ یا کوڑا کرکٹ کی جگہ یا پامال ہونے کی جگہ نہ گرایا جائے۔ بلکہ زمین کے ایک حصّہ کے ایک کونے میں غسل کرے اور پانی گرائے۔ جو لوگوں کے گزرنے اور روندنے سے محفوظ ہو (اور اس پانی کے احترام کو محفوظ رکھنے کا طریقہ یہ ہے) کہ پاک جگہ پر ایک گڑھا کھودا جائے اور اس میں کھڑے ہو کر غسل کیا جائے۔ یا بڑی نہر میں کھڑے ہو کر غسل کرے تاکہ وہ پانی نہر کے پانی میں شامل ہو کر بہہ جائے۔

تشریح:- قرآن مجید کے بوسیدہ اوراق جن سے فائدہ نہ اُٹھایا جا سکے کے متعلق بعض علماء فرماتے ہیں کہ ان کا دھونا اولیٰ ہے اور اس کا دھوون (غسالہ) پاک جگہ میں ڈالا جائے بلکہ بہتر تو یہ ہے کہ اس کا پانی پی لیا جائے۔ کیونکہ وہ ہر مرض کی دوا اور سینہ کی علتوں کی شفاء ہے (مظاہر حق جدید صـ ۱۹ ج ۲ قسط نمبر ۷ مطبوعہ دیوبند)

اور امام قرطبیؒ نے بسلسلۂ آداب القرآن ایک مستقل ادب بیان کیا ہے کہ قرآن کا غسالہ (دھوون) بھی قابلِ احترام ہے اس کو ناپاک جگہ یا جہاں لوگوں کے پاؤں پڑتے ہوں ہرگز نہ ڈالا جائے اور ہمارے اسلاف رحمہم اللہ میں سے تو بعض اس کے غسالہ

(دھوون) کو امراضِ جسمانی کے ازالہ کے لیے استعمال میں لایا کرتے تھے۔

چنانچہ آپ فرماتے ہیں:- ومن حرمته اذا غسله بالماء ان يتوقى النجاسات من المواضع والمواقع التي توطا۔ فان لتلك الغسالة حرمة وكان من قبلنا من السلف منهم من يستشفي بغسالته (قرطبی)

بہرحال آیاتِ قرآنیہ کے غسالہ کا ادب و احترام ملحوظ رکھتے ہوئے اس کو پاک جگہ میں ڈالا جائے۔

فائدہ (عمل برائے دفع سحر)

جاری پانی (دریا یا نہر کا) یا سات کنوؤں کا پانی ایک گھڑا بھر کر اس پر باوضو مندرجہ ذیل آیات گیارہ مرتبہ اور سورۃ فلق اور سورۃ الناس گیارہ گیارہ مرتبہ پڑھ کر پھونکیں اور مریض کو اس پانی سے تین گھونٹ پلائیں اور باقی ماندہ پانی سے سر پر ڈال کر نہلائیں۔ بلاناغہ یہی عمل کریں: آیات یہ ہیں:-

فلما القوا قال موسىٰ ما جئتم به السحر ان الله سيبطله ان الله لا يصلح عمل المفسدين ويحق الله الحق بكلماته ولو كره المجرمون۔ فغلبوا هنالك وانقلبوا صاغرين۔ والقي السحرة ساجدين۔ قالوا آمنا برب العالمين رب موسىٰ وهارون۔ انما صنعوا كيد ساحر ولا يفلح الساحر حيث اتىٰ۔

یہ عمل اتوار کے دن سے شروع کیا جائے۔ جاڑے میں دوپہر کو نہلایا جائے۔

(ماخوذ از مکتوبات شیخ الاسلام حضرت مدنی قدس سرّہٗ)

(فائدہ) ایک مجرب عمل ردِّ سحر کا الاکلیل علیٰ مدارک التنزیل صـ ۲۹۱ ج ۱۲ پر درج ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

ادب نمبر ۵۵

تعویذ قرآنی کا پینا

وَمِنْ حُرْمَتِهٖ اِذَا كَتَبَهٗ وَشَرِبَهٗ سَمَّى اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ نَفَسٍ وَعَظَّمَ النِّيَّةَ فِيْهِ. فَاِنَّ اللّٰهَ يُؤْتِيْهِ عَلٰى قَدْرِ نِيَّتِهٖ وَعَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ لَا بَاْسَ اَنْ تَكْتُبَ الْقُرْاٰنَ ثُمَّ تَسْقِيَهٗ وَعَنْ اَبِيْ جَعْفَرٍ قَالَ وَمَنْ وَجَدَ فِيْ قَلْبِهٖ قَسَاوَةً فَلْيَكْتُبْ يٰسٓ فِيْ جَامٍ بِزَعْفَرَانٍ ثُمَّ يَشْرَبُهٗ. (قرطبی)

ترجمہ :۔ اور قرآن مجید کے آدابِ عظمت میں سے ایک یہ ہے کہ جب آیاتِ قرآنیہ لکھ کر پیوے تو ہر سانس پر بسم اللہ شریف پڑھے اور اس وقت نیت کو بلند رکھے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ بندے کی نیت کے مطابق عطیات و مواہب نوازتے ہیں اور مجاہدؒ سے منقول ہے آپ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کی آیات گھول کر پینے میں کوئی حرج نہیں اور ابو جعفرؒ سے منقول ہے آپ فرماتے ہیں جو شخص اپنے دل میں قساوت محسوس کرتے تو ایک پیالہ میں سورۃ یٰسٓ زعفران سے لکھ کر پیوے۔

تشریح :۔ قرآن مجید تمام امراضِ روحانی، جسمانی، ظاہری اور باطنی کے لیے شفاء ہے چنانچہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اپنی تفسیر معارف القرآن ص۵۱۰ ج۵ پر آیت وننزل من القرآن ما ھو شفاء و رحمۃ للمؤمنین (بنی اسرائیل آیت نمبر ۸۲) کے تفسیری فوائد میں لکھتے ہیں۔ قرآن کریم کا قلوب کے لیے شفاء ہونا، شرک و کفر اور اخلاقِ رذیلہ اور امراضِ باطنہ سے نفوس کی نجات کا ذریعہ ہونا تو کھلا ہوا معاملہ ہے۔ اور تمام اُمّت اس پر متفق ہے اور بعض علماء کے نزدیک قرآن جس طرح امراضِ باطنہ کی شفاء ہے امراضِ ظاہرہ کی بھی شفاء ہے کہ آیاتِ قرآن پڑھ کر دم کرنا اور تعویذ لکھ کر گلے میں ڈالنا امراضِ ظاہرہ کے لیے بھی شفاء ہوتا ہے۔ روایاتِ حدیث اس پر شاہد ہیں۔ تمام کتب حدیث میں ابو سعید خدریؓ کی یہ حدیث موجود ہے کہ صحابہ کرامؓ

کی ایک جماعت سفر میں تھی کہ کسی گاؤں کے رئیس کو بچھو نے کاٹ لیا۔ لوگوں نے حضرات صحابہؓ سے پُوچھا کہ آپ کچھ اس کا علاج کر سکتے ہیں۔ انہوں نے سات مرتبہ سورۃ فاتحہ پڑھ کر اس پر دم کیا۔ مریض اچھا ہو گیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے سامنے تذکرہ آیا تو آپؐ نے صحابہ کرامؓ کے اس عمل کو جائز قرار دیا۔

اسی طرح دوسری متعدد روایات حدیث سے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا معوذات پڑھ کر دم کرنا ثابت ہے اور صحابہ و تابعین سے معوذات اور دوسری آیات قرآن کے ذریعے مریضوں کا علاج کرنا۔ لکھ کر گلے میں ڈالنا ثابت ہے جس کو قرطبی نے اس آیت کے تحت تفصیل سے لکھا ہے۔

نیز آپ تفسیر معارف القرآن ص۵۴۲ ج۴ پر سورۃ یونس آیت ۵۷ یا ایھا الناس قد جاءتکم موعظۃ من ربکم وشفاء لما فی الصدور کے تفسیری فوائد میں رقمطراز ہیں کہ قرآن کریم دلوں کی بیماریوں کا کامیاب علاج اور صحت و شفاء کا اکسیری نُسخہ ہے۔ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ قرآن کی اس صفت سے معلوم ہوا کہ وہ صرف دلوں کی بیماری کے لیے شفاء ہے، جسمانی بیماریوں کا علاج نہیں (روح المعانی)

مگر دُوسرے حضرات نے فرمایا کہ درحقیقت قرآن ہر بیماری کی شفاء ہے خواہ قلبی و روحانی ہو یا بدنی اور جسمانی۔ مگر روحانی بیماریوں کی تباہی انسان کے لیے جسمانی بیماریوں سے زیادہ شدید ہے اور اس کا علاج بھی ہر شخص کے بس کا نہیں۔ اس لیے اس جگہ ذکر صرف قلبی اور روحانی بیماریوں کا کیا گیا ہے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ جسمانی بیماریوں کے لیے شفاء نہیں ہے۔ روایاتِ حدیث اور عُلماءِ اُمّت کے بیشمار تجربات اس پر شاہد ہیں کہ قرآن کریم جیسے قلبی امراض کے لیے اکسیرِ اعظم ہے، اسی طرح وہ جسمانی بیماریوں کا بھی بہترین علاج ہے۔

حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں ایک

شخص حاضر ہُوا اور عرض کی کہ میرے سینہ میں تکلیف ہے۔ آپ نے فرمایا کہ قرآن پڑھا کرو۔ کیونکہ حق تعالےٰ کا ارشاد ہے :۔ شفاء لما فی الصدور۔ یعنی قرآن شفاء ہے ان تمام بیماریوں کی جو سینوں میں ہوتی ہیں۔ (روح المعانی از ابن مردویہ)

اسی طرح حضرت واثلہ بن اسقعؓ کی روایت ہے کہ ایک شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہُوا اور بیان کیا کہ میرے حلق میں تکلیف ہے۔ آپ نے اس کو بھی یہی فرمایا کہ قرآن پڑھا کرو۔

علماء اُمت نے کچھ روایات و آثار سے اور کچھ اپنے تجربوں سے آیاتِ قرآنی کے خواص و فوائد مستقل کتابوں میں جمع کر دیئے ہیں۔ امام غزالی کی کتاب خواص القرآن اس کے بیان میں مشہور و معروف ہے جس کی تلخیص حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ نے اعمالِ قرآنی کے نام سے فرمائی ہے اور مشاہدات و تجربات اتنے ہیں کہ ان کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ قرآن کریم کی مختلف آیتیں مختلف امراضِ جسمانی کے لیے بھی شفاء کلی ثابت ہوتی ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ نزولِ قرآن کا اصلی مقصد قلب و روح کی بیماریوں کو دُور کرنا ہے اور ضمنی طور پر جسمانی بیماریوں کا بھی بہترین علاج ہے۔ انتہیٰ

اور امام سیوطیؒ تفسیر اتقان ص۱۶۳ ج ۲ پر مستقل عنوان خواص القرآن کے تحت لکھتے ہیں کہ علماء کی ایک جماعت نے اس موضوع پر مستقل کتابیں تالیف کی ہیں۔ ان ہی میں تمیمیؒ اور حجۃ الاسلام غزالی بھی ہیں اور متاخرین میں سے یافعی نے اس مبحث پر ایک مستقل کتاب (　　　) لکھی ہے اور اس بارے میں جو باتیں درج کی جاتی ہیں ان میں سے بیشتر باتوں کی سند صالحین کے تجربے ہیں۔ یہاں اس نوع کا آغاز پہلے ان باتوں سے کرتا ہوں جو کہ حدیث شریف میں آئی ہیں اور اس کے بعد ان خاص خاص باتوں کو بیان کروں گا جن کو سلف صالحین نے ذکر کیا ہے۔

حدیث نمبر۱ :۔ ابن ماجہ وغیرہ نے ابن مسعودؓ کی حدیث سے روایت کی ہے کہ

علیکم بالشفاءین العسل والقرآن۔ یعنی بیماریوں سے شفاء کے لیے دو چیزوں کو اختیار کرو۔ شہد اور قرآن۔

حدیث نمبر ۲ :۔ ابن ماجہ ہی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حدیث نقل کی ہے۔ خیر الدواء القرآن۔ یعنی بہترین دوا قرآن ہے۔

حدیث نمبر۳ :۔ ابو عبید نے طلحہ بن مصرفؒ سے روایت کی ہے کہ اُس نے کہا: کان یقال اذا قرئ القرآن عند المریض وجد لذالک خفۃ۔ یعنی جب مریض کے پاس قرآن پڑھا جاتا ہے تو وہ بیمار اس کی برکت سے کچھ تخفیف پاتا ہے۔

حدیث نمبر۴ :۔ بیہقی وغیرہ نے عبداللہ بن جابرؓ کی یہ حدیث روایت کی ہے کہ فاتحۃ الکتاب میں ہر ایک بیماری کی شفاء ہے۔

حدیث نمبر۵ :۔ خلعی نے اپنے فوائد میں حضرت عبداللہ بن جابرؓ ہی سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ فاتحۃ الکتاب ہر چیز سے شفاء کا سبب ہے مگر سام یعنی موت سے۔

حدیث نمبر۶ :۔ سعید بن منصورؒ اور بیہقیؒ وغیرہ نے ابوسعید خدریؓ سے روایت کی ہے کہ فاتحۃ الکتاب یعنی سورۃ فاتحہ سم یعنی زہر کے لیے شفا ہے۔

حدیث نمبر۷ :۔ طبرانی نے اوسط میں سائب بن یزیدؓ سے روایت کی ہے کہ اُنھوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گندہ ذہنی کی بیماری میں فاتحۃ الکتاب کو بہ طور تعویذ کے مجھے دیا تھا یا بتایا تھا۔ (اتقان ص۱۶۳ ج ۲)

فائدہ :۔ قرآن کی بعض آیات سے جسمانی امراض کو بھی شفاء ہوتی ہے۔ ہمارے اکابر کا یہی مسلک ہے۔ (تفسیر کشف الرحمان لمولانا احمد سعید صاحب دہلوی سبحان الہند ص۲۶۲)

اور علامہ محقق آلوسیؒ اپنی مشہور تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اطباء بھی اس بات کے معترف ہیں کہ آیاتِ قرآنیہ اور اسماء الٰہیہ اپنی باطنی اور روحانی خاصیت سے موجبِ شفاء

ہیں۔ جیسا کہ اندلسی نے اپنے مفردات میں اور داؤد انطاکی نے اپنے تذکرہ میں مفصل طور پر بیان کیا ہے اور اس کا منکر ہماری نگاہ میں کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ والاطباء معترفون بان من الامور والرقی مایشفی بخاصیۃ روحانیۃ کما فصلہ الاندلسی فی مفرداتہ وکذا داؤد فی الجلد الثانی من تذکرتہ ومن ینکرہ لایعباء بہ۔ (روح المعانی ص۱۳۵ جز۱۵)

اور علامہ ابن قیم جوزی فرماتے ہیں کہ سورۃ فاتحہ کا جسمانی امراض کے لیے موجب شفاء ہونا احادیث قواعد طب اور تجربہ سے ثابت ہے۔ مفصل بیان کے بعد آپ اپنا بارہا کا تجربہ بھی بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔ میں نے بذاتِ خود اپنے متعلق اور نیز دوسرے لوگوں میں عجیب امور کا مشاہدہ کیا۔ چنانچہ مکہ مکرمہ کے قیام کے زمانے میں مجھے ایسے شدید درد لاحق ہو گئے۔ جن کی وجہ سے میرے لیے طواف کرنا اور اٹھنا بیٹھنا بھی مشکل ہو گیا۔ میں نے سورۃ فاتحہ سے جھاڑ پھونک کا کام لیا۔ تو مجھے ایسا محسوس ہونے لگا۔ کہ مقامِ درد سے کنکریاں گر رہی ہیں اور میں نے اس کا کئی بار تجربہ کیا اور اس کے ساتھ ساتھ پیالہ میں زمزم کا پانی ڈال کر سورۃ فاتحہ متعدد بار پڑھ کر دم کرنے کے بعد اس کے پینے سے وہ فوائد حاصل ہوئے جو کسی اور دوا سے حاصل ہونے ممکن نہ تھے اور اگر ایمان اور یقین کے ساتھ اس کو پڑھا جائے تو شفاء کے سلسلہ میں اس کا درجہ بہت ہی بلند و بالا ہے۔

وقد جربت انا من ذالک فی نفسی وفی غیری امورا عجیبۃ ولاسیما مدۃ المقام بمکۃ۔ فانہ کان یعرض لی آلام مزعجۃ بحیث تکاد تقطع الحرکۃ منی وذالک فی اثناء الطواف وغیرہ۔ فابادر الی قرأۃ الفاتحۃ وامسح بہا علی محل الالم فکانہ حصاۃ تسقط۔ جربت ذالک مرارا۔ عدیدۃ وکنت اخذ قدحا من ماء زمزم فاقرا علیہ الفاتحۃ مرارا فاشربہ فاجد بہ من النفع والقوۃ مالم اعہد مثلہ فی الدواء والامر اعظم من ذالک ولکن بحسب قوۃ الایمان وصحۃ الیقین واللہ المستعان۔ (مدارج السالکین ص۵۸ ج۱)

اور امام سیوطیؒ تفسیر اتقان ص۱۶۶ ج۲ پر فرماتے ہیں:۔ قال ابن القیم فی حدیث الرقیۃ بالفاتحۃ اذا ثبت ان لبعض الکلام خواص ومنافع فما الظن بکلام رب العالمین ثم بالفاتحۃ التی لم ینزل فی القرآن ولا فی غیرہ من الکتب مثلہا لتضمنہا جمیع معانی الکتاب اھ

ترجمہ:۔ ابن القیمؒ سورۃ الفاتحہ کے ساتھ جھاڑ پھونک کی جانے والی حدیث کی بابت لکھتے ہیں کہ جب بعض لوگوں سے کلام کے خواص اور فوائد کا ثبوت بہم پہنچ گیا ہے تو پھر رب العالمین کے کلام کی بابت کیا گمان ہے۔ خصوصاً سورۃ فاتحہ کے بارے میں جو ایسی سورت ہے کہ کسی اور آسمانی کتاب میں اس کے مانند کوئی سورت نازل نہیں ہوئی ہے۔ کیونکہ یہ سورت تمام کتاب کے معانی پر حاوی اور مشتمل ہے۔ اھ

فائدہ ۵:۔ قرآن مجید سے امراضِ ظاہرہ و باطنہ ضلالت وجہالت دور ہوتے ہیں اور ظاہری و باطنی صحت حاصل ہوتی ہے۔ اعتقاداتِ باطلہ اور اخلاقِ رذیلہ دفع ہوتے ہیں اور عقائد حقہ اور معارفِ الٰہیہ وصفاتِ حمیدہ و اخلاقِ فاضلہ حاصل ہوتے ہیں۔ اس کا ایک ایک حرف برکات کا گنجینہ ہے۔ جبکہ اس کو قوتِ ایمان اور صحتِ یقین کے ساتھ پڑھا جائے۔

وفی الخازن وھو شفاء من الامراض الظاھرۃ والباطنۃ۔ اما کونہ شفاء من الامراض الجسمانیۃ فان التبرک بقرأتہ یدفع کثیرا من الامراض یدل علیہ ماروی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی فاتحۃ الکتاب (ومایدریک انہا رقیۃ) واما کونہ شفاء من الامراض الباطنۃ فانہا تنقسم الی نوعین احدھما الاعتقادات الباطلۃ۔ والثانی الاخلاق المذمومۃ اما الاعتقادات الباطلۃ فالاعتقادات الفاسدۃ فی الذات والصفات والنبوات والقضاء والقدر والبعث بعد الموت والقرآن کلہ مشتمل علی دلائل المذھب الحق فی ھذہ الاشیاء۔ وابطال المذاھب الفاسدۃ

فلاجرم کان القرآن شفاء لما فی القلوب من ھذا النوع۔ واما النوع الثانی وھی الاخلاق المذمومۃ فالقرآن مشتمل علی التنفیر منھا۔ والارشاد الی الاخلاق المحمودۃ والاعمال الفاضلۃ۔ فثبت ان القرآن شفاء من جمیع الامراض الباطنۃ والظاھرۃ فھو جدیر بان یکون رحمۃ للمؤمنین۔ اھ (جمل ص ۶۳۲ ج ۲)

امام سیوطیؒ اتقان ص ۱۶۵ ج ۲ بحوالہ ابن التینؒ لکھتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید طب روحانی ہے۔ اگر نیک لوگوں کی زبان سے پڑھا جائے تو بحکم خدا ہر مرض سے شفاء حاصل ہوتی ہے۔ اس لیے ہمارے اسلاف کے زمانے میں لوگ اس سے زیادہ تر شفاء پاتے تھے۔ لیکن جوں جوں نیک لوگوں کی کمی ہوتی گئی شفایابی بھی گھٹتی گئی اور چونکہ ہر کس وناکس کی زبان میں اثر نہیں ہوتا۔ اس لیے قرآن کے اثرات کا اظہار ان کی زبان سے کم ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ لوگوں نے اب طب جسمانی کی طرف رجوع کیا۔ ہر قسم کے مرض میں طبیبوں اور ڈاکٹروں کے ہاں جانے لگے۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد: لو انّ رجلاً موقناً قرء بھا علی جبلٍ لزال۔ یعنی اگر کوئی صاحب یقین آدمی اس کو پڑھ کر پہاڑ پر دم کرے تو وہ بھی اپنی جگہ سے ٹل جائے۔ اس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ خدا تعالےٰ کے نیک بندوں کی زبان سے ایسے اثرات نمودار ہو سکتے ہیں۔

❖

ادب نمبر ۵۶

تعویذ قرآنی کو بیت الخلاء میں لے جانیکی ممانعت

وَمِنْ حُرْمَتِہٖ اَلَّا یَکْتُبَ التعاویذَ مِنْہُ ثُمَّ یَدْخُلُ بِہٖ فِی الْخَلَاءِ اِلَّا اَنْ یَکُوْنَ مِنْ اَدَمٍ اوفِضَّۃٍ اوغَیرِہٖ (قرطبی)۔

ترجمہ:۔ اور قرآن مجید کے آدابِ عظمت میں سے ایک یہ ہے کہ آیاتِ قرآنیہ کا تعویذ لے کر بیت الخلاء میں داخل نہ ہو۔ ہاں جبکہ وہ تعویذ چمڑے یا چاندی وغیرہ میں ملفوف ہو تو پھر کوئی مضائقہ نہیں۔

تشریح:۔ حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلاء میں تشریف لے جاتے تو اپنی انگوٹھی اُتار دیا کرتے تھے (ابو داؤد، ترمذی، مشکوٰۃ باب آدابُ الخلاء)۔

اور مُلا علی قاریؒ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں: لان نقشہ محمد رسول اللہ وفیہ دلیل علی وجوب تنحیۃ المستنجی اسم اللہ واسم رسولہ والقرآن کذا قالہ الطیبی وقال الابھری ویعم الرسل وقال ابن حجر استفید منہ انہ یندب لمرید التبرز ان ینحی کل ما علیہ معظم من اسم اللہ تعالےٰ او نبی او ملکٍ فان خالف کرہ اھ۔ وھو الموافق لمذھبنا۔ (مرقات شرح مشکوٰۃ ص ۲۵۳ ج ۱)۔

ترجمہ:۔ (بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی انگوٹھی اتار دیا کرتے تھے) کیونکہ اس میں لفظ محمد رسول اللہ کھدا ہوا تھا اور اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ بیت الخلاء میں جانے والے پر واجب ہے کہ وہ اپنے ہمراہ کوئی ایسی چیز نہ لے جائے جس پر اللہ تعالےٰ یا اس کے رسولؐ کا مبارک نام نوشتہ ہو یا آیات قرآنی کا نقش ہو۔ یہی علامہ طیبیؒ کی تحقیق

ہے۔ اور علامہ ابہری نے تو یہاں تک کہا ہے کہ اگر دُوسرے رسولوں ہی کا نام لکھا ہُوا ہو تو اسے بھی اپنے ہمراہ بیت الخلاء میں لے جانے سے گریز کرے اور علامہ ابن حجر فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص بیت الخلاءُ میں جانے کا ارادہ کرے تو اُس کو چاہیئے کہ اپنے بدن سے ہر اُس چیز کو اُتار دے یا الگ کر دے جس پر کسی قابلِ تعظیم ہستی مثلاً اللہ سبحانہ وتعالےٰ کا نام یا نبی اور فرشتے کا نام لکھا ہو اور اس کے خلاف کرنا مکروہ ہے۔ اور علامہ ابن حجر کی یہ تحقیق ہمارے مذہب احناف کے موافق ہے۔ انتہیٰ۔

اور امیر سبل السلام صلا ج ۱ پر لکھتے ہیں :- ویحرم ادخال المصحف بغیر ضرورۃ۔ یعنی قرآن مجید کا بیت الخلاء میں بلاضرورتِ شدیدہ داخل کرنا حرام ہے۔

اور عین العلم میں ہے : ولایستصحب شیئاً علیہ اسم اللہ واسمہ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ یعنی بیت الخلاء میں اپنے ہمراہ اس چیز کو نہ لے جائے جس پر اللہ تعالےٰ کا مبارک نام یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسمِ گرامی نوشتہ ہو۔ اور ملا علی قاری اس کی شرح زین الحلم صـ۳۱۹ ج ۱ پر فرماتے ہیں والظاھر انہ کذالک اسماء سائر الانبیاء العظام۔ یعنی یہ اس حکم میں دیگر انبیاء علیہم السلام کے اسماء گرامی بھی شامل ہیں۔ اور مولانا ابوالحسنات لکھنویؒ نفع المفتی والسائل صـ۱۱۱ پر لکھتے ہیں کہ اس ٹوپی یا اس تعویذ کے ساتھ بیت الخلاء میں داخل ہونا جس پر اللہ تعالےٰ کا مبارک نام نوشتہ ہو مکروہ ہے۔ قلت وعلیہ یتفرع ان دخول بیت الخلاء مع القلنسوۃ التی علیھا اسم اللہ او تعویذ منہ اسم اللہ مکروہ - اھ

اور طریقہ محمدیہ صـ۳۸۵ ج پہ امام برکلی فرماتے ہیں اما تعلیق التعویذ فلا بأس بہ ولکن ینزعہ عند الخلاء والقربان کذا فی التاتارخانیہ۔ یعنی تعویذ کے گلے میں ڈالنے یا بازو پہ باندھنے میں کوئی باک نہیں لیکن بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت اور نیز جماع کے وقت اُس کو اُتار دینا چاہیئے۔ اور درمختار میں ہے: رقیۃ فی غلاف متجافٍ لم یکرہ دخول الخلاء بہ والاحتراز افضل۔ ترجمہ :- جو تعویذ جُداگانہ غلاف میں ملفوف ہو۔ اس کو بیت الخلاء میں لے جانا مکروہ

نہیں۔ البتہ اس سے احتراز کرنا بہتر ہے۔

اور علامہ ابن عابدین اس کی تشریح کرتے ہُوئے فرماتے ہیں (قولہ رقیۃ الخ) الظاھر ان المراد بھا مایسمونہ الآن بالھیکل والحمائلی المشتمل علی الآیات القرآنیۃ۔ فاذا کان غلافہ منفصلاً عنہ کالمشمع ونحوہ جاز دخول الخلاء بہ ومسہ وحملہ للجنب۔

(ردالمحتار صـ۱۲۱ ج ۱ بطبع جدید مصری)

ترجمہ :- آیاتِ قرآنیہ کے وہ نقوش و تعویذات جو گلے میں لٹکائے جاتے ہیں، جن کو آجکل ہیکل اور حمائلی کہا جاتا ہے ایسے تعویذات کو بیت الخلاء میں لے جانا یا جنبی شخص کا ایسے تعویذات کو چھونا یا گلے میں ڈالنا یہ سب باتیں جائز ہیں۔ بشرطیکہ ان تعویذات پر جداگانہ غلاف موم جامہ کی طرح چڑھا ہُوا ہو۔ انتہیٰ

مسئلہ :- لا بأس بان یشد الجنب والحائض التعاویذ علی العضد اذا کانت مکفوفۃ۔ (حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ للنابلسیؒ صـ۳۹۳ ج ۲) ترجمہ :- جنبی اور حائضہ عورت کے لیے بازو پر تعویذ باندھنے میں کوئی باک نہیں، جبکہ وہ تعویذ کسی چیز میں ملفوف ہو۔

مسئلہ :- گلے میں تعویذ اٹکانا جائز ہے۔ جبکہ وہ آیاتِ قرآنیہ یا اسماءِ حسنیٰ یا ادعیہ ماثورہ پر مشتمل ہو اور بعض احادیث میں جو ممانعت آئی ہے۔ اس سے مراد وہ تعویذات ہیں جو شرکیہ کلمات پر مشتمل ہوں جو زمانۂ جاہلیت میں کئے جاتے تھے۔ چنانچہ ملا علی قاری مرقات صـ۳۶۰ ج ۸ پر فرماتے ہیں :- واما ما کان من الآیات القرآنیۃ والاسماء والصفات الربانیۃ والدعوات الماثورۃ النبویۃ فلا بأس بل یستحب سواء کان تعویذاً او رقیۃ اونشرۃ۔ واما علی لغۃ العبرانیۃ ونحوھا فیمتنع للاحتمال الشرک فیھا - اھ

(ھکذا فی بریقۃ المحمودیۃ صـ۱۱۱ ج ۴ وغایۃ الاوطار صـ۹۰ ج ۱)

ادب نمبر ۵۷

آیاتِ قرآنی کو تھوک سے مٹانا

وَمِنْ حُرْمَتِہٖ اَلَّا یَمْحُوَہٗ مِنَ اللَّوْحِ بِالْبُصَاقِ وَلٰکِنْ یَغْسِلَہٗ بِالْمَاءِ (قرطبی)

ترجمہ :- اور قرآن مجید کے آدابِ عظمت میں سے ایک یہ ہے کہ اس کو تختی (یا پتھر اور لوہے کی سلیٹ) سے تھوک کے ساتھ نہ مٹایا جائے بلکہ اس کو پانی سے دھو ڈالے (اور پانی کو کسی پاکیزہ اور محفوظ جگہ پر ڈال دے)۔

تشریح :- تھوک اگرچہ پاک ہے لیکن مسجد میں تھوکنا احترام مسجد کے پیشِ نظر منع ہے اور علمائے کرام کی تصریح کے مطابق قرآن مجید درجہ میں کعبہ شریف سے بھی افضل ہے تو اسکی عظمت کے پیشِ نظر آیاتِ قرآنیہ کو تھوک سے محو کرنا اور مٹانا خلاف ادب ہے۔ چنانچہ علامہ حصکفیؒ درمختار شرح تنویر الابصار میں فرماتے ہیں: وقد ورد النهی فی محو اسم الله بالبزاق وعنه علیه الصلوٰة والسلام القرآن احب الی الله تعالیٰ من السموٰت والارض ومن فیهن - ترجمہ :- اور تحقیق اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے مبارک نام کو تھوک سے مٹانے کی ممانعت وارد ہے اور سرورِ کائنات علیہ افضل الصلوات والتسلیمات سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قرآن مجید تمام آسمانوں اور زمین اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے، ان سب سے محبوب تر ہے۔

اور علامہ ابن عابدینؒ اس کی شرح میں فرماتے ہیں :- ولعل ذکر هذا الحدیث للاشارة ان القرآن یلحق باسم الله تعالیٰ فی النهی عن محوه بالبزاق اهـ یعنی علامہ حصکفیؒ کا اس حدیث کو ذکر کرنے سے شاید اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تھوک سے مٹانے کی ممانعت میں قرآن مجید بھی اللہ تعالیٰ کے مبارک نام کے ساتھ شامل ہے۔ (رد المحتار ص۱۷۸ ج۱ طبع جدید مصری)

اور علامہ محقق سید محمود آلوسیؒ نے اپنی مشہور تفسیر روح المعانی ص۱۵۵ ج۲۷، سورت واقعہ میں بسلسلۂ آدابِ القرآن اس حد تک تصریح کی ہے کہ تھوک آلود انگلی سے اوراقِ قرآن بھی نہ اُلٹے جاویں۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں :- وان لا یقلب اوراقه باصبع علیها بزاق - اهـ

اور مولانا ابو الحسنات عبد الحی لکھنویؒ نفع المفتی والسائل ص۱۱۶ پر رقمطراز ہیں :-

(الاستفسار) کاتب کتب اسم الله ثم اراد محوه هل یجوز محوه بالبزاق وغیره۔

الاستبشار- هو مکروه وقد ورد النهی فی ذالک فی البحر الرائق فی بحث مس الجنب کلام الله- قلت ثم ماذا یفعل یخط علی اطرافه خطوطا یعلم انه خارج من الکتابة وقع سهوا من قلم الکاتب او یمحوه ببزاقه او یمد الخط علیه- کذا اثبت شیخنا الدلائل الشیخ علی بن یوسف ملک الباشلی الحریری المدنی کنت قد حضرت عنده سنة احدی و ثمانین بعد الالف والمأتین فی المدینة المنورة لتصحیح الدلائل فکان اذا مر باسم الله تعالیٰ او اسم النبی صلی الله علیه وسلم الذی ان یکون داخلا فی کتاب الدلائل المطبوع ولا یکون صحیحا عنده یخط باطرافه خطوطا یعلم انه لیس من الکتاب وکان یکره المحو- اهـ

ترجمہ :- اللہ تعالیٰ کے مبارک نام کو تھوک سے مٹانا مکروہ ہے، جیسا کہ بحر الرائق میں جنبی کے مسِ قرآن کی بحث میں مذکور ہے اور اگر کاتب سے سہواً اللہ تعالیٰ کا نام لکھا جائے جو اصل عبارت سے زائد ہو تو پھر ایسے موقعہ پر کیا کرنا چاہیئے؟ کیا حاشیہ پر کوئی نشان لگایا جائے جس سے معلوم ہوسکے کہ یہ کتابت کی غلطی ہے، یا اس کو تھوک سے مٹا دیا جائے یا اس پر (حرف غلط کی طرح) خط کشیدہ کیا جائے۔ آگے فرماتے ہیں کہ میں جب مدینہ منورہ زادہا اللہ شرفا کی زیارت سے ۱۲۸۱ھ میں مشرف ہوا تو دلائل الخیرات کی تصحیح کی غرض سے شیخ الدلائل علی بن یوسف ملک باشلی حریری مدنیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے

دلائل الخیرات کا ایک مطبوعہ نسخہ پیش کیا۔ چنانچہ شیخ الدلائل موصوف نے اصل نسخے سے مطابقت پیدا کرنے کے لیے جہاں جہاں اللہ تعالیٰ یا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبارک نام زائد سمجھتے تھے۔ تو اس کے زائد ہونے کی طرف اشارہ کرنے کے لیے حاشیہ میں نشان قائم کر دیتے تھے۔ باقی ان کو محو کرنے اور مٹانے کو مکروہ سمجھتے تھے۔ انتہیٰ۔

اور علامہ خادمی رحمۃ اللہ علیہ بریقہ محمودیہ شرح طریقہ محمدیہ ص۱۸۱ ج ۲ پر فرماتے ہیں :- وَلَا یَجُوْزُ مَحْوُ اِسْمِ اللّٰہِ بِالْبُزَاقِ - اھ - یعنی اللہ تعالیٰ کے مبارک نام کو تھوک سے مٹانا جائز نہیں۔

ادب نمبر ۵۸

ناپاک چیز سے کتابتِ قرآن کی ممانعت

وَیَحْرُمُ کِتَابَۃُ الْقُرْآنِ بِشَیْءٍ نَجَسٍ۔

(البرہان للزرکشی ص ۴۷۹ ج ۱)

ترجمہ :- قرآن مجید کا ناپاک چیز کے ساتھ لکھنا حرام ہے۔

تشریح :- امام سیوطیؒ تفسیر اتقان ص۱۷۱ ج ۲ پر فرماتے ہیں : وتحرم کتابتہ بشیٍٔ نجسٍ واما بالذہب فھو حسن کما قالہ الغزالی - ترجمہ :- قرآن کی کتابت کسی نجس چیز کے ساتھ مکروہ ہے۔ لیکن سونے (کے پانی) سے قرآن کا لکھنا اچھا ہے جیسا کہ غزالیؒ نے کہا ہے۔

اور ہمارے حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہٗ اصلاح انقلابِ امت ص۶۶ پر فرماتے ہیں :-

" جس روشنائی اور سیاہی میں کسی نجس، ناپاک کی ملاوٹ ہو اُس سے قرآن مجید لکھنا یا جس کپڑے میں ایسا قوی شبہ ہو اُس کا غلاف بنانا یا جس وارنش میں ایسی چیز ہو اُس کو جلد پر ملنا یا لگانا یہ سب ناجائز ہے۔

مسئلہ :- امام برکلی طریقہ محمدیہ ص۲۳۹ ج ۲ پر فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کی کتابت بحالت جنابت وحیض ونفاس اور بحالت حدث اصغر حرام ہے۔

(ومن آفات الید) کتابت القرآن بالجنابۃ والحیض والنفاس والحدث - اھ)۔

ادب نمبر ۵۹

چھوٹی تقطیع پر لکھنے کی ممانعت

وَمِنْ حُرْمَتِهٖ اَلَّا يُصَغِّرُ الْمُصْحَفَ وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اَنَّهٗ رَاٰى مُصْحَفًا فِىْ يَدِ رَجُلٍ فَقَالَ مَنْ كَتَبَهٗ ـ قَالَ اَنَا فَضَرَبَهٗ بِالدِّرَّةِ وَقَالَ عَظِّمُوا الْقُرْاٰنَ ـ (قرطبی)

ترجمہ :- اور قرآن مجید کے آداب سے ایک یہ ہے کہ قرآن مجید کو چھوٹی تقطیع (مثلاً جیبی اور تعویذی سائز) پر نہ لکھے۔ حضرت سیدنا فاروق اعظمؓ نے ایک دفعہ کسی شخص کے پاس ایک مصحف نہایت باریک قلم سے لکھا ہُوا دیکھا تو دریافت فرمایا یہ کس نے لکھا ہے؟ تو اس شخص نے کہا میں نے لکھا ہے۔ پس آپ نے اُس کو دُرّہ سے پیٹا اور فرمایا قرآن کی عظمت کو ملحوظ رکھو (یعنی اسے بڑی تقطیع پر لکھو) -

تشریح :- تفسیر اتقان صـ۱۷۰ ج ۲ پر امام سیوطیؒ فرماتے ہیں :-

واخرج ابوعبيد فى فضائله عن عمرؓ انه وجد مع رجل مصحفا قد كتبه بقلم دقيق فكره ذالك وضربه وقال عظموا كتاب الله تعالى - وكان عمر اذا رأى مصحفا عظيما سرّ به واخرج عبدالرزاق عن علىؓ انه كان يكره ان تتخذ المصاحف صغارًا - واخرج ابوعبيد عنه انه كره ان يكتب القران فى الشئ الصغير - اھ ترجمہ :- ابو عبیدؓ نے فضائل القرآن میں روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے کسی شخص کے پاس ایک مصحف نہایت باریک قلم سے لکھا ہُوا دیکھا تو اس بات کو بُرا خیال کیا اور اس آدمی کو جسمانی سزا دی۔ پھر فرمایا کتاب اللہ کی تعظیم کرو اور حضرت عمرؓ کا دستور تھا کہ جب بھی وہ کوئی بڑا مصحف دیکھتے تو بہت خوش ہوتے - اور عبدالرزاق نے حضرت علیؓ سے روایت کی ہے کہ وہ چھوٹے چھوٹے مصاحف بنانے کو ناپسند کرتے تھے، اور ابو عبید نے حضرت علیؓ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کسی چھوٹی چیز میں قرآن کا لکھا جانا پسند نہیں کیا۔

اور علامہ شیخ عبدالغنی نابلسیؒ حدیقۃ الندیہ صـ۲۹۹ ج ۲ پر فرماتے ہیں :- من آفات اليد تصغير المصحف اى كتابته فى اوراق صغار قال الوالدؒ فى شرحه على شرح الدرر من

كتاب الطهارة عن الحسن عن ابى حنيفةؒ يكره ان يصغر المصحف وان يكتب بقلم دقيق وهو قول ابى يوسف قال الحسن وبه نأخذ اھ (ہکذا فی بریقۃ محمودیہ صـ۸۱ ج ۴) یعنی ہاتھ کے گناہوں میں سے ایک یہ گناہ ہے کہ قرآن مجید کی کتابت چھوٹے اوراق میں کی جاوے اور حضرت امام اعظمؒ اور امام ابویوسفؒ سے منقول ہے کہ قرآن مجید کو باریک قلم سے لکھنا (اور چھوٹے سائز کا بنانا) مکروہ ہے۔ حسنؒ فرماتے ہیں یہی علماء احناف کا مفتی بہ قول ہے۔ (انتہیٰ)

اور درمختار مع ردالمحتار صـ۳۹۶ ج ۶ مطبوعہ مصر بطبع جدید میں ہے :- ويكره تصغير مصحف (اى تصغير حجمه) وكتابته بقلم دقيق يعنى تمنعيها - اھ -

پس آج کل بعض اہلِ مطابع نے قرآن جیبی اور تعویذی سائز کے چھپوائے ہیں جن کا قلم اتنا باریک ہے کہ پڑھنے میں نہیں آتے اور ان کا حجم بہت چھوٹا ہوتا ہے۔ ان حضرات کو ذرا اس ادبِ قرآن کی طرف بھی توجہ مبذول کرنی چاہیئے۔ ہاں اگر حمائل شریف کے حروف واضح ہوں اور پڑھنے میں آتے ہوں اور چھوٹی تقطیع سے غرض یہ ہو کہ سفر میں ساتھ رکھ سکے اور بآسانی تلاوت میسّر ہو سکے تو اس میں کوئی حرج نہیں بلکہ یہ تو قرآنی خدمت ہے اور مدار اعمال نیت پر ہے -

مسئلہ :- قرآن مجید کو عربی رسم الخط کے علاوہ دوسرے خط میں لکھنے کے جواز میں علماء کا اختلاف ہے۔ (ملاحظہ ہو تفسیر اتقان صـ۱۷۰ ج ۲ البرہان فی علوم القرآن صـ۳۷۹ ج ۱)

سوال :- غیر مسلموں میں خصوصاً ہندوؤں میں قرآنی تعلیمات کی نشر و اشاعت اور ان کی ہدایت کے لیے ہندی ترجمہ کے ساتھ اگر ہندی رسم الخط میں متن قرآن مجید بھی درج کیا جائے تو کیسا ہے؟

جواب :- چونکہ ہندی رسم الخط میں عربی کے کئی حرف نہیں اور نہ اُن کو ظاہر کرنے کیلیے کوئی قطعی علامات ہیں اسلئے متنِ قرآن اور نظمِ فرقان کو ہندی رسم الخط میں شائع کرنا جائز نہیں۔ ہندی ترجمہ ہندی رسم الخط میں شائع کر دیا جائے مگر نظمِ قرآنی کو عربی رسم الخط میں ہی لکھا جائے۔ اھ (کفایت المفتی صـ۲۹۴ ج ۹)

❖

ادب نمبر ۶۰

جلّی قلم سے لکھنا

وَمِنْ حُرْمَتِهٖ اَنْ يُّجَلَّلَ تَخْطِيْطُهٗ اِذَا خَطَّهٗ الخ (قرطبی)

ترجمہ :- قرآن مجید کے آدابِ عظمت میں سے ایک یہ ہے کہ قرآن مجید کو جلّی حروف اور خوشخط لکھنا چاہیئے -

تشریح :- امام سیوطی تفسیر اتقان ص ج ۲ پر فرماتے ہیں :-

(۱) ابوعبید اور بیہقی نے کتاب شعب الایمان میں ابوحکیم العبدیؒ سے نقل کیا ہے کہ اُس نے بیان کیا کہ حضرت علیؓ میرے پاس سے ایسے وقت سے گُزرے جبکہ میں مصحف کو لکھ رہا تھا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا اپنی قلم کو خوب جلی کر دے۔ میں نے قلم پر قط لگایا اور پھر لکھنے لگا۔ یہ دیکھ کر حضرت علیؓ نے ارشاد فرمایا۔ ہاں اس طرح تو اس کو (منوّر) روشن بنا جیسا کہ اللہ پاک نے اُسے منوّر فرمایا ہے -

(۲) بیہقی نے حضرت علیؓ سے موقوفاً روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ ایک شخص نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی کتابت نہایت بنا سنوار کر کی تھی اسلئے اُسکی مغفرت ہو گئی -

(۳) ابونعیم نے تاریخ اصفہان میں اور ابن اشتہ نے کتاب المصاحف میں ابان کے طریق پر انسؓ سے موقوفاً روایت کی ہے کہ جس شخص نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو خوب سنوار کر لکھا خدا تعالےٰ اُس کی مغفرت کر دے گا -

(۴) ابن اشتہ نے عمر بن عبدالعزیزؒ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے اپنے عمّال (گورنروں) کو یہ فرمان تحریر کیا کہ جس وقت تم میں سے کوئی شخص بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھے تو اُس کو چاہیئے کہ الرحمٰن کو کھینچ کر (لمبا کر کے) لکھے -

(۵) زید بن ثابتؓ سے مروی ہے کہ وہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو اس طرح لکھنا مکروہ سمجھتے

تھے کہ اس میں سین نہ ہو (یعنی سین کے دندانے عیاں نہ ہوں) اھ

اس قسم کی متعدد روایات امام سیوطیؒ نے اتقان ص ج ۲ پر نقل فرمائی ہیں :-

باقی شیخ عبدالغنی نابلسیؒ حدیقۃ الندیہ ص۲۹۹ ج ۲ پر رقمطراز ہیں -

ینبغی لمن اراد کتابۃ القرآن ان یکتب باحسن خطٍ وابینہ علی احسن ورقۃ وابیض قرطاس بافخم قلم وابرق مداد ویفرج السطور و یفخم الحروف یضخم المصحف اھ - (ہکذا فی رد المحتار ص۳۸۶ ج ۶ بطبع جدید و مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر ص۶۱۹ ج ۲) ترجمہ :- قرآن مجید کی کتابت کرنے والے کو چاہیئے کہ قرآن مجید کو خوشخط، عمدہ اور سفید کاغذ پر جلّی قلم اور روشن سیاہی کے ساتھ لکھے۔ سطروں کو کشادہ رکھے اور حروف کو واضح اور موٹا لکھے اور اس کی جلد کو ضخیم بنائے -

تنبیہ بعض اہلِ مطابع نہایت معمولی کاغذ پر بہت خراب کتابت اور ردّی روشنائی سے قرآن چھپواتے ہیں۔ یہ ہرگز نہ ہونا چاہیئے۔ دُنیا کے چند ٹکوں کی خاطر عظمتِ قرآن کو نظر انداز کرنا مومن کی شان کے لائق نہیں -

وما علینا الا البلاغ واللہ ولی التوفیق -